العقائد الماتریدیہ فی شرح العقائد النسفیہ

المعروف

شرح عقائدِ نسفی

اجل

تصنیف

امام الکلام ابو حفص عمر بن محمد نسفی (متوفی ۵۳۵ھ)

ترجمہ وشرح

ابو العطاء علامہ غلام حسین عاصم ماتریدی

فیضِ رضا پبلی کیشنز

جامعہ قادریہ رضویہ مصطفیٰ آباد سرگودھا روڈ فیصل آباد

+92(41) 8788807 - 8860777 - 300-8660128

العقائد الماتريدية فی شرح العقائد النسفیۃ

المعروف

شرح عقائدِ نسفی

اجمل

تصنیف

امام الکلام ابو حفص عمر بن محمد نسفی (متوفی ۵۳۵ھ)

ترجمہ و شرح

ابو العطاء علامہ غلام حسین عاصم ماتریدی



محمدیہ لائبریری
رقم المسلسل ______
جامعہ اسلامیہ لاہور

فیضِ رضا پبلی کیشنز

جامعہ قادریہ رضویہ مصطفیٰ آباد سرگودھا روڈ فیصل آباد

+92(41) 8788807 - 8860777 - 300-8660128

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب .... اَلۡعَقَائِدُ الۡمَاتُرِیۡدِیَّةُ فِیۡ شَرۡحِ الۡعَقَائِدِ النَّسَفِیَّةِ
(المعروف) شرح عقائد نسفی

مؤلف .... امام نجم الدین ابو حفص عمر بن محمد نسفی رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی

مترجم وشارح .... علامہ غلام حسین عاصم ماتریدی مدَّ ظِلُّهٗ

کمپوزنگ .... محمد سعید احمد قادری سَلَّمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی (فیصل آباد)

تخریج ونظر ثانی .... مولانا محمد ریاض احمد سعیدی

سرورق .... محمد اجمل (خطاط القرآن)

باہتمام .... عزیزم غلام مصطفیٰ صاحب سَلَّمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی
جناب محترم مشرف پرویز صاحب

زیر نگرانی .... صاحبزادہ عطاء المصطفیٰ نوری صاحب

سال طباعت دوم .... فروری 2009

صفحات 480

قیمت ....

مطبع: .... البغداد پرنٹرز مصطفیٰ آباد گلی نمبر 5 سرگودھا روڈ فیصل آباد Ph: 041-8788807

ملنے کے پتے

مکتبۃ المصطفیٰ .... 8 کاسل سٹریٹ (BB9 5HN) برائر فیلڈ، لنکا شائر۔ انگلینڈ

فیض رضا پبلی کیشنز ...... جامعہ قادریہ رضویہ مصطفیٰ آباد سرگودھا روڈ فیصل آباد

مکتبہ اسلامیہ .... مصطفیٰ منزل، ۸۵ بی بلاک کشمیر کالونی، جہلم۔ پاکستان

اہل السنہ پبلی کیشنز ...... دینہ، جہلم

Ph 0092.41.8860777-8848670 Mob:0300-8660128
www.jamiaqadria.net
e-mail:info@jamiaqadria.net

مُقَدَّمَه

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

دنیا میں بے شمار ادیان پائے جاتے ہیں مگر سچا دین اسلام ہی ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿اِنَّ الدِّیۡنَ عِنۡدَ اللّٰهِ الۡاِسۡلَامُ......﴾ [آل عمران ۳:۱۹]

بے شک اللہ کے نزدیک اسلام ہی دین ہے۔

نیز ارشاد خداوندی ہے:

﴿......اَلۡیَوۡمَ اَکۡمَلۡتُ لَکُمۡ دِیۡنَکُمۡ وَاَتۡمَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ نِعۡمَتِیۡ وَرَضِیۡتُ لَکُمُ الۡاِسۡلَامَ دِیۡنًاؕ ......﴾ [مائدہ ۵:۳]

آج میں نے مکمل کر دیا ہے تمہارے لئے تمہارا دین اور پوری کر دی تم پر اپنی نعمت اور پسند کر لیا تمہارے لئے اسلام کو (بطور) دین۔

معلوم ہوا کہ سچا اور پسندیدہ دین اللہ تعالیٰ کے ہاں اسلام ہی ہے اور اسلام ہی تمام ادیان عالم پر غالب رہے گا۔

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:

﴿هُوَ الَّذِیۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَهٗ بِالۡهُدٰی وَ دِیۡنِ الۡحَقِّ لِیُظۡهِرَهٗ عَلَی الدِّیۡنِ کُلِّهٖ ۙ وَ لَوۡ کَرِهَ الۡمُشۡرِکُوۡنَ ۞﴾ [توبہ ۹:۳۳]

وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تا کہ اسے غالب کر دے ہر دین پر اگرچہ مشرک ناپسند کریں۔

کہ سابقہ تمام دینوں پر غالب کردے اوران کومنسوخ کردے اور یا دلائل وبراہین سے اس دین کوسب پر غالب کردے۔

امام طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

حَتّٰی يَنْزِلَ عِيْسَى بنَ مَرْيَمَ فَيَقْتُلَ الدَّجَّالَ فَحِيْنَئِذٍ تَبْطُلُ الْاَدْيَانُ كُلُّهَا غَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ الَّذِیْ بَعَثَ بِهٖ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ لِيُظْهِرَ الْاِسْلَامَ عَلَى الْاَدْيَانِ كُلِّهَا . (تفسیر طبری ج ۱۱ :۶۹)

معلوم ہوا کہ غلبہ اسلام کامل طور پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ہوگا۔ چونکہ سچا اور پسندیدہ دین رب کائنات کے نزدیک اسلام ہی ہے۔

اسی لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ج وَهُوَ فِى الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝﴾ [آل عمران ۳:۸۵]

اور جس نے اسلام کے سوا کسی اور دین کو طلب کیا تو وہ اس سے ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان پانے والوں میں سے ہوگا۔

اور نقصان یہی ہے کہ اہل اسلام کے سوا سب دوزخ میں جائیں گے۔ اور قیامت کے دن منکرین اسلام افسوس کریں گے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ۝﴾ [الحجر ۱۵:۲]

بسا اوقات کافر تمنا کریں گے کاش ہم مسلمان ہوتے۔

﴿ وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِى اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا ۝﴾

[الفرقان ۲۵:۲۷]

اور جس دن (ہر) ظالم (حسرت سے) اپنے ہاتھوں کو دانتوں سے کاٹے گا (اور) کہے گا کاش میں نے رسول کے ساتھ راستہ اختیار کرلیا ہوتا۔

اور امام طحاوی فرماتے ہیں:

وَدِيْنُ اللّٰهِ فِي الْاَرْضِ وَالسَّمَاءِ وَاحِدٌ، وَهُوَ دِيْنُ الْاِسْلَامِ، قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ﴾ [آل عمران ۳:۱۹] وَقَالَ تَعَالٰى ﴿وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ج ......﴾ [آل عمران ۳:۸۵] وَقَالَ: ﴿وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ط ......﴾ [مائدہ ۵:۳] وَهُوَ بَيْنَ الْغُلُوِّ وَالتَّقْصِيْرِ، وَبَيْنَ التَّشْبِيْهِ وَالتَّعْطِيْلِ، وَبَيْنَ الْجَبْرِ وَالْقَدْرِ، وَبَيْنَ الْاَمْنِ وَالْاِيَاسِ. (۱)

اور آسمان اور زمین میں اللہ کا دین ایک ہی ہے اور وہ دین اسلام ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بے شک اللہ کے نزدیک اسلام ہی دین ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور جس نے اسلام کے سوا کسی اور دین کو طلب کیا تو وہ اس سے ہرگز قبول نہ کیا جائے گا۔ اور فرمایا: اور پسند کرلیا تمہارے لئے اسلام کو (بطور) دین۔ اور دین اسلام افراط (زیادتی) تفریط (کمی)، اور تشبیہ اور تعطیل، اور جبر وقدر، اور امن وناامیدی کے درمیان ہے۔

اسلام اللہ کی نعمتوں میں سے ایک لازوال نعمت ہے اور مسلمان ہونا بڑی خوش نصیبی اور نجات کا ذریعہ ہے اسی لئے ہر مسلمان کو نبی کریم ﷺ نے نعمت دین اسلام کی قدر کا احساس دلانے کے لئے یہ تعلیم دی کہ تم کھانا کھانے کے بعد یوں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کرو۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مُسْلِمِيْنَ.(۲)

---

(۱) العقيدة الطحاوية ۲۰-۱۹)

(۲) تخریج اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں۔

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے ہمیں کھلایا اور پلایا اور ہمیں مسلمان بنایا

اور مرنے کے بعد قبر میں ہر مردہ سے دوسرا سوال دین کے متعلق ہوتا ہے کہ مَا دِینُکَ تیرا دین کیا ہے؟ تو مسلمان اللہ تعالیٰ کی مدد سے جواباً کہتا ہے۔ دِینِیَ الْاِسْلَامُ میرا دین اسلام ہے۔

اَللّٰھُمَّ ثَبِّتْنَا عَلَی الْاِسْلَامِ وَ اَمِتْنَا عَلَی الْاِیْمَانِ.

خیال رہے کہ ہر اصولی مذہب کو دین کہا جاتا ہے خواہ سچا ہو یا جھوٹا مگر اسلام سچے دین کو کہا جائے گا۔ یہ بھی خیال رہے کہ اصول عقائد کو دین کہا جاتا ہے اور فروعی مسائل کو مذہب۔ لہذا ہم میں اور شافعیوں میں دینی اختلاف نہیں بلکہ مذہبی اختلاف ہے۔ مگر ہم میں اور عیسائیوں یہودیوں میں دینی اختلاف ہے اسی لئے یہاں دین ارشاد ہوا نہ کہ مذہب۔

(تفسیر نعیمی ۳:۳۰۳)

اور اصول عقائد سے مراد توحید باری تعالیٰ رسالت اور آخرت پر ایمان لانا ہے اسلام ایک مکمل نظامِ حیات ہے جو ہر پہلو پر راہنمائی کرتا ہے کیونکہ یہ ایک عالمگیر نظام ہے جس کی جامعیت کو ان چار عنوانات کی روشنی میں سمجھ لینا چاہیے۔

(1) عقائد وایمانیات (2) عبادات واعمال

(3) معاملات ومعاشرت (4) اخلاقیات وسیاسیات

الترمذی ، ابواب الدعوات ، باب ما یقول اذا فرغ من الطعام ۳۶۸۶:۵۷

ابن ماجه ، کتاب الاطعمه ، باب ما یقال اذا فرغ من الطعام :۳۲۸۳

ابو داود، کتاب الاطعمه ، باب ما یقول الرجل اذا طعم :۳۸۵۰

المشکوٰة ، کتاب الاطعمه الفصل الثانی ۳۶۵

عمل الیوم و اللیلة للنسائی ، باب ما یقول اذا شرب اللبن ، حدیث :۲۹۲-۲۹۱-۲۹۰

گویا ان چار عنوانات کے مجموعہ کا نام اسلام ہے۔ اور سب سے اوّل درجہ عقائد کا ہے۔ عقائد، عقیدۃ کی جمع ہے اور دل میں جمائے ہوئے یقین اور اعتقاد کو عقیدہ کہتے ہیں اور لفظ عقیدہ عَقْد سے مشتق ہے عَقْد کا معنی باندھنا اور گرہ لگانا ہوتا ہے۔ چند بنیادی حقائق کے بارے میں یقین اور تصدیق قلبی کو پختہ کرنا اور خیالات کو مضبوط بنانا جس طرح گرہ باندھی جاتی ہے اسی کا نام عقیدہ اور ایمان ہے۔ عقیدہ کی جمع عقائد آتی ہے تو عقائد اسلامیہ کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات اور اسماء پر پختہ ایمان لائے اور اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں پر، قیامت کے دن پر اور اس کی تقدیر کی اچھائی وبرائی پر ایمان لائے اور ان کے علاوہ دیگر ان امور پر ایمان لائے جن کا ذکر نصوص میں آیا ہے جو امور غیبیہ اور اصول دین سے ہیں جیسے ارکان ایمان اور ارکان اسلام ہیں۔

عقائد اسلامی کے مسائل کو فقہ اکبر بھی کہتے ہیں اور اس کے مقابل فقہ کے مسائل و احکام اجتہادیہ کو فقہ اصغر۔ ایمان تمام اُمورِ اعتقادیہ کو شامل ہے چونکہ اسلام افراط وتفریط سے پاک ہے اسی طرح عقائد اسلامیہ میں بھی افراط (زیادتی) وتفریط (کمی) نہیں پائی جاتی کیونکہ اہل سنت وجماعت کے عقائد اعتدال پر ہیں۔

اس لئے صاحب نورالانوار، ملاجیون رحمه الله فرماتے ہیں:

فَاِنَّهَا مُتَوَسِّطَةٌ بَيْنَ الْجَبْرِ وَالْقَدْرِ وَ بَيْنَ الرَّفْضِ وَالْخُرُوْجِ وَ بَيْنَ التَّشْبِيْهِ وَالتَّعْطِيْلِ الَّذِىْ فِىْ غَيْرِهَا وَ عَلٰى طَرِيْقِ سُلُوْكٍ جَامِعٍ بَيْنَ الْمَحَبَّةِ وَالْعَقْلِ فَلَا يَكُوْنُ عِشْقًا مَحْضًا مُفْضِيًا اِلَى الْجَذْبِ وَ لَا عَقْلًا صَرْفًا مُوْصِلًا اِلَى الْاِلْحَادِ وَالْفَلْسَفَةِ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْهُ. (نورالانوار ٦-٥)

کہ بے شک وہ عقائد جبریہ اور قدریہ، رافضیہ اور خارجیہ اور تشبیہ اور تعطیل کے

درمیان ہیں جوان کے سواء ہیں اوراسی طرح عقائد اہل سنت محبت اور عقل کے درمیان جامع ہیں نہ کہ محض عشق ہی جو جذب کی کیفیت تک پہنچادے اور نہ صرف عقل پر اس کی بنیاد ہو جو کفر تک پہنچادے۔ ہم اللہ تعالیٰ کی اس سے پناہ مانگتے ہیں۔

کیونکہ عقائد اہل سنت کے سواء دیگر عقائد باطلہ والے افراط وتفریط کا شکار ہیں
عقائد اسلامیہ کو علم عقائد اور کلام کے نام سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے اور یہ علم تمام علوم کا سردار اور ان کی اصل ہے اور علم کلام ایک ایسا علم ہے جس کے حاصل کرنے سے انسان اپنے عقائد دینیہ کو ثابت کر کے ان کے دلائل اور مخالفین کے اعتراض کے جواب پر قادر ہو جاتا ہے۔ اور موضوع اس کا معلوم ہے اس حیثیت سے کہ اس کے ساتھ عقائد دینیہ کا اثبات متعلق ہو خواہ تعلق قریب ہو خواہ بعید ہو۔

سوال: نبی ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں یہ علم تدوین نہ ہوئے تھے۔ پھر کیونکر دینی علوم ہو گئے؟

جواب: اس وقتِ خیر میں کہ جس کی نسبت نبی ﷺ نے یوں فرمایا ہے:

خَیْرُکُمْ قَرْنِی ، ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ، ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ .(۱)

اچھا دور میرا ہے پھر ان لوگوں کا دور کہ اس کے بعد ہے پھر وہ جو اس کے بعد ہے۔

ان علوم کی تدوین اور ترتیب کی احتیاج نہ تھی کیونکہ سرکار دو عالم ﷺ کی برکت صحبت سے ان لوگوں کے ذہن صاف اور طبیعتیں پاک تھیں کج طبع اور اہل فساد بھی کم تھے۔ پھر جب اس زمانہ کے بعد طرح طرح کے واقعات پیش آئے۔ علماء نے انہیں (احکام کو مجملاً قرآن اور حدیث میں مذکور تھے) مرتب اور مدلل کر کے باب اور فصول وار حسب

(۱) البخاری ، کتاب الشھادات ، باب لا یشھد علی شھادة جور اذا اشھد ، ۲۶۵۱

احتیاج ان کے مواقع پر تفصیل سے الگ الگ جمع کر دیا۔ عَلٰی ھٰذَا الْقِیَاس دن بدن اور بہت سے علوم کو جن کی طرف حاجت پڑتی گئی، تدوین ہوتے گئے۔

بہر حال علم عقائد وکلام سب دینی علموں سے اشرف ہے کیونکہ اس میں عقائد دینی کا ذکر ہے اور عقیدے کی صحت پر سب عبارات کی مدار ہے کیونکہ اگر عقیدہ خراب ہے تو کوئی عبادت قبول نہیں ہوتی اور یہ سب علوم دینیہ کی اصل بھی ہے کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات خصوص کلام اور نبوت وغیرہا ایسی چیزوں کا ثبوت ہے جن پر سب علوم دینیہ کا مدار ہے۔ لہٰذا ہر مسلمان کو چاہیے کہ اول اس علم کو حاصل کرے تاکہ عقائد دُرست ہو جائیں اس کے بعد سب عبادات درجہ قبولیت پائیں۔ اس علم کا فائدہ یہ ہے کہ انسان اپنے عقائد درست کر کے جنت الفردوس میں ہمیشہ آرام پائے اور دوزخ کے سخت عذابوں سے چھوٹ جائے جو عقیدے کے فساد کا سبب ہوں گے۔

ائمہ عقائد وکلام:

جس طرح فروعی عملی مسائل میں اہل سنت وجماعت کے چار امام ہیں۔

(۱) حضرت امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت کوفی متوفی ۱۵۰ھ

(۲) حضرت امام مالک بن انس بن مالک بن عامر متوفی ۱۸۰ھ

(۳) حضرت محمد بن ادریس الشافعی متوفی ۲۰۴ھ

(۴) حضرت امام ابوعبداللہ احمد بن حنبل بغدادی متوفی ۲۴۱ھ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ

اسی طرح علم عقائد وکلام میں اہل سنت وجماعت کے تین امام ہیں۔

(۱) علَم الھدیٰ عمدۃ المفسرین امام المتکلمین شیخ الاسلام امام ابومنصور محمد بن محمد ماتریدی حنفی انصاری متوفی ۳۳۳ھ۔

(۲) امام ابوالحسن علی اشعری شافعی متوفی ۳۳۰ھ۔

(۳) امام ابوعبداللہ احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ

شافعی اور مالکی عقائد میں امام ابوالحسن علی اشعری کی پیروی کرتے ہیں اسی لئے ان کو اشعریہ یا اشاعرہ کہا جاتا ہے اور حنبلی حضرات عقائد میں بھی امام احمد بن حنبل کو اپنا راہنما مانتے ہیں اسی لئے ان کے حنابلہ کہتے ہیں فرقہ ظاہریہ اور جمہور اہل حدیث بھی عقائد میں اپنے آپ کو حنبلی کہلاتے ہیں۔ (بغیة الرائد)

حضرت امام ابومنصور محمد ماتریدی رحمہ اللہ تعالیٰ صرف تین واسطوں سے حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں اور جمہور احناف عقائد وکلام میں امام ابومنصور ماتریدی کے تابع اور پیروکار ہیں۔ ماترید سمرقند کے ایک گاؤں کا نام ہے جہاں آپ رہتے تھے آپ کا سلسلہ نسب کئی واسطوں سے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل جاتا ہے اسی لئے آپ کے نام کے ساتھ انصاری لکھا جاتا ہے۔ (مقدمہ کتاب التوحید: ۲)

آپ علوم ظاہری و باطنی کے ماہر تھے۔ آپ اعتقادی مسائل میں بائیس ۲۲ مرتبہ مناظرہ کرنے کے لئے بصرہ تشریف لے گئے۔ (اسلامی مذاہب)

آپ نے مختلف علوم پر اکیس ۲۱ سے زائد نہایت مفید کتابیں لکھی ہیں مگر ''کتاب التوحید'' اور ''تاویلات اہل سنت'' (تفسیر قرآن) کے سوا کوئی اور کتاب اب تک طبع نہیں ہوسکی

علم عقائد وکلام میں جن علماء نے آپ کے طریقہ کی نشر واشاعت اور ترقی دینے میں جدوجہد کی ہے وہ تو بے شمار ہیں جن میں صوفیا کرام اور علماء عظام سب شامل ہیں مگر ان میں سے امام المتکلمین ابوالمعین میمون بن محمد نسفی متوفی ۵۰۸ھ ہیں جن کی تالیفات میں سے کتاب تبصرہ الادلہ، التمہید لقواعد التوحید، بحر الکلام وغیرہ ہیں آپ کا مقام ومرتبہ علماء

ماتریدیہ حنفیہ میں وہی تھا جو امام باقلانی اور امام غزالی کا شوافع میں تھا۔

کتاب التوحید کے حاشیہ میں ہے۔

مِنْ اَكْبَرِ مَنْ قَامَ بِنُصْرَةِ مَذْهَبِ الْمَاتُرِيْدِيِّ وَ هُوَ بَيْنَ الْمَاتُرِيْدِيَّةِ كَالْبَاقِلَانِيِّ وَالْغَزَالِيِّ بَيْنَ الْاَشْعَرِيَّةِ. (۱)

آپ کی کتاب ''تبصرہ الادلہ'' دو جلدوں میں دراسہ عربیہ دمشق سے شائع ہوچکی ہے۔ یہ کتاب امام نورالدین صابونی متوفی ۵۸۰ھ نے پڑھی تھی اور امام فخرالدین رازی سے دوران مناظرہ یوں فرمایا کرتے تھے:

يَا اَيُّهَا الرَّجُلُ اِنِّيْ كُنْتُ قَدْ قَرَأْتُ تَبْصِرَةَ الْاَدِلَّةِ لِاَبِي الْمُعِيْنِ وَ اعْتَقَدْتُ اَنَّهُ لَا مَزِيْدَ عَلٰى ذٰلِكَ الْكِتَابِ فِي التَّحْقِيْقِ وَالتَّدْقِيْقِ. (۲)

علامہ عبدالعزیز پرہاروی، شرح عقائد کی شرح میں فرماتے ہیں:

امام ابومنصور نے ۳۳۵ھ میں وفات پائی جاگردیز محلّہ میں دفن کئے گئے۔ آپ کی قبر بڑی مشہور ہے۔ اس کی زیارت کی جاتی ہے اور برکت بھی حاصل کی جاتی ہے۔ (۳)

بعد میں آنے والے مؤرخین نے ان کے حالات اور کارناموں کو اس طرح تفصیل کے ساتھ بیان نہیں کیا ہے جیسا کہ کرنا چاہیے تھا ان کے حالات بہت ہی مختصر ملتے ہیں۔ راقم الحروف نے ''حیات امام ابومنصور ماتریدی'' کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے جس میں ان کے مختلف حالات وواقعات اور کارناموں کا ذکر کیا ہے۔ جن علماء اور صوفیا کرام نے آپ کا تعارف پیش کیا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ امام ابومنصور ماتریدی کا مرتبہ کتنا بلند وبالا ہے۔

(۱) مقدمہ کتاب التوحید : ٥ (۲) حاشیہ کتاب التوحید : ٦

(۳) النبراس : ۲۲۹

چنانچہ علامہ سید مرتضٰی زبیدی لکھتے ہیں:

فَاِنَّهٗ نَاصِرُ السُّنَّةِ وَ قَامِعُ الْبِدْعَةِ وَ مُحْیُ الشَّرِیْعَةِ ، كَمَا اَنَّ كُنْیَتَهٗ تَدُلُّ عَلٰی ذٰلِكَ اَیْضًا. وَ وَجَدْتُّ فِیْ كَلَامِ بَعْضِ الْاَجِلَّاءِ مِنْ شُیُوْخِ الطَّرِیْقَةِ اَنَّهٗ كَانَ مَهْدِیَّ هٰذِهِ الْاُمَّةِ فِیْ وَقْتِهٖ. (۱)

بے شک آپ سنت کے مددگار، بدعت کے مٹانیوالے اور شریعت کو زندہ کرنے والے ہیں جیسا کہ ان کی کنیت (ابومنصور) اس بات پر دال ہے۔ نیز میں نے بعض بڑے بڑے مشائخ طریقت کے کلام میں دیکھا ہے کہ امام ابومنصور ماتریدی اپنے زمانہ مین اس اُمت کے مہدی (ہدایت دینے والے) تھے۔

امام ربانی مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد فاروقی مسلہ روٴیت باری تعالیٰ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ علماء اہل سنت میں شیخ الاسلام شیخ ابومنصور ماتریدی کے اصحاب کا طریقہ کیا ہی عمدہ ہے جنہوں نے صرف مقاصد پر اکتفا کیا اور فلسفی باریکیوں اور نکتہ چینیوں سے بالکل روگردانی اور اعراض فرمایا ہے۔ (۲)

علامہ علی قاری رحمہ اللہ ایک حدیث کی شرح بیان کرتے ہوئے (کہ جس میں لفظ منصور مذکور ہے) فرماتے ہیں:

وَ قِیْلَ: اَلْمُرَادُ بِهٖ اَبُوْ مَنْصُوْرِ الْمَاتُرِیْدِیُّ وَ هُوَ اِمَامٌ جَلِیْلٌ مَشْهُوْرٌ وَعَلَیْهِ مَدَارُ اُصُوْلِ الْحَنَفِیَّةِ فِی الْعَقَائِدِ الْحَنِیْفِیَّةِ. (۳)

اور کہا گیا ہے کہ اس سے مشہور جلیل القدر امام ابومنصور ماتریدی مراد ہیں اور آپ پر ہی عقائد حنفیہ میں حنفی اصول کا دارمدار ہے۔

---

(۱) اتحاف السادۃ المتقین ۲:۷ (۲) مبداء و معاد : ٦٧

(۳) کتاب الفتن ، باب اشراط الساعۃ مرقاۃ ۱۰:۹۸

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ودیگر از موٴیدان مذہب سنت و جماعت شیخ ابومنصور ماتریدی بود۔ ومناقب ومفاخر وے بیرون از حد حصر واحصاء است۔ ووے حنفی المذہب است۔ (۱)

اسی طرح دیگر علماء کرام نے آپ کے مناقب بیان کئے ہیں جن کا ذکر ''حیات امام ابومنصور'' میں کردیا ہے۔

صاحب عقائد نسفی:

حضرت امام عمر بن محمد بن احمد بن اسماعیل بن علی بن لقمان ۴۶۱ھ میں ماوراء النہر کے شہر نسف میں پیدا ہوئے۔ آپ کی کنیت ابوحفص، لقب نجم الملت والدین اور صفت نسبتی نسفی اور سمرقندی ہے۔ آپ نے حصول علم کی خاطر مکہ معظّمہ اور دیگر علاقوں کے اہم شہروں کا سفر کیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ امام نسفی نے تحصیل علم وحدیث وفقہ کے لئے ساڑھے پانچ سوشیوخ واساتذہ کی خدمت میں زانوئے تلمذ طے کیا۔ آپ نے سو کے قریب کتابیں لکھی ہیں جو کہ تفسیر، قراءت، حدیث، فقہ، تصوف، اخلاق، تاریخ، تذکرہ، لغت، ادب اور عقائد میں ہیں۔ اکیس کتابوں کے نام تذکروں میں ملتے ہیں۔

غرضیکہ آپ بہت بڑے مفسر، محدث، فقیہ، حافظ، متکلم، اصولی، موٴرخ، ادیب، ناظم، نحوی اور لغوی تھے۔ امام ابومنصوری تریدی کے طریقہ پر چلنے والے تھے اور انہی کے عقائد ومسائل کا درس دیا کرتے تھے اور انہی کے نظریات کے مطابق کتاب ''العقائد'' لکھی جس کو مقبولیت عامہ حاصل ہوئی ہے۔ آپ کے شاگرد، صاحب ہدایہ امام برہان الدین ابو الحسن علی مرغینانی ہیں۔ آپ نے ۱۲ جمادی الاولیٰ ۵۳۷ھ کو سمرقند میں انتقال فرمایا۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَ

---

(۱) شرح سفرالسعادت : ۵۰۹

اِنَّا اِلَیهِ رَاجِعُوْنَ.(۱)

امام ابوحفص عمر بن محمد نسفی ماتریدی سمرقندی کی کتابوں میں سے ایک ''اَلْعَقَائِدُ النَّسْفِیَّة'' ہے۔ یہ عقائد ماتریدیہ میں نہایت مختصر رسالہ ہے لیکن اسے جو مقبولیت عامہ حاصل ہوئی ہے اس لحاظ سے بہت کم کتابیں اس کا مقابلہ کرسکتی ہیں۔ اس کی کئی شرحیں لکھی گئی ہیں اور پھر ان شرحوں پر لاتعداد حواشی لکھے گئے ہیں۔

خیال رہے کہ مولانا فقیر محمد جہلمی نے حدائق حنفیہ میں اور مولانا عبدالحی لکھنوی نے فوائد بہیہ میں ملاعلی قاری سے بحوالہ زرقانی وغیرہ ذکر کیا ہے کہ کشف الظنون نے عقائدِ نسفیہ کو شیخ ابوحفص عمر نسفی متوفی ۵۳۷ھ کی طرف منسوب کیا ہے جو زلت قلم ہے۔ ان حضرات کی رائے میں یہ کتاب شیخ ابوالفضل برہان الدین محمد بن نسفی مولود ۶۰۰ھ متوفی ۶۸۶ھ یا ۶۷۹ھ کی تصنیف ہے مگر ان حضرات کا تخطیہ بظاہر غلط اور صاحب کشف الظنون کا انتساب صحیح معلوم ہوتا ہے کیونکہ شارح عقائد علامہ تفتازانی نے تصریح کی ہے کہ یہ کتاب شیخ نجم الملت والدین عمر نسفی کی تصنیف ہے اور شرح عقائد نسفی علامہ تفتازانی کی۔ ۳۵ سے زائد شروح و حواشی ہیں مگر کسی نے بھی اس پر کوئی نکیر نہیں کی جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ کتاب العقائد النسفیہ امام نجم الدین ابوحفص عمر نسفی کی ہے۔

چنانچہ علامہ سعدالدین تفتازانی فرماتے ہیں:

یہ عقائد نامی مختصر رسالہ (نسفی) جو کہ امام الہمام قدوۂ علماء اسلام نجم الملت والدین عمر النسفی (۲) کا ہے۔ (اللہ تعالیٰ ان کو دارالسلام میں بلند درجہ عطا فرمائے) یہ عقائد نامی رسالہ نہایت اعلیٰ ہے جو کہ اس فن کی روشن اور قیمتی باتوں پر مشتمل ہے۔ چند ایسی فصلوں پر مشتمل جو

---

(۱) تذکرہ مصنفین درس نظامی ۱۷۶ تا ۱۷۳، الفوائد البهیه ۱۵۰

(۲) حاشیہ اگلے صفحہ پر

کے لئے قواعد اور اصول کا درجہ رکھتے ہیں۔ نیز یہ کتاب ایسی فصوص پر مشتمل ہے جو یقین کے لئے جواہر اور نگینوں کی حیثیت رکھتے ہیں۔ نہایت کانٹ چھانٹ اور انتہائی عمدہ نظم ترتیب کے ساتھ۔ (شرح العقائد النسفیه ۳)

غرضیکہ یہ کتاب عقائد نسفی بڑی معتبر اور عمدہ ہے اور صدیوں سے اس کو درس نظامیہ اور دیگر کورسوں میں پڑھا اور پڑھایا جاتا رہا ہے اور اب بھی مع شرح پڑھایا جاتا ہے۔ خدا جانتا ہے کہ یہ مبارک سلسلہ کب تک جاری رہے گا چونکہ عقائد نسفی کی تمام شروح اور حواشی عربی میں ہیں اور مختلف فرقوں کے اقوال و اعتراضات فلسفیانہ بحثوں کی روشنی میں نقل کرکے تردید کی گئی ہے اور عقائد اہل حق کا اثبات بھی انہی دلائل کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے جو کہ اپنے

---

(۱) خیال رہے کہ علماء احناف میں نسفی نسبت رکھنے والے متعدد علماء ہوئے ہیں جیسا کہ

امام ابوحفص عمر نسفی صاحب عقائد نسفی ۵۳۷ھ

ابوالبرکات عبداللہ بن احمد نسفی متوفی ۷۱۰ھ

علامہ ابوالفضل برہان الدین محمد بن نسفی متوفی ۹۸۲ھ

ابوالبدیع احمد بن محمد بن مکحول نسفی متوفی ۳۷۹ھ

ابوعلی حسین بن خضر بن محمد نسفی متوفی ۴۲۴ھ

علامہ مکحول بن فضل نسفی متوفی ۳۱۸ھ

ابوالمعالی معتمد بن محمد نسفی متوفی ۳۳۹ھ

محمد بن محمد نسفی متوفی ۴۲۳ھ

ابوجعفر محمد بن احمد بن محمود نسفی متوفی ۴۱۴ھ

ابومحمد عبدالعزیز بن محمد بن عاصم نسفی متوفی ۴۵۹ھ

ابواللیث احمد بن عمر نسفی متوفی ۵۵۱ھ

ابوالمعین میمون بن محمد نسفی ۵۰۸ھ

وقت وزمانہ کے لحاظ سے ضروری اور مفید طریقہ تھا مگر اب حالات مختلف ہو گئے ہیں لہذا ایک ایسی شرح کی ضرورت تھی جو عام فہم، سادہ زبان اردو میں ہو نیز اختلافی مسائل اور فلسفیانہ بحثوں سے خالی ہوتا کہ سب کے لئے مفید ثابت ہو تو راقم الحروف نے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتے ہوئے متن عقائد کا ترجمہ اور شرح اردو نہایت عام فہم اور سادہ زبان میں لکھ دی ہے اور جملہ مسائل بحوالہ درج کئے ہیں۔ امید ہے کہ طلبہ اور عوام سب کے لئے فائدہ مند ہوگی مجھے اپنی بے بضاعتی اور کم علمی کا اقرار واعتراف ہے۔ اہل علم حضرات سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ میری غلطیوں اور لغزشوں کی اصلاح فرمائیں گے اور اپنے مفید مشوروں سے نوازیں گے۔

اَللّٰھُمَّ رَحْمَتَکَ اَرْجُوْ فَلا تَکِلْنِیْ اِلٰی نَفْسِیْ طَرْفَةَ عَیْنٍ وَّ اَصْلِحْ لِیْ شَانِیْ کُلَّهٗ لَآاِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ بِرَحْمَتِکَ اَسْتَغِیْثُ.

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ وَ تُبْ عَلَیْنَا اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ.

وَصَلَّی اللّٰهُ عَلٰی خَیْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ.

غلام حسین عاصم مانزبدی
85۔ مصطفیٰ منزل، کشمیر کالونی۔ جہلم
حال مقیم برطانیہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ نہایت رحمت والے بے حد رحم فرمانے والے کے نام سے۔

قَالَ اَهْلُ الْحَقِّ حَقَائِقُ الْاَشْیَاءِ ثَابِتَةٌ.

(امام ابوحفص عمر بن محمد النسفی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ) اہل حق ۱ نے فرمایا ہے کہ چیزوں کی حقیقتیں ثابت ہیں۔

شرح: ۱ اہل حق سے مراد اہل سنت وجماعت ہیں۔ اَیْ اَهْلُ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ. (۱)
چونکہ اہل سنت وجماعت جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک حق ہیں اس کو دلائل و براہین سے ثابت کرتے ہیں اس لئے ان کو اہل حق کہا جاتا ہے اور اسی لئے ان کی پیروی کی جاتی ہے۔

شرح عقائد کے حاشیہ میں ہے:

وَهُمُ الَّذِیْنَ یُثْبِتُوْنَ مَا هُوَالْحَقُّ عِنْدَ اللّٰهِ تَعَالٰی بِالْبَرَاهِیْنِ وَهُمْ اَهْلُ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ وَ اِنَّمَا عُبِّرَ عَنْهُمْ بِاَهْلِ الْحَقِّ تَرْغِیْبًا لِّلْاِقْتِدَاءِ بِهِمْ. (۲)

اور وہ براہین کے ساتھ اس چیز کو ثابت کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک حق ہوتی ہے اور وہ اہل سنت وجماعت ہیں انہیں اہل حق کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے تاکہ ان کی اقتداء کے لئے ترغیب دلائی جاسکے۔

اہل سنت وجماعت کو اہل حق سے تعبیر کرنے سے اشارہ اس طرف ہے کہ انکی اقتداء کی ترغیب دی جائے کیونکہ وہ خود حق بات کی پیروی کرتے ہیں خیال رہے اہل سنت سے مراد ائمہ اربعہ کے پیروی کرنے والے ہیں یعنی حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی۔

(۱) النبراس : ۳۵ (۲) شرح العقائد النسفیة : ۸ حاشیة ۱۳

اَلْحَقُّ: لفظ حق سے مراد ایسا حکم ہے جو واقع کے مطابق ہو اور اس کا اطلاق اقوال، عقائد، ادیان اور مذاہب سب پر ہوتا ہے باعتبار ان چیزوں کے حق پر مشتمل ہونے کے۔ اور حق کے مقابل باطل ہوتا ہے۔ (۱)

نیز لفظ حق کا اطلاق قرآن مجید اور ذات تعالیٰ پر بھی ہوتا ہے جس طرح حق کے مقابل باطل ہے اسی طرح اہل حق کے مقابل اہل باطل ہوتے ہیں مگر غلبہ اہل حق کو ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿لِيُحِقَّ اللّٰهُ الْحَقَّ وَ يُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَ لَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۞﴾ [الانفال ۸:۸]

تا کہ حق کو ثابت کردے اور ناحق کو باطل کردے اگرچہ مجرم برا مانیں۔

﴿وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ط اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ۞﴾ (۲)

اور فرمایئے حق آگیا اور باطل نابود ہوگیا بے شک باطل کو نابود ہونا ہی تھا۔

حدیث مبارکہ میں ہے کہ جھوٹے لوگ حق والوں پر غالب نہیں آئیں گے۔

حَقَائِق: حقیقت کی جمع ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں:

تمام چیزوں کی حقیقتیں واضح اور ثابت ہیں۔ تمام عقائد اور احکام کی بنیاد صرف اس عقیدے پر ہے کہ ہر چیز کی ایک حقیقت ہے اور یہ حقیقت کسی کے علم میں آنے یا اعتقاد کرنے پر موقوف نہیں اور محض وہم وخیال پر بھی دارومدار نہیں رکھتیں جس طرح کہ پانی حقیقت میں پانی ہے اور آگ حقیقت میں آگ ہی ہے اور یہ کبھی نہیں ہوسکتا کہ آگ کو پانی تصور کرلیا جائے یا پانی کو آگ پر محمول کرلیا جائے تو اس وہم، عقیدہ یا خیال سے ان اشیاء کی حقیقتیں بدل

(۱) شرح العقائد النسفية :۸   (۲) بنی اسرائیل ۸۱:۱۷

جائیں گی۔ اگر ہم گرم کو سرد کہنے لگیں یا سرد کو گرم کہنے لگیں تو گرم چیز سرد اور سرد گرم نہیں ہوسکتی۔ (۱)

اَلْاَشْيَاءُ: شَیْءٌ کی جمع اور شیء موجود چیز کو کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿......وَ قَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَيْئًا ۞﴾ [مریم ۹:۱۹]

اور اس سے پہلے میں نے تجھے بنایا جب تم کچھ بھی نہ تھے۔

﴿هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا ۞﴾ [الدھر ۱:۷۶]

یقیناً انسان پر زمانے میں ایک ایسا وقت بھی آچکا ہے جس میں وہ قابل ذکر چیز نہ تھا

فَهٰذَا مَعْنَاهُ الْحَقِيْقِيُّ وَ قَدْ يُطْلَقُ عَلَى الْمَعْدُوْمِ مَجَازًا خِلَافًا لِّلْمُعْتَزِلَةِ فَاِنَّهُمْ يَجْعَلُوْنَهُ حَقِيْقَةً فِي الْمَوْجُوْدِ وَالْمَعْدُوْمِ. (۲)

شي کا حقیقی معنی موجود ہونے کے ہیں کبھی معدوم پر شے کا اطلاق مجازاً کیا جاتا ہے مگر فرقہ معتزلہ موجود ومعدوم دونوں کو حقیقتاً شے کہتا ہے۔

اعتراض: عقائد نسفی میں توحید ورسالت اور معاد وغیرہ کا بیان کرنا مقصود تھا تو کتاب کا آغاز حقائق اشیاء کے اثبات اور حدوث عالم وغیرہ بحثوں سے کیوں کیا گیا ہے؟

جواب: اگرچہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کا بیان مقصود بالذات ہے اور عقائد اسلامی کا بیان ضروری ہے لیکن چونکہ وجود صانع اور نبوت اور توحید وصفات وافعال باری تعالیٰ پر استدلال کی بنیاد وجود محدثات ومصنوعات اور کائنات پر ہے۔ جس کے بعد سمعیات کا ترتب ان پر بآسانی ہوسکتا ہے اس لئے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ نے کتاب کے شروع میں کائنات کے اجسام واعراض کے وجود اور ان کے بارے میں ثبوت علم پر تنبیہ کردینا زیادہ

(۱) تکمیل الایمان : ۱۸   (۲) النبراس ۴۰۔۳۹

مناسب خیال کیا ہے۔

چنانچہ علامہ تفتازانی فرماتے ہیں:

ثُمَّ لَمَّا كَانَ مَبْنٰى عِلْمِ الْكَلَامِ عَلَى الْاِسْتِدْلَالِ بِوُجُوْدِ الْمُحْدَثَاتِ عَلٰى وُجُوْدِ الصَّانِعِ وَ تَوْحِيْدِهٖ وَ صِفَاتِهٖ وَ اَفْعَالِهٖ ثُمَّ الْاِنْتِقَالُ مِنْهَا اِلٰى سَائِرِ السَّمْعِيَّاتِ نَاسَبَ تَصْدِيْرُ الْكِتَابِ بِالتَّنْبِيْهِ عَلٰى وُجُوْدِ مَا يُشَاهَدُ مِنَ الْاَعْيَانِ وَالْاَعْرَاضِ وَتَحَقُّقِ الْعِلْمِ بِهَا لِيُتَوَصَّلَ بِذٰلِكَ اِلٰى مَعْرِفَةِ مَا هُوَ الْمَقْصُوْدُ الْاَهَمُّ. (۱)

پھر جبکہ علم کلام کی بنیاد صانع کے وجود، اس کی توحید اور صفات و افعال پر محدثات و مخلوقات کے وجود سے استدلال کرنے پھر ان سے دوسرے مسائل سمعیہ و نقلیہ کی جانب منتقل ہونے پر ہے تو مناسب ہوا کہ کتاب کے شروع میں ان اعیان و اعراض کے وجود پر تنبیہ کی جائے جو مشاہد اور محسوس ہیں تا کہ اس بات کو اس چیز کی معرفت کا وسیلہ بنایا جائے جو سب سے اہم مقصد ہے۔

(۱) شرح العقائد النسفیہ : ۸

وَالْعِلْمُ بِهَا مُتَحَقِّقٌ

اوران کے ساتھ حقائق (چیزوں) کا علم بھی ثابت ہے۔ ۱

شرح: ۱ یعنی ان چیزوں کی حقیقتوں کے موجود ہونے پر ہم کو ان کا علم بھی حاصل ہو جاتا ہے کہ ہم ان کو جانتے ہیں یہ نہیں کہ ہم کو کوئی چیز معلوم نہیں ہے کیونکہ جب بالوضاحت سمجھتے ہیں کہ اجسام کو در حقیقت خارج میں وجود حاصل ہے تو پھر ہمیں یقین کر لینا ضروری ہے کہ اجسام دراصل اسی طور پر ہیں جیسا کہ ہم ان کے وجود کو درک کرتے ہیں اور پاتے ہیں۔

وَالْعِلْمُ بِهَا اَيْ بِالْحَقَائِقِ مِنْ تَصَوُّرَاتِهَا وَالتَّصْدِيْقِ بِهَا وَ بِاَحْوَالِهَا مُتَحَقِّقٌ . (شرح العقائد النسفیہ ۹)

اور ان (حقائق اشیاء) کا علم یعنی ان کا تصور اور ان (حقائق الاشیاء) کے وجود اور ان کے احوال کی تصدیق متحقق اور ثابت ہے۔

یعنی ان حقائق اور ان کے احوال کا علم دونوں طریقوں (تصور اور تصدیق) سے حاصل اور ثابت ہے اور اس کلام سے مقصود ان لوگوں پر رد کرنا ہے جو نہ تو کسی چیز کی حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں اور نہ ان کے ثبوت اور عدم ثبوت سے علم کو متعلق مانتے ہیں لہذا یہ کہہ کر ان دونوں چیزوں کو رد کر دیا کہ چیزوں کی حقیقتیں ثابت ہیں اور ان کے ساتھ علم بھی متحقق ہے۔

علامہ تفتازانی ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

وَالْجَوَابُ اَنَّ الْمُرَادَ الْجِنْسُ رَدًّا عَلَى الْقَائِلِيْنَ بِاَنَّهٗ لَا ثُبُوْتَ لِشَيْءٍ مِنَ الْحَقَائِقِ وَ لَا عِلْمَ بِثُبُوْتِ حَقِيْقَةٍ وَ لَا بِعَدَمِ ثُبُوْتِهَا . (شرح العقائد النسفیہ ۱۰)

اور جواب یہ ہے کہ حقائق سے مراد جنس ہے ان لوگوں کا رد کرنے کے لئے جو کہتے ہیں کہ حقائق سے کسی شے کا ثبوت نہیں اور نہ کسی چیز کے ثبوت یا عدم ثبوت کا علم ہے۔

خِلَافًا لِّلسُّوْفَسْطَائِيَّةِ

برخلاف (فرقہ) سوفسطائیہ کے ۱

سوفسطائیہ کے خیالات فاسدہ:

شرح: ۱ یعنی سوفسطائیہ ان چیزوں کی حقیقتوں اور ان کے علم کا منکر ہے سوفسطائیہ میں یا نسبت کی ہے اور سُوْفَسطا اس علم اور حکمت کا نام ہے جو ملمع شدہ ہو (یعنی حقیقت نہ رکھتا ہو) کیونکہ سوفا کا لفظ یونانی زبان میں علم اور حکمت کے معنی میں آتا ہے سطا کا معنی ملمع شدہ اور غلط ہے۔ قیاس غلط کو اسی وجہ سے سفسطہ کہا جاتا ہے اور فلسفہ، فیلاسوفا سے مشتق کیا گیا ہے سوفا کا معنی علم اور فیلا کا معنی محبت کنندہ ہے۔

قِيْلَ فِرْقَةٌ مِّنْ حُمَقَاءِ الْفَلَاسِفَةِ . (النبراس ٤٥)

فلاسفہ میں سے ایک احمق فرقہ کا نام سوفسطائیہ ہے۔

اور اس فرقہ کے تین گروہ ہیں جو اہل حق کی مخالفت کرتے ہیں۔ ایک عناد یہ کہ بہ سبب عناد کے یوں کہتا ہے کہ دنیا کی ہر چیز وہم وخیال ہے اصل میں کچھ نہیں۔ دوسرا عندیہ وہ یہ کہتا ہے کہ ہر چیز انسان کے عندیہ پر موقوف ہے جو کچھ ہے اس کے خیالات ہیں اور اصل میں کچھ نہیں۔ تیسرا، لا ادریہ ہے وہ یہ کہتا ہے کہ ہم کو کوئی چیز اچھی طرح معلوم نہیں ہر بات میں ہم کو شک ہے۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں:

ایسے لوگوں سے زبانی بحث ومناظرہ میں وقت ضائع کرنا بے نتیجہ ہوگا۔ ان کا تو بس ایک ہی علاج ہے کہ انہیں آگ میں جلا دیا جائے تا کہ انہیں آگ کی گرمی سے آگ کی حقیقت کا علم ہوجائے اور اگر جل مریں تو ایسے کج بحث لوگوں سے دنیا کو نجات مل جائے گی

اور ہمارا مقصد پورا ہوجائے گا۔ (تکمیل الایمان ۱۸)

علامہ تفتازانی فرماتے ہیں:

وَالْحَقُّ اَنَّهٗ لَاطَرِيْقَ اِلَى الْمُنَاظَرَةِ مَعَهُمْ خُصُوْصًا مَعَ اللَّاادْرِيَّةِ لِاَنَّهُمْ لَا يَعْتَرِفُوْنَ بِمَعْلُوْمٍ لِيُثْبِتَ بِهٖ مَجْهُوْلٌ بَلِ الطَّرِيْقُ تَعْذِيْبُهُمْ بِالنَّارِ لِيَعْتَرِفُوْا اَوْ يَحْتَرِقُوْا. (شرح عقائد النسفیہ ۱۱)

اور حق کی بات یہ ہے کہ ان کے ساتھ خصوصا لا ادریہ کے ساتھ مناظرہ کی کوئی صورت نہیں ہے کیونکہ یہ کسی معلوم کا اعتراف نہیں کرتے جس کے ذریعہ کوئی مجہول ثابت کیا جائے بلکہ راستہ تو ان کو آگ کی سزا دینا ہے تا کہ وہ اعتراف کرلیں یا جل جائیں۔

قَالَ نَصِيْرُ الطُّوْسِيُّ تَصْدِيْرُ الْكُتُبِ الدِّيْنِيَّةِ بِشُبُهَاتِ السُّوْفَسْطَائِيَّةِ تَضْلِيْلٌ لِطُلَّابِ الْحَقِّ وَ اُجِيْبَ بِاَنَّهٗ يُفِيْدُ الْعَاقِلَ جُهْدًا فِيْ تَحْقِيْقِ الْحَقِّ وَ تَحَرُّزًا عَنِ الْوَهْمِيَّاتِ وَالشُّبَهِ الْبَاطِلَةِ. (النبراس ٥٤)

نصیر طوسی نے کہا ہے کہ دینی کتابوں کو سوفسطائیہ کے شبہات کے ساتھ شروع کرنا طالبین حق کو کبیدہ خاطر اور گمراہ کرنا ہے۔ لہذا ان کے شبہات اور خیالات فاسدہ کا ذکر نہیں کرنا چاہیے۔ تو اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ عاقل کے لئے حق بات کی تحقیق میں جد وجہد پیدا کرنا ہے اور وہمیات اور باطل شبہات سے بچاؤ پیدا کرنا ہے۔

یعنی سوفسطائیہ کے خیالات وشبہات معلوم کرنے سے طالبین حق تلاش حق میں جد وجہد کرتے ہیں اور خیالات باطلہ سے بچنے کی استعداد پیدا کرلیتے ہیں لہذا سوفسطائیہ کے خیالات کا رد کرنے کی خاطر ان کے شبہات واقوال کا نقل کرنا گمراہی اور کوئی بری بات نہیں ہے۔ حق تعالیٰ نے قرآن مجید میں منکرین کے غلط نظریات کو بیان کرکے ان کا رد فرمایا ہے اور

علماء ربانی نے اپنی کتابوں میں اسی طریقہ کو اپنایا ہے۔ ہاں عوام الناس کے لئے بدعقائد لوگوں کے اقوال پڑھنے اور سننے سے پرہیز کرنا ہی ضروری ہے۔ (وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَاب)

کتاب نصر الدینیہ میں ہے۔

وَاعْلَمْ يَا اَخِيْ! بِاَنَّ مَعْرِفَةَ مَذْهَبِكَ لَا يَكُوْنُ كَامِلَةً اِلَّا بِمَعْرِفَةِ مَذْهَبِ الْمُخَالِفِيْنَ لِاَنَّ الْاَشْيَاءَ يُعْرَفُ بِاَضْدَادِهَا كَمَا قِيْلَ فَبِضِدِّهَا تَتَبَيَّنُ وَ كَمَا قِيْلَ عَرَفْتُ الشَّرَّ لَا لِلشَّرِّ وَ لٰكِنْ لِتَوَقِّيْهِ فَمَنْ لَّمْ يَعْرِفِ الشَّرَّ مِنَ الْخَيْرِ وَقَعَ فِيْهِ وَ كَمَا قَالُوْا مَنْ لَّمْ يَعْرِفِ الْكُفْرَ لَا يَعْرِفُ الْاِيْمَانَ وَ مَنْ لَّمْ يَعْرِفِ الْبِدْعَةَ وَالضَّلَالَةَ لَمْ يَعْرِفِ الْاِهْتِدَاءَ وَالْاِسْتِقَامَةَ. (نصر الدینیہ ص ۳ مخطوطہ)

میرے بھائی تو جان لے کہ تجھے اپنے مذہب کی معرفت کاملہ اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک تو اپنے مخالفین کے مذہب کو نہ جان لے کیونکہ اشیاء اپنی ضدوں سے پہچانی جاتی ہیں۔ جیسا کہ کہا گیا ہے چیز تو اپنی ضد سے واضح ہوتی ہے۔ اور جیسا کہ کہا گیا ہے کہ میں نے شر کو شر کے لئے نہیں بلکہ اس سے بچنے کے لئے پہچانا۔ تو جو شر کو خیر سے نہ پہچانے وہ شر میں مبتلا ہو جائے گا۔ اور جیسا کہ علماء نے فرمایا کہ جو کفر کی پہچان نہیں رکھتا وہ ایمان کو نہیں پہچان سکتا اور جس نے بدعت اور گمراہی کو نہیں پہچانا اس نے ہدایت اور استقامت کو نہیں پہچانا۔

وَ اَسْبَابُ الْعِلْمِ لِلْخَلْقِ ثَلَاثَةٌ

اور علم (۱) کے اسباب مخلوق (۲) کے لئے تین ہیں۔

اسباب علم:

شرح: ۱ امام ابومنصور ماتریدی رحمہ اللہ تعالیٰ علم کی تعریف میں فرماتے ہیں:

هُوَ صِفَةٌ يَّتَجَلّٰى بِهَا الْمَذْكُوْرُ لِمَنْ قَامَتْ هِيَ بِهٖ. (النبراس ۵۵)

وہ ایک ایسی صفت ہے جس کے سبب مذکور ظاہر اور واضح ہو جاتا ہے اس شخص کے لئے جس کے ساتھ یہ صفت قائم ہے۔ یہاں مذکور سے مراد شے ہے۔

وَ قَالَ الشَّرِيْفُ فِيْ شَرْحِ الْمَوَاقِفِ هُوَ اَحْسَنُ مَا قِيْلَ. (النبراس ۵۵)

علامہ سید شریف نے شرح مواقف میں فرمایا ہے کہ علم کی تمام تعریفوں سے یہ سب سے بہتر تعریف ہے۔

علماء متکلمین کے عرف میں علم کا اطلاق عقیدہ جازم اور یقین پر ہوا کرتا ہے اور یہ معنی لینے کی وجہ یہ ہے کہ علم کلام میں ان عقائد اور ایمانیات سے بحث کی جاتی ہے جو دین اسلام کی اصولی باتوں سے متعلق ہوتی ہیں اور جن پر شرح اور اثبات شرح کا دارومدار ہوتا ہے اور جو باتیں ایسی ہوتی ہیں ان کا اذعان (یقین) کامل ہوتا ہے اس صورت میں علم سے تقلید غلط، جہل مرکب، ظن، شک اور وہم سب نکل جاتے ہیں کیونکہ ان میں پورا انکشاف نہیں ہوتا۔

علم کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) قدیم (۲) حادث

علم قدیم صفات الٰہی میں سے ہے اور وہ خداوند کریم کی ذات پاک کے لئے مخصوص ہے اور علم حادث مخلوق کا علم ہے اور یہاں یہی علم حادث مراد ہے۔

۲ خَلْقٌ: بمعنی مخلوق ہے کہ مخلوق کے لئے اسباب علم تین ہیں خواہ فرشتے ہوں، انسان ہوں یا جن

چنانچہ علامہ سعد الدین تفتازانی فرماتے ہیں:

اَیِ الْمَخْلُوْقِ مِنَ الْمَلَکِ وَالْاِنْسِ وَالْجِنِّ، بِخِلَافِ عِلْمِ الْخَالِقِ تَعَالٰی، فَاِنَّهٗ لِذَاتِهٖ لَا بِسَبَبٍ مِّنَ الْاَسْبَابِ. (شرح العقائد النسفیہ ۱۲)

یعنی مخلوق فرشتہ، انسان اور جنوں کے لئے، بخلاف خالق تعالیٰ کے علم کے کہ وہ اس کی ذات کی وجہ سے ہے اسباب سے کسی سبب کے ذریعے نہیں۔

علامہ خیالی اس کی شرح میں فرماتے ہیں:

اَیْ ذَاتُهٗ تَعَالٰی کَافٍ فِیْ حُصُوْلِ عِلْمِهٖ وَ تَعَلُّقِهٖ بِالْمَعْلُوْمَاتِ بِلَا حَاجَةٍ اِلٰی شَیْءٍ یُّفْضِیْ اِلَی الْعِلْمِ وَ تَعَلُّقِهٖ. (مجموعة الحواشی البهیه ۱:۴۵)

یعنی اس کی ذات اپنے علم کے حصول اور معلومات کے ساتھ تعلق میں کافی ہے کسی ایسی چیز کی طرف حاجت کے بغیر جو علم اور اس کے تعلق کی طرف مفضی ہو۔

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا علم ذاتی ہے اور بغیر کسی سبب کے۔

حصول علم کے اسباب تو مخلوق کے لئے ہیں اور مخلوقات کی بہت سی قسمیں ہیں۔ ان میں سے صرف تین قسموں کا ذکر کیا گیا ہے دیگر اقسام کے عدم ذکر کی کیا وجہ ہے۔

چنانچہ مجموعة الحواشی البهیه ۱:۴۵ میں ہے۔

فَاِنْ قِیْلَ اَنَّ الظَّاهِرَ مِنْ قَوْلِهٖ مِنَ الْمَلَکِ وَالْاِنْسِ وَالْجِنِّ حَصْرَ الْمَخْلُوْقِ فِیْ هٰذِهِ الثَّلَاثَةِ لِاَنَّ السُّکُوْتَ فِیْ مَقَامِ الْبَیَانِ یُفِیْدُ الْحَصْرَ مِنْ اَنَّ الْمَخْلُوْقَاتِ کَثِیْرَةٌ فِی الْعَالَمِ مِثْلُ الْفَرَسِ وَالْبَقَرِ وَغَیْرِهٖ ذٰلِکَ. قُلْنَا لِاَنَّ الْمُرَادَ مِنَ الْمَخْلُوْقِ هُنَا ذُو الْعَقْلِ وَ لَا شَکَّ اَنَّهٗ مُنْحَصِرٌ فِیْهَا.

پس اگر کہا جائے کہ ان کے قول سے ظاہر مخلوق تین ہی ہیں فرشتے، انسان اور جن

مخلوق کو انہیں تین میں منحصر کیا ہے۔ کیونکہ مقام بیان میں سکوت تو حصر کا فائدہ دیتا ہے۔ حالانکہ مخلوق تو عالم میں بہت زیادہ ہے جیسے گھوڑا گائے وغیرہ۔ ہم اس کا جواب دیتے ہیں کہ مخلوق سے مراد یہاں ذوی العقول ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ذوی العقول انہیں تین میں منحصر ہیں۔

علامہ رمضان آفندی رقمطراز ہیں:

خُصَّ هٰذِهِ الثَّلَاثَةُ لِاَنَّهُمْ اَنْوَاعُ الْمُکَلَّفِ وَ حَالُ غَیْرِهِمْ غَیْرُ مَعْلُوْمٍ هَلْ لَّهُمْ نُفُوْسٌ مُّجَرَّدَةٌ تُدْرِکُ الْکُلِّیَّ اَمْ لَا. (حاشیہ شرح عقائد نسفی ۳۹)

ان تین کو خاص کیا گیا ہے کیونکہ یہی تین انواع مکلّف ہیں اور ان کے غیر کا حال نا معلوم ہے۔ کیا ان کے نفوس مجردہ ہیں کہ کلی طور پر پائے جائیں یا نہ۔

اَلْحَوَاسُّ السَّلِيمَةُ وَالْخَبَرُ الصَّادِقُ وَالْعَقْلُ

حواس(۱) سلیمہ اور سچی خبر(۲) اور عقل(۳)

شرح: ۱ اَلْحَوَاس، حَاسَّةٌ کی جمع ہے اور حواس سے مراد قوت حاسہ ہے کان، آنکھ وغیرہ مراد نہیں ہے۔ مصنف رحمہ اللہ نے اپنے قول میں حواس کے ساتھ سلامتی کی قید اس لئے لگائی ہے کہ بعض موقعوں پر کسی مانع کے سبب سے حس غلطی بھی کرتی ہے جیسے احول (بھینگا) ایک کو دو دیکھتا ہے۔

اَلْحَوَاسُّ جَمْعٌ، مُفْرَدُهٗ حَاسَّةٌ وَهِيَ الْقُوَّةُ الْحَاسَّةُ السَّلِيْمَةُ مِنَ الْعُيُوْبِ الْمُخِلَّةِ فِيْ اِحْسَاسِهَا كَالْعَمٰى لِلْعَيْنِ وَالْاَصَمِّ لِلْاُذُنِ. (۱)

حواس حَاسَّة کی جمع ہے اور اس سے مراد وہ قوت حاسہ ہے جو حاسوں میں خلل ڈالنے والے عیبوں سے محفوظ ہو۔ جیسے آنکھ کے لئے اندھا ہونا کان کے لئے بہرہ ہونا ہے۔

۲ خبر صادق یعنی وہ خبر جس میں جھوٹ نہ پایا جائے۔

هُوَ مَا لَهٗ نِسْبَةٌ خَارِجِيَّةٌ وَ قَدْ طَابَقَهَا كَالسَّمَاءُ فَوْقَنَا وَ مَكَّةُ مَوْجُوْدَةٌ وَ مَلٰئِكَةُ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ. (۲)

خبر صادق وہ ہے جس کے لئے نسبت خارجیہ ہو اور کبھی اس کے مطابق ہوتی ہے جیسے آسمان ہمارے سر پر ہے اور مکہ موجود ہے اور فرشتے اللہ کے بندے ہیں۔

۳ اور اسباب علم میں سے تیسرا سبب عقل ہے اور عقل سے مراد عقل کامل ہے جو حصول علم کا ایک سبب عظیم ہے۔ خیال رہے کہ اسباب ثلاثہ میں حصر استقرائی ہے حصر عقلی نہیں ہے۔

(۱) شرح العقائد النسفية : ۲۳ (۲) شرح العقائد النسفيه : ۲۳

فَالْحَوَاسُّ خَمْسٌ اَلسَّمْعُ وَالْبَصَرُ وَالشَّمُّ وَالذَّوْقُ وَاللَّمْسُ

پس حواس(۱) پانچ ہیں۔ سننا(۲) دیکھنا(۳) سونگھنا(۴) چکھنا(۵) اور چھونا(۶)

حواسِ خمسہ

شرح: ۱ حواس خمسہ حصول علم اور چیزوں کی حقیقت کو دریافت کرنے اور جاننے کا ذریعہ ہیں۔

۲ حواس خمسہ میں سب سے اول سمع کا ذکر کیا گیا ہے کیونکہ اکثر دینی معلومات وغیرہ اسی سے ہوتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَذِکْرٰی لِمَنْ کَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَی السَّمْعَ وَهُوَ شَهِیْدٌ﴾(۱)

بے شک اس میں ضرور نصیحت ہے اس کے لئے جو صاحب دل ہو یا کان لگائے اس حال میں کہ متوجہ ہو۔

اور قوت سمع ہی ایسی قوت ہے جس کا ادراک ہر جہت (طرف) سے ہو سکتا ہے اور سمع سے مراد کان نہیں ہیں بلکہ ایک ایسی قوت مراد ہے جو ایسے پٹھے میں رکھی گئی ہے جو اس کے کان کی تہہ میں بچھایا گیا ہے اس کے ذریعہ سے آواز ادراک کی جاتی ہے ہوا کے پہنچنے کے طریقہ پر سوراخ تک جو متکیف ہے آواز کی کیفیت کے ساتھ بایں معنی کہ اللہ تعالیٰ ادراک کو نفس میں ہوا کے پہنچنے کے وقت پیدا کرتا ہے۔

۳ بصر ایک ایسی قوت ہے جو کہ ان گول پٹھوں میں ہے جو کبھی آپس میں ملتے ہیں اور کبھی جدا ہو جاتے ہیں۔

(۱)[ق ۵۰: ۳۷]

علامہ تفتازانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَ هِیَ قُوَّۃٌ مُوْدَعَۃٌ فِی الْعُصْبَتَیْنِ الْمُجَوَّفَتَیْنِ اللَّتَیْنِ تَتَلَاقَیَانِ ثُمَّ تَفْتَرِقَانِ فَتَتَأَدَّیَانِ اِلَی الْعَیْنَیْنِ تُدْرَکُ بِهَا الْاَضْوَاءُ وَالْاَلْوَانُ وَالْاَشْکَالُ وَالْمَقَادِیْرُ وَالْحَرَکَاتُ وَالْحُسْنُ وَالْقُبْحُ وَ غَیْرُ ذٰلِکَ مِمَّا یَخْلُقُ اللّٰهُ تَعَالٰی اِدْرَاکَهَا فِی النَّفْسِ عِنْدَ اِسْتِعْمَالِ الْعَبْدِ تِلْکَ الْقُوَّۃَ. (۱)

بصر ایک ایسی قوت ہے جو ان دو کھوکھلے پٹھوں میں رکھی ہوئی ہے جو باہم دماغ میں ملے ہوئے ہیں۔ پھر ایک دوسرے سے جدا ہو کر دونوں آنکھوں میں پہنچتے ہیں۔ اس قوت کے ذریعہ روشنیوں، رنگوں، شکلوں، مقداروں، حرکتوں، خوبصورتی اور بدصورتی وغیرہ کا ادراک کیا جاتا ہے جس کا ادراک بندے کے اس قوت کو استعمال کرتے وقت اللہ تعالیٰ نفس میں پیدا فرمادیتا ہے۔

۴ شم ایک ایسی قوت ہے جو کہ دماغ کے اگلے حصہ میں پستان کے سر کے مشابہ گوشت کے دو ٹکڑوں میں ودیعت کی گئی ہے۔ اس قوت کے ذریعے بوؤں کا ادراک ہو جاتا ہے اس ہوا کے خیشوم تک پہنچنے کے طریقہ پر جو بو والی چیز کی کیفیت کے ساتھ متکیف ہے۔

۵ ذوق ایک ایسی قوت ہے جو زبان کے ظاہری چمڑے پر بچھے ہوئے پٹھے میں رکھی گئی ہے تمام ذائقے تھوک کی اس رطوبت سے (جو کہ منہ میں موجود ہے) مخلوط ہو کر اور اس پٹھے پر پہنچ کر معلوم ہوتے ہیں۔

۶ قوتِ لمس انسان کے تمام بدن میں منتشرہ ہے اور اسی کے ذریعہ سے گرمی، سردی، تری، خشکی وغیرہا کیفیات مس اور اتصال کرنے سے معلوم ہوتی ہیں۔

(۱) شرح العقائد النسفیه: ۱٤

سوال: حواس خمسہ باطنہ (حس مشترک، خیال، متصرفہ، وہم اور حافظہ کو) اسباب علم سے کیوں نہیں شمار کیا گیا؟

جواب: حواس خمسہ باطنہ کا ثبوت نہیں ہے۔ عقل سب کا سرچشمہ ومخزن ہے اس لئے ان کے ذکر کی حاجت نہیں ہے نیز فلاسفہ نے حواس باطنہ کو اسلام کے معارض وخلاف ثابت کر رکھا ہے اس لئے متکلمین ان سے بحث نہیں کرتے اور نہ ان کو مانتے ہیں۔

وَاَمَّا الْحَوَاسُ الْبَاطِنَۃُ الَّتِیْ تُثْبِتُهَا الْفَلَاسِفَۃُ فَلَا تَتِمُّ دَلَائِلُهَا عَلَی الْاُصُوْلِ الْاِسْلَامِیَّۃِ. (۱)

اور بہرحال حواس باطنہ جنہیں فلاسفہ ثابت کرتے ہیں ان کے دلائل اصول اسلامیہ کے مطابق تام نہیں ہیں۔

(۱) شرح العقائد النسفیة: ۱۳

وَبِكُلِّ حَاسَّةٍ مِّنْهَا تُوْقَفُ عَلٰى مَا وُضِعَتْ هِيَ لَهُ

اور ساتھ ہر حاسہ (قوت) کے ان میں سے وہی دریافت کیا جاتا ہے جس کے لئے وہ قوت مقرر کی گئی ہے۔ ۱

شرح: ۱ ہر ایک حاسہ سے اس چیز کا علم اور ادراک حاصل ہوتا ہے جس کے واسطے وہ حاسہ وضع کیا گیا ہے اور جو ادراک ایک قوت سے ہوتا ہے وہ دوسرے حاسہ سے ہرگز معلوم نہیں ہو سکتا۔

يَعْنِيْ اَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى قَدْ خَلَقَ كُلًّا مِّنْ تِلْكَ الْحَوَاسِّ لِاِدْرَاكِ اَشْيَاءٍ مَّخْصُوْصَةٍ كَالسَّمْعِ لِلْاَصْوَاتِ وَالذَّوْقِ لِلطُّعُوْمِ وَالشَّمِّ لِلرَّوَائِحِ لَا يُدْرَكُ بِهَا مَا يُدْرَكُ بِالْحَاسَّةِ الْاُخْرٰى. (۱)

یعنی اللہ تعالیٰ نے ان حواس میں سے ہر ایک کو مخصوص اشیاء کے لئے پیدا فرمایا ہے جیسے سمع آوازوں کے لئے، ذوق ذائقوں کے لئے اور شم بوؤں کے لئے۔ کسی چیز سے اس کا ادراک نہیں کیا جائے گا جس کا ادراک دوسرے حاسہ سے کیا جاتا ہے۔

اس میں اختلاف ہے کہ کیا ایک حاسہ سے دوسرے حاسہ کا کام لیا جا سکتا ہے؟ تو حق یہی ہے کہ جائز ہے کیونکہ حواس خمسہ تو محض شرط کے درجہ میں ہیں مؤثر حقیقی اللہ تعالیٰ ہی ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے کہ ایک محسوس کو دوسرے کے سپرد کرے مثلاً کان میں دیکھنے کی قوت پیدا کرے اور آنکھ میں سننے کی۔ فلاسفہ اس کو محال سمجھتے ہیں مگر حق تعالیٰ کے لئے یہ کچھ محال نہیں ہے۔

﴿وَّمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ﴾ (۲)

اور یہ اللہ پر کچھ دشوار نہیں۔

(۱) شرح العقائد النسفية: ۱۵،۱٤ (۲) [ابراهیم ۱٤:۲۰]

﴿......اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ (۱)

بے شک اللہ جو چاہے اس پر قادر ہے۔

علامہ عبدالعزیز پرہاروی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

يُوْقَفُ بِلَفْظِ الْمَجْهُوْلِ مِنَ الْوُقُوْفِ وَ هُوَ الْاِطِّلَاعُ اَيْ يُطَّلَعُ بِتَشْدِيْدِ الطَّاءِ. (۲)

یُوْقَفُ وُقُوْف سے مجہول کا صیغہ ہے بمعنی اطلاع، طائے مشدد کے ساتھ ہے۔ (یعنی مطلع وخبردار کیا جاتا ہے)۔ ایک اور نسخہ میں یُوْقَفُ کی بجائے تُوْقَفُ (واقف کیا جاتا ہے) مؤنث کا صیغہ ہے۔

(۱) [البقرہ ۲:۲۰] (۲) النبراس: ۷۰

وَالْخَبَرُ الصَّادِقُ عَلٰی نَوْعَيْنِ اَحَدُهُمَا الْخَبَرُ الْمُتَوَاتِرُ وَهُوَ الْخَبَرُ الثَّابِتُ عَلٰی اَلْسِنَةِ قَوْمٍ لَّا يُتَصَوَّرُ تَوَاطُؤُهُمْ عَلَى الْكَذِبِ.

اور خبر سچی (۱) دوقسموں پر ہے۔ ایک ان میں سے خبر متواتر (۲) ہے اور وہ جو ثابت ہو ایسے لوگوں کی زبانوں سے کہ نہیں خیال کیا جاتا ان کے اتفاق کرنے کا اوپر جھوٹ کے۔

خبر صادق کی دوقسمیں

شرح :۱ خبر صادق اس کو کہتے ہیں جو واقعہ کے مطابق ہو اور خبر کاذب (جھوٹی) جو واقعہ کے مطابق نہ ہو گویا صدق اور کذب خبر کی دو صفتیں ہیں۔ تو خبر صادق وہی ہے جس میں جھوٹ نہ ہو بلکہ سچی ہو اور اس دوقسمیں ہیں (۱) خبر متواتر (۲) خبر رسول علیہ الصلوۃ والسلام۔

۲ خبر متواتر کو اس وجہ سے متواتر موسوم کیا جاتا ہے کہ دفعتاً (یکبارگی) واقع نہیں ہوتی بلکہ پے در پے اور نَقل عَلَى التَّعاقُب (آگے پیچھے) کے ذریعے سے ثابت ہوتی ہے۔

شرح عقائد نسفی میں ہے۔

سُمِّيَ بِذَالِكَ لِمَا اَنَّهُ لَا يَقَعُ دَفْعَةً بَلْ عَلَى التَّعَاقُبِ وَالتَّوَالِيْ. (۱)

خبر متواتر کا نام اس نام کے ساتھ اس لئے رکھا گیا ہے کہ یہ ایک دم واقع نہیں ہوتی بلکہ یکے بعد دیگرے اور پے در پے واقع ہوتی ہے۔

تَوَاطُؤُهُمْ ان کا موافق ہونا یعنی عقل جائز نہیں رکھتی خبر دینے والوں کا جھوٹ پر اتفاق کرنا اور اس کا مصداق بغیر کسی شک وشبہ کے علم کا واقع ہونا ہے۔

(۱) شرح العقائد النسفية : ۱۵

وَهُوَ مُوْجِبٌ لِّلْعِلْمِ الضَّرُوْرِيِّ كَالْعِلْمِ بِالْمُلُوْكِ الْخَالِيَةِ فِي الْاَزْمِنَةِ الْمَاضِيَةِ وَالْبُلْدَانِ النَّائِيَةِ

اور وہ ثابت کرنے والی (۱) ہے واسطے علم ضروری (۲) کے جیسے علم گزرے ہوئے بادشاہوں کا گزرے ہوئے زمانہ میں اور (جیسے علم) دور کے شہروں (ملکوں) (۳) کا۔

علم ضروری

شرح :۱ لفظ مُوْجِب، ج کی زیر سے ہے یعنی ثابت وواجب کرنے والا۔

۲ علم ضروری وہ علم جو انسان کو بغیر نظر وفکر اور استدلال کے حاصل ہو یعنی خبر متواتر وہ خبر ہے جس سے علم ضروری حاصل ہوتا ہے کہ جس میں دلیل کی محتاجی نہیں ہوتی اور خبر دینے والوں کا کذب پر متفق ہونا ناممکن ہو۔

۳ یہاں سے دو باتیں معلوم ہوئی ہیں۔

ایک یہ کہ خبر متواتر وجوب علم کا سبب ہے اور یہ امر بدیہی ہے کیونکہ ہم بغداد شریف، مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کا علم رکھتے ہیں اور یہ خبر متواتر سے حاصل ہوا ہے۔

دوسری بات یہ کہ خبر متواتر سے جو علم حاصل ہوتا ہے وہ علم بدیہی ہے وہ کسب اور استدلال کا محتاج نہیں ہے کیونکہ یہ علم صاحب استدلال اور غیر مستدل سب کو حاصل ہے بلکہ بچوں کو جو کہ علم استدلالی اکتسابی کو اصلاً نہیں جانتے ان کو بھی حاصل ہوتا ہے۔

وَالنَّوْعُ الثَّانِیُ خَبَرُ الرَّسُوْلِ الْمُؤَیَّدِ بِالْمُعْجِزَۃِ

اور (خبر صادق کی) دوسری قسم خبر رسول (۱) ہے جو معجزہ کے ساتھ تائید کئے گئے ہیں

دوسری خبر رسول ﷺ

شرح: لفظ رسول بمعنی مرسل بروزن فعول ہے اور رسول وہ بے مثل انسان ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے احکام شریعت کی تبلیغ کے لئے بھیجا ہے اور بعض ''رسول'' کی تعریف میں کتاب کی شرط لگاتے ہیں بخلاف نبی کے کہ وہ عام ہے۔

وَالرَّسُوْلُ اِنْسَانٌ بَعَثَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى اِلَى الْخَلْقِ لِتَبْلِيْغِ الْاَحْكَامِ وَ قَدْ يُشْتَرَطُ فِيْهِ الْكِتَابُ بِخِلَافِ النَّبِيِّ فَاِنَّهُ اَعَمُّ .(۱)

اور رسول وہ انسان ہے جسے اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی طرف تبلیغ احکام کے لئے مبعوث فرمایا ہو اور کبھی رسول میں کتاب کی شرط لگائی جاتی ہے بخلاف نبی کے کہ وہ عام ہے۔

معلوم ہوا کہ نبی عام ہے خواہ اس کے پاس کتاب ہو جیسا کہ حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ اور خواہ کتاب نہ ہو جیسا کہ حضرت ہارون علیہ السلام۔ اور ہر رسول نبی ہے جیسے سیدنا محمد ﷺ، سیدنا موسیٰ علیہ السلام، سیدنا عیسیٰ علیہ السلام ہیں لیکن ہر نبی رسول نہیں ہوتا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّ لَانَبِيٍّ ......﴾ (۲)

اور ہم نے (غیب کی خبریں دینے والا اپنا مبعوث) کوئی رسول اور نبی آپ سے پہلے نہیں بھیجا۔

تو یہاں حرف عطف واؤ مغایرت کا مقتضی ہے کہ رسول اور ذات ہے اور نبی اور

(۱) شرح العقائد النسفیة : ۱۷ (۲) [الحج ۲۲:۵۲]

شخصیت ہے اور دونوں میں فرق ہے اور وہ فرق عموم و خصوص مطلق کا ہے کہ ہر رسول نبی ہے اور ہر نبی رسول نہیں ہوتا۔ اس میں اور اقوال بھی ہیں مگر یہاں اس مختصر میں سب اقوال نقل کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ.

۲ مُؤَیَّدٌ۔ تائید سے مشتق اسم مفعول کا صیغہ ہے بمعنی تقویت یعنی ان کی رسالت ثابت ہے اور معجزہ کے ساتھ تائید کی گئی ہے۔ لفظ ''مُعْجِزَۃٌ'' اعجاز سے بنا ہے بمعنی عاجز کر دینا، عاجز کرنے والا۔ اور معجزہ ایک ایسا کام ہے جو عادت کے خلاف ہو اس سے مقصود مدعی رسالت کی تصدیق ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی و رسول کو اپنے اپنے زمانہ میں کوئی نہ کوئی معجزہ ضرور عطا فرمایا ہے۔ جیسے حضرت صالح علیہ السلام کی ناقہ، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ید بیضا اور عصا مبارک، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مردوں کو زندہ کرنا وغیرہ مگر رحمت دو عالم ﷺ کو بکثرت معجزات عطا فرمائے ہیں مثلاً قرآن مجید، اسراء و معراج، شق قمر وغیرہ۔

وَهُوَ يُوجِبُ الْعِلْمَ الْاِسْتِدْلَالِيَّ وَالْعِلْمُ الثَّابِتُ بِهٖ يُضَاهِي الْعِلْمَ الثَّابِتَ بِالضَّرُوْرَةِ فِي التَّيَقُّنِ والثَّبَاتِ

اور خبر رسول ایسے علم کو ثابت کرتی ہے جو استدلالی ہو ۱؎ اور جو علم خبر رسول سے ثابت ہوتا ہے وہ اس علم کے مشابہ (برابر) ہوتا ہے جو صفت ضرورت کے ساتھ بلا استدلال حاصل ہوتا ہے یقینی اور ثابت ہونے میں بایں ہمہ کہ یقینی ہونے اور ثابت وقائم رہنے میں وہ علم ضروری کے مشابہ ہے۔

خبر رسول موجب علم استدلالی

شـــرح: ۱؎ رسول اللہ ﷺ کی خبر علم استدلالی کو ثابت کرتی ہے جو غور وفکر سے حاصل ہوتا ہے کیونکہ استدلال دلیل میں غور وفکر کرنے کو کہتے ہیں اور جو علم خبر رسول کے ذریعہ سے حاصل ہوتا ہے وہ علم ضروری اور بدیہی کے مشابہہ اور برابر ہوتا ہے۔ جیسے محسوسات، بدیہیات اور متواترات ہیں یقین کرنے اور قائم رہنے کے اعتبار سے۔

شکل منطقی یوں ہے کہ یہ خبر اس شخص کی ہے جس کی پیغمبری بالمعجزہ ثابت ہوتی ہے اور جو چیز ایسی ہو صادق ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ یہ خبر صادق ہے۔ پس جس طرح علم ضروری میں نقیض کا احتمال نہیں اور نہ کسی شک پیدا کرنے والے کے شک ڈالنے سے زائل ہوسکتا ہے یہی حال اس علم کا ہے جو خبر رسول سے ثابت ہو۔ خبر احاد میں ظنیت راوی کی وجہ سے ہوئی نہ اس سبب سے کہ وہ رسول کی خبر ہے اور خبر عام مخصوص بالبعض وغیرہ میں ظنیت عبارت کے سبب سے ہوتی ہے اور عام غیر مخصوص، خاص، ظاہر، نص اور مفسر کو جن میں کذب کا احتمال دلیل کے ساتھ پیدا نہیں ہوتا گویا تخصیص یا نسخ یا مجاز کا احتمال باقی رہتا ہے۔

قطعی طور پر جاننا چاہیئے کیونکہ ہم کو خبر نبی معصوم سے پہنچی ہے جو ظاہر کتاب پر عمل فرماتے تھے اور جو احتمال دلیل سے پیدا ہوں ان کی وجہ سے ترک عمل ظاہر نصوص سے نہیں ہو سکتا۔ احاد (خبر واحد) وہ خبر ہے جس کی روایت میں اتنی کثرت نہ ہو جتنی خبر متواتر میں ہوتی ہے اور ظن علم کی ایک قسم ہے کہ عمل کرنا اس پر صحیح ہے اور اعتقاد کرنا اس پر واجب نہیں۔ (۱)

۲؎ اَلتَّیَقُّن یقین حاصل کرنے اور عدم نقیض کے احتمال کے اعتبار سے۔

وَالثَّبَات اور قائم، ثابت رہنے کے اعتبار سے۔

یعنی خبر رسول ﷺ سے جو علم استدلالی حاصل ہوتا ہے وہ یقین اور ثبوت میں علم ضروری کی طرح ہے۔

فَهُوَ عِلْمٌ بِمَعْنَى الْاِعْتِقَادِ الْمُطَابِقِ الْجَازِمِ الثَّابِتِ وَ اِلَّا لَكَانَ جَهْلًا اَوْ ظَنًّا اَوْ تَقْلِيْدًا. (۲)

تو یہ ایسا علم ہے جو اس اعتقاد کے معنی میں ہے جو جازم اور ثابت کے مطابق ہو ورنہ جہل ہوگا یا ظن یا تقلید۔

تو جو علم خبر رسول ﷺ سے حاصل ہو وہ اعتقاد مطابق جازم اور ثابت کے معنی میں ہے اگر یہ تین صفتیں نہ ہوں تو جہل ہے، اگر واقع کے مطابق نہ ہو ظن ہے، اگر جازم نہ ہو تقلید ہے۔ اگر ثابت نہ ہو تو اس وقت یہ خبر یقین واثبات میں علم ضروری کے مشابہ وموافق نہیں ہو گی۔

(۱) صدر الشواهد :
(۲) شرح العقائد النسفية : ۱۸

وَ اَمَّا العَقلُ فَهُوَ سَبَبٌ لِّلعِلمِ اَيضًا

بہر حال عقل (۱) پس وہ بھی علم کے حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔

عقل بھی حصول علم کا سبب ہے۔

شرح: ! عقل روح کی اس قوت کا نام ہے جس کی وجہ سے نفس حصول علوم اور حصول ادراکات کے قابل اور مستعد ہو جاتا ہے۔ بعض فقہاء نے کہا ہے کہ عقل ایک جحت ہے کہ انسان اس سے عالم و عارف ہو جاتا ہے اور بعض نے کہا کہ عقل ایک چیز ہے جس سے اشیاء نادیدہ کے فہم پر وقوف و آگاہی حاصل ہو جاتی ہے۔ عقل کا معنی سمجھ و شعور ہے اور یہ اللہ کی نعمتوں میں سے ایک عظیم نعمت ہے اسی کے ذریعہ سے انسان اشیاء میں تمیز کر سکتا ہے اور عقل سے کام نہ لینے والے قیامت کے دن یوں کہیں گے۔

﴿وَ قَالُوا لَو كُنَّا نَسمَعُ اَو نَعقِلُ مَا كُنَّا فِيٓ اَصحٰبِ السَّعِيرِ﴾ (۱)

اور کہیں گے کاش ہم سنتے یا اپنی عقل (ہی) سے کام لیتے تو (آج) دوزخ والوں میں نہ ہوتے۔

صاحب شرح النسفیہ فرماتے ہیں کہ عقل ایک روحانی نور ہے جس کے ذریعہ سے نفوس، علوم ضروریہ اور نظریہ کو حاصل کرتے ہیں اور لفظ عقل **عِقَالُ البَعِيرِ** سے ہے کیونکہ اس میں باندھنے کا معنی پایا جاتا ہے اسی لئے عقل انسان کو نقائص اور برے کاموں سے روکتی ہے اور لفظ عقل مصدر ہے۔ (۲)

بعض نے عقل کو نور کہا ہے جس سے حق و باطل معلوم ہوتا ہے۔ ''خلاصته السلوك'' میں مرقوم ہے کہ عقل ایک روشن جوہر ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے دماغ میں پیدا کیا ہے اور اس کا

(۱) [الملك ٦٧ : ١٠] (۲) شرح العقائد النسفيه : ٢٠

نور دل میں ڈالا ہے۔ اہل اللسان نے کہا کہ عقل وہ چیز ہے جو اپنے صاحب کو ملامت کرتی اور ندامت عقبی سے بچاتی ہے اور حکیم نے کہا ہے کہ عقل روح حیات ہے اور روح بدن ہے۔ عقل کے مقام میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ دل میں ٹھکانا ہے اور اس کا اثر دماغ میں پہنچتا ہے اور بعض کے نزدیک عقل کا ٹھکانا دماغ ہے اور دل میں اس کا اثر پہنچتا ہے فقہاء کا مذہب بھی یہی ہے۔

امام غزالی فرماتے ہیں کہ عقل کی دو قسمیں ہیں فطری اور اکتسابی۔ فطری قوت، قبول علم کے لئے مستعد رہتی ہے اور بچے میں اس کا وجود ایسے ہی ہوتا ہے جیسے کھجور کا وجود گٹھلی میں

اکتسابی عقل، استفادہ سے پیدا اور علوم سے حاصل ہوتی ہے۔ یا اس حیثیت سے کہ معلوم نہیں ہوتی جیسے بغیر تعلم کے، تمیز کے بعد علوم ضروریہ کا اس پر فیضان۔ یا اس حیثیت سے کہ اس کا مدرک جانتا ہے اور وہ تعلم ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے عقل کی دو قسمیں کرتے ہوئے کیا خوب فرمایا ہے۔

رَأَيتُ العَقلَ عَقلَينِ   فَمَطبُوعٌ وَّ مَسمُوعٌ
وَ لَا يَنفَعُ مَسمُوعٌ   اِذَا لَم يَکُ مَطبُوعٌ
کَمَا لَا تَنفَعُ الشَّمسُ   وَ ضَوءُ العَينِ مَمنُوعٌ

میری رائے میں عقل کی دو قسمیں ہیں۔ مطبوع اور مسموع۔ مسموع اگر مطبوع نہیں تو بے سود ہے۔ جس طرح بے نور آنکھ کو سورج کی روشنی نفع نہیں دیتی۔

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ سب سے بزرگ مخلوق عقل ہے۔ دوم فرمان رسول ﷺ ہے کہ جب لوگ نیکی کے ذریعہ سے جنت کا قرب حاصل کریں تو تم عقل کے وسیلے سے قریب ہو۔ اول قسم کی وہی صورت ہے جو جسم کے لئے بصارت کی ہے۔ دوسری قسم کی روشنی کی سی مثال ہے یعنی اگر آنکھ بے نور ہے تو روشنی کیسے فائدہ دے اور روشنی کے بغیر بصارت بے سود ہے۔

(۱) صدر الشواهد (۲) ميزان العمل : ١٢٧-١٢٦

وَ مَا ثَبَتَ مِنْهُ بِالْبَدَاهَةِ فَهُوَ ضَرُوْرِیٌّ كَالْعِلْمِ بِاَنَّ كُلَّ شَیْءٍ اَعْظَمُ مِنْ جُزْئِهٖ .

اور جو علم عقل کے سبب سے حاصل ہو بدیہی طور پر تو وہ ضروری (۱) ہے جیسے ہر چیز کا کل اس کے جزء سے بڑا ہے۔

علم ضروری عقلی

شرح: ۱ مصنف رحمہ اللہ کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ ضروری اور بدیہی میں کوئی فرق نہیں ہے۔ یعنی وہ علم جو بغیر غور وفکر کے حاصل ہو، بالبداہت بلا توجہ وفکر کے حاصل ہو وہ ضروری عقلی ہے جیسے ہر چیز کا کل اس کے جز سے بڑا ہے۔ علم بدیہی وہ ہے جو آدمی کو حاصل ہوا انتہائی ادنیٰ سی تنبیہ سے بغیر غور وفکر کی طرف محتاج ہونے کے۔

علم ضروری کے دو معنی ہیں۔

(۱) وہ علم ضروری جو اللہ تعالیٰ انسان میں پیدا فرماتا ہے بغیر اس کے کسب واختیار کے، جیسے انسان کو اپنے وجود کا علم ہے۔

(۲) علم ضروری وہ ہے جو پہلی ہی نظر کے ساتھ بغیر غور کے حاصل ہو جیسے یہ علم کہ ہر چیز اپنے جز سے بڑی ہوتی ہے کیونکہ یہ علم کل جز اور اعظم کے تصور کے بعد حاصل ہوتا ہے (۱)

ان دونوں کی تعریف میں تھوڑا سا فرق کیا گیا ہے۔ جو مثالوں سے واضح ہے۔

(۱) شرح النسفية : ۲۱

وَ مَا ثَبَتَ مِنْهُ بِالْاِسْتِدْلَالِ فَهُوَ اِكْتِسَابِیٌّ.

اور جو علم استدلال سے حاصل ہو وہ اکتسابی (۱) ہے۔

علم استدلالی واکتسابی

شرح: ۱ اور جو علم عقل سے استدلال (غور وفکر) کے ساتھ ثابت ہو وہ اکتسابی ہے کیونکہ کسب یعنی غور وفکر کے استعمال سے حاصل ہوتا ہے جیسے کسی مقام سے دھواں اٹھتا دیکھ کر یہ جان لینا کہ وہاں آگ روشن ہے۔ مصنف کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ استدلال اور اکتساب ایک ہی چیز ہے مگر بعض نے ان میں فرق کیا ہے کہ اکتسابی عام ہے اور استدلالی خاص ہے۔ عقائد نسفی کے ایک نسخہ میں اکتسابی کی بجائے کسبی ہے۔

خیال رہے کہ علم حادث دو قسم پر ہے۔ (۱) ضروری (۲) اکتسابی۔

ضروری وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ انسان کے نفس میں بغیر اس کے کسب کے پیدا فرمائے جیسا کہ اس کے وجود کا علم اور حالات کے متبدل اور متغیر ہونے کا علم۔

اکتسابی وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ اس میں بواسطہ کسی دوسرے (کسب عبد) کے اور حواس کے مباشرہ (استعمال) کے پیدا کرے۔

اس علم کے اسباب تین ہیں۔ (۱) حواس وسلیمہ (۲) خبر صادق (۳) نظر عقل۔

جو علم عقل کی نظر سے حاصل ہو وہ دو قسم پر ہے ضروری اور استدلالی۔

ضروری وہ ہے جو سوائے تفکر کے اولاً ہی حاصل ہو جیسے کل وجزء کی مثال۔

استدلالی وہ ہے جس میں تفکر ونظر کی ضرورت ہے جیسا کہ دھوئیں کے دیکھنے سے آگ کے وجود پر علم لانا ہے۔

علم حادث دو قسم پر ہے۔ (۱) ضروری (۲) اکتسابی۔

اکتسابی کے تین اسباب ہیں: حواس سلیمہ، خبر صادق، نظر عقل

پھر عقل کی نظر سے حاصل ہونے والے علم کی دو قسمیں ہیں: ضروری، استدلالی۔ (احسن الفوائد)

وَالْاِلْھَامُ لَیْسَ مِنْ اَسْبَابِ الْمَعْرِفَةِ بِصِحَّةِ الشَّیْءِ عِنْدَ اَھْلِ الْحَقِّ

اورالہام (۱) اہل حق کے نزدیک کسی چیز کی صحیح معرفت (۲) (جاننے) کا سبب نہیں ہے۔

الہام اسباب علم سے نہیں۔

شـــرح: ۱؎ الہام (ڈالنا) یعنی وہ بات کہ بطریق فیض الٰہی دل میں ڈالی جائے اورالہام بواسطہ فرشتہ اور غیر فرشتہ بھی ہوتا ہے اور اس کے مقابلہ میں وسوسہ ہے جو نفس وشیطان کی طرف سے ہوتا ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:

﴿......وَ نَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ ج﴾ (۱)

اورہم اس وسوسوں کو (بھی) خوب جانتے ہیں جو اس کا نفس امارہ (اس کے دل میں) ڈالتا رہتا ہے۔

شیطانی وسوسے کا ذکر بھی قرآن کریم میں ہے:

﴿فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ ......﴾ (۲)

پھر دونوں کے دل میں شیطان نے وسوسہ ڈالا۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ ۞ مِنَ الْجِنَّةِ وَ النَّاسِ ۞﴾ (۳)

جو لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتا ہے۔ جنوں اور آدمیوں میں سے۔

لفظ الہام کا ذکر قرآن میں یوں آیا ہے:

(۱) [ق ۵۰: ۱۶] (۲) [الاعراف ۷: ۲۰] (۳) [الناس ۱۱۴: ۶-۵]

﴿فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَ تَقْوٰهَا ۞﴾ (۱)

پھر اسے سمجھادی اس کی بدکرداری اور اس کی پرہیزگاری۔

علامہ تفتازانی رحمہ اللہ الہام کا معنی وتفسیر بیان فرماتے ہیں:

اَلْمُفَسَّرُ بِالْقَاءِ مَعْنًی فِی الْقَلْبِ بِطَرِیْقِ الْفَیْضِ. (۲)

الہام کی تفسیر کی گئی ہے دل میں بطریق فیض معنی ڈالنے سے۔

علامہ پرہاروی رحمہ اللہ میں فرماتے ہیں:

وَ اِنَّمَا قُیِّدَ الْاِلْقَاءُ بِهٖ لِفَائِدَتَیْنِ:

اَلْاُوْلٰی: اَلْاِحْتِرَازُ عَنِ الْوَسْوَسَةِ الشَّیْطَانِیَّةِ......

اَلثَّانِیَةُ: اَلْاِحْتِرَازُ عَنِ الْعِلْمِ الْحَاصِلِ بِالْاِسْتِدْلَالِ بِالْاِکْتِسَابِ.

وَ اِنَّمَا قُیِّدَ الْاِلْھَامُ بِھٰذَا التَّفْسِیْرِ لِاَنَّهٗ قَدْ یَکُوْنُ بِمَعْنَی الْوَحْیِ الْاِلٰھِیِّ اِلٰی اَنْبِیَائِهٖ وَ ھُوَ مُفِیْدُ الْیَقِیْنِ قَطْعًا. (۳)

القاء کی قید تو دو فائدوں کے لئے لگائی گئی ہے ایک شیطانی وسوسہ سے احتراز کرنا ہے اور دوسرا اس علم سے احتراز کرنا ہے جو استدلال سے حاصل ہونیوالا ہے۔

اورالہام کی یہ تفسیر اس لئے کی گئی ہے کیونکہ الہام کبھی وحی الٰہی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کے نبیوں کی طرف ہوتی ہے اور جو الہام بمعنی الوحی ہو وہ قطعاً یقینی علم کے لئے مفید ہے۔

۲؎ چونکہ ممکن تھا یہ کہا جاتا کہ الہام بھی علم کا ایک سبب ہے لہذا اسباب علم کو تین میں منحصر کرنا خلاف ہے۔ اس کے دفعیہ کے لئے فرمایا کہ الہام اہل حق کے نزدیک معرفت کے لئے سبب

(۱) [الشمس ۹۱: ۸] (۲) شرح العقائد النسفیہ: ۲۳ (۳) النبراس: ۱۰۵

نہیں ہے۔لفظ معرفت کی جگہ بعض علماء لفظ "علم" لائے ہیں۔مگر مصنف کے ہاں معرفت اور علم ہم معنی ہیں۔نیز ایک نسخہ میں "بصحة" کی جگہ "لصحة" ہے۔الہام عام مخلوقات کے لئے اسباب علم سے نہیں ہے کیونکہ یہ فرق کرنا مشکل ہے کہ یہ الہام الٰہی ہے یا کہ وسوسہ نفس و شیطان ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿......وَ نَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ ج﴾ (۱)

اور ہم اس وسوسوں کو (بھی) خوب جانتے ہیں جو اس کا نفس امارہ (اس کے دل میں) ڈالتا رہتا ہے۔

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿...... وَ اِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰۤى اَوْلِيٰٓئِهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ ج﴾ (۲)

اور بے شک شیطان اپنے دوستوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتے رہتے ہیں تا کہ وہ تم سے جھگڑا کریں۔

خواص کا الہام وکشف بھی تب قابل اعتماد ہوگا جب کہ کتاب وسنت کے مطابق ہو

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

گفتہ کشف والہام اگر خلاف احادیث وقیاس جامع شرائط باشد ترجیح حدیث و قیاس راست ودر کشف حکم بخطا کنند وایں مسئلہ میان سلف وخلف مجمع علیہ است زیرا کہ قول رسول خدا ﷺ حجۃ قاطعہ است واحتمال کذب ونسیان در روایت ضعیف ودر کشف اولیاء خطا بسیار واقع می شود۔ (۳)

(۱) [ق ۵۰:۱۶] (۲) [الانعام ۶:۱۲۱] (۳) بغیة الرائد: ۱۱

وَالْعَالَمُ بِجَمِيْعِ اَجْزَائِهٖ مُحْدَثٌ.

اور عالم(۱) اپنے تمام اجزاء(۲) (حصوں) کے ساتھ نو پید و حادث(۳) ہے

جہاں حادث ہے۔

شرح: مصنف رحمہ اللہ جب حقائق اشیاء کے اثبات اور منکرین حقائق اشیاء کا رد کرنے اور اسباب علم کے ذکر سے فارغ ہوئے تو پھر عالم اور اس کی تمام چیزوں کے حادث ہونے کا بیان شروع فرمایا کہ اَلْعَالَمُ......الخ.

لفظ عالم لام کی زبر سے اسم آلہ کا صیغہ ہے کیونکہ کبھی اسم آلہ فاعل کے وزن پر بھی آتا ہے جسے خاتم، ختم یعنی مہر لگانے کا آلہ اور عالم جاننے کا آلہ۔(۱)

اور عالم علم سے بمعنی نشانی وعلامت ہے۔عالم کو اس لئے عالم کہتے ہیں کہ اس سے صانع عالم کی معرفت ہوتی ہے۔

اَیْ مَاسِوَی اللّٰهِ تَعَالٰی مِنَ الْمَوْجُوْدَاتِ مِمَّا یُعْلَمُ بِهِ الصَّانِعُ. (۲)

اور عالم یعنی موجودات میں سے جو اللہ تعالیٰ کے علاوہ ہیں جن سے صانع (بنانے والے) کو جانا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے سوا سب چیزیں عالم ہیں اس کی جمع الجوامع عالمین اور عوالم آتی ہے اور عالم کی بہت سی قسمیں ہیں۔

(۱) عالم اجسام (۲) عالم اعراض (۳) عالم نباتات (۴) عالم حیوانات

(۵) عالم افلاک (۶) عالم عناصر (۷) عالم ملائکہ (۸) عالم جن

یا یوں کہہ لیجئے عالم مجردات، عالم جسمانیات، عالم کثیفات، عالم مفردات، عالم

(۱) علم الصیغہ: ۱۵ (۱) شرح العقائد النسفیہ: ۲۴

مرکبات، عالم کائنات، عالم جمادات اور عالم انسان۔ (یہ اشرف المخلوقات ہے، وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْ آدَمَ، کا تاج اسی کے سر پر رکھا گیا ہے اور بار امانت کو اسی نے اٹھایا ہے۔

۲ مُحْدَث اسم مفعول کا صیغہ ہے یعنی عدم سے وجود کی طرف نکالا گیا ہے بایں معنی کہ یہ عالم اور اس کی تمام چیزیں نیست و نابود تھیں پھر ان کو وجود میں لایا گیا مگر فلاسفہ کے ہاں آسمان اپنی اشکال اور مادے کے ساتھ قدیم ہیں۔ اسی طرح ان کے ہاں عناصر، جمیع مواد اور صور کے قدیم ہیں۔

خیال رہے کہ تمام عالم کی چیزیں دو قسموں پر مشتمل ہیں۔ (۱) اعیان (۲) اعراض اور یہ سب چیزیں حادث ہیں۔

حجۃ الاسلام امام محمد غزالی رحمہ اللہ نے جن فلاسفہ کی تکفیر واجب قرار دی ہے ان میں وہی فلاسفہ ہیں جو عالم اور اس کی چیزوں کو قدیم مانتے ہیں۔ (۱)

کیونکہ عالم اور اس کی دیگر اشیاء کا حدوث قرآن و حدیث میں بیان کیا گیا ہے۔

رب کائنات فرماتا ہے:

﴿ وَ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ...... ﴾ (۲)

اور وہی (اللہ) ہے جس نے آسمانوں اور زمینوں کو چھ دنوں میں پیدا کیا۔

﴿......وَ خَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا ۝ ﴾ (۳)

اور اس نے ہر چیز کو پیدا کیا پھر اسے ایک مقرر کئے ہوئے اندازے پر رکھا۔

﴿......قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ...... ﴾ (۴)

فرما دیجئے ہر چیز کا پیدا کرنے والا اللہ ہے۔

(۱) المنقذ من الضلال : ۴۲ (۲) [هود ۷:۱۱]

(۳) [الفرقان ۲:۲۵] (۴) [الرعد ۱۶:۱۳]

﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَ مَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ق...... ﴾ (۱)

اور بیشک ہم نے آسمانوں اور زمینوں کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے چھ دنوں میں بنایا

﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۝ وَّ يَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُوالْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ۝﴾ (۲)

جو بھی زمین پر ہے سب کو فنا ہے۔ اور باقی ہے آپ کے رب کی ذات جو عظمت اور بزرگی والا ہے۔

﴿وَ هُوَالَّذِيْ يَبْدَءُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَ هُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ ط...... ﴾ (۳)

اور وہی ہے جو پہلی بار بناتا ہے پھر اسے دوبارہ بنائیگا اور یہ اس پر بہت آسان ہے۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ سب سے پہلے کیا تھا؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

كَانَ اللّٰهُ وَ لَمْ يَكُنْ شَيْءٌ غَيْرُهٗ، وَ كَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَاءِ. وَ كَتَبَ فِي الذِّكْرِ كُلَّ شَيْءٍ وَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ. (۴)

سب سے اول صرف اللہ تعالیٰ تھا اور اس کے سوا کوئی چیز نہیں تھی اور اس وقت اس کا عرش پانی پر تھا۔ اور اللہ نے ہر چیز کو ذکر میں لکھ دیا تھا اور اس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا فرمایا۔

فرمان باری تعالیٰ ہے: (۵)

﴿فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ ۝ وَّ حُمِلَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً ۝ فَيَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۝ وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ ۝﴾

(۱) [قٓ ۳۸:۵۰] (۲) [الرحمن ۲۶-۲۷:۵۵]

(۳) [الروم ۲۷:۳۰] (۴) البخاری، کتاب بدء الخلق، باب ۱ حدیث ۳۱۹۱

(۵) [الحاقة ۱۳-۱۴-۱۵-۱۶:۶۹]

پھر جب پھونکا جائے گا صور میں (پہلی مرتبہ) پھونکا جانا ایک بار۔ اور زمین اور پہاڑوں کو اٹھالیا جائے گا تو وہ ایک ہی بار میں چورا چورا کر دیئے جائیں گے۔ تو اس دن واقع ہونے والی واقع ہو جائے گی۔ اور آسمان پھٹ جائے گا تو وہ اس دن (بالکل) کمزور ہو جائے گا۔

﴿اِذَاالشَّمْسُ كُوِّرَتْ ۞وَاِذَاالنُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ۞وَ اِذَاالْجِبَالُ سُيِّرَتْ۞﴾ (۱)

جب سورج لپیٹ لیا جائے۔ اور جب تارے جھڑ جائیں۔ اور جب پہاڑ چلائے جائیں۔

﴿اِذَاالسَّمَآءُ انْفَطَرَتْ ۞ وَاِذَاالْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ ۞﴾ (۲)

جب آسمان پھٹ جائے اور جب ستارے جھڑ جائیں۔

﴿ اِذَاالسَّمَآءُ انْشَقَّتْ ۞﴾ (۳)

جب آسمان پھٹ جائے۔

﴿......كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ ط لَهُ الْحُكْمُ وَ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ۞﴾ (٤)

اس کی ذات کے سوا ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے حکم اسی کا ہے اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

معلوم ہوا کہ یہ سارا عالم وجہاں حادث اور فنا ہونے والا ہے۔

---

(۱) [التکویر ۸۱:۳-۲-۱] (۲) [الانفطار ۸۲:۲-۱]

(۳) [الانشقاق ۸٤:۱] (۳) [القصص ۸۸:۲۸]

اِذْ هُوَ اَعْيَانٌ وَّاَعْرَاضٌ فَالْاَعْيَانُ مَا يَكُوْنُ لَهٗ قِيَامٌ بِذَاتِهٖ وَ هُوَ اِمَّا مُرَكَّبٌ وَ هُوَالْجِسْمُ اَوْغَيْرُ مُرَكَّبٍ كَالْجَوْهَرِ وَهُوَالْجُزْءُ الَّذِىْ لَا يَتَجَزّٰى.

کیونکہ (۱) وہ عالم اعیان اور اعراض ہیں۔ اعیان وہ ہیں جو بذات خود قائم ہوں اور وہ یا مرکب ہیں اگر مرکب ہیں تو جسم ہے یا غیر مرکب جیسے جوہر ہے اور وہی جوہر ایک نہایت چھوٹا سا ٹکڑا ہے جس کے ٹکڑے نہیں ہو سکتے۔

اعیان واعراض

شرح ۱: مصنف رحمہ اللہ نے فرمایا کہ عالم اپنے تمام اجزاء کے ساتھ نوپیدا (پیدا کیا ہوا) ہے تو عالم کے حادث ہونے پر دلائل بیان کرتے ہیں کہ اجزاء عالم اعیان واعراض ہیں یعنی تمام عالم کی چیزیں دو قسموں پر ہیں۔

(۱) اعیان جیسے زمین وآسمان اور حجر وشجر۔

(۲) اعراض جیسے کپڑے پر رنگ، کاغذ پر حروف، دیوار پر سیاہی سفیدی وغیرہ۔

اعیان وہ چیزیں ہیں جو بذات خود قائم ہوں اور کسی کے تابع نہ ہوں اور اعیان ہی کی دو قسمیں ہیں:

اگر مرکب ہے تو پھر جسم ہے۔

اگر غیر مرکب ہے تو پھر وہ ایک جوہر کی طرح ہے اور اسی کو جزلا یتجزی کہتے ہیں اور اسی کو جوہر فرد بھی کہتے ہیں۔

وَالعَرَضُ مَالَا يَقُوْمُ بَذَاتِهٖ. وَ يَحْدُثُ فِی الْاَجْسَامِ وَالْجَوَاهِرِ
كَالْاَلْوَانِ وَالْاَكْوَانِ وَالطُّعُوْمِ وَالرَّوَائِح

اورعرض(۱) وہ ہے جو بذات خود قائم نہ ہواور وہ(۲) جسموں اور جوہروں میں پیدا ہوتا ہے جیسے رنگ، کون، مزے اور بوئیں۔

انواع عرض

شرح: ۱ یعنی بذات خود قائم نہ ہو بلکہ کسی کے تابع ہو جیسے کپڑے پر رنگ، کاغذ پر حروف اور دیوار پر سیاہی وسفیدی کہ وہ جسموں جوہروں میں پیدا ہوتا ہے۔اس تعریف سے صفات باری تعالیٰ اعراض سے خالی ہوگئی ہیں کیونکہ اللہ کی ذات اور اس کی صفتیں عالم میں داخل نہیں ہیں اور اس لئے کہ عالم حادث ہے اور اللہ کی ذات وصفات قدیم وازلی ہیں۔

اور جن میں اعراض پیدا ہوتے ہیں وہ یہ ہیں جیسے

(۱) رنگ یعنی سیاہی، سفیدی، سرخی، سبزی اور زردی ہے۔

(۲) اکوان، یہ کون کی جمع ہے اور وہ اجتماع اور افتراق اور حرکت وسکون ہیں۔

(۳) طعوم ذائقے، جیسے تلخی، تیزی، نمکینی، ترشی، شیریں، پھیکاپن وغیرہ مراد ہیں۔

(۴) روائح، رائحہ کی جمع ہے بمعنی بوئیں جیسے خوشبو وبدبو وغیرہ۔

۲ معلوم ہوا کہ تمام عالم کی چیزیں دوقسم پر ہیں اعیان واعراض۔

اعیان (جواہر واجسام) اس لئے حادث ہیں کہ حوادث سے خالی نہیں (صغری) اور جو شے حوادث سے خالی نہ ہو حادث ہے (کبری) لہذا اعیان حادث ہیں۔اعراض تو مشاہدہ سے حادث معلوم ہورہی ہیں مثلاً سکون کے بعد حرکت، اندھیرے کے بعد روشنی اور سفیدی کے بعد سیاہی۔اس سے ثابت ہوا کہ اعیان ہوں یا اعراض سب کے سب حادث و

نوپید ہیں اور اسی طرح قابل فنا ہیں۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔وَالْعَالَمُ حَادِثٌ وَ هُوَ قَابِلُ الْفَنَا کہ عالم حادث ہے قدیم نہیں اور قابل فنا ہے۔

﴿...... كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ ط ......﴾ (۱)

اس کی ذات کے سوا ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے۔

اَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللّٰهَ بَاطِلٌ. خبردار سن لو ہر چیز اللہ کے سوا مٹ جانیوالی ہے

شیخ عبدالحق فرماتے ہیں پس ملائکہ بہشت ودوزخ، عرش، ارواح، لوح وقلم اور ان کی مثل دوسری چیزیں (حوریں) جن کے دوام کی خبر ملتی ہے، فانی ہونگی اگرچہ ان کی فنا ایک لمحہ کے لئے ہی کیوں نہ ہو اس کے بعد دوبارہ باقی ہونگی پھر ہرگز فناپذیر نہیں ہوں گی۔(۲)

ان چیزوں کی پیدائش بقا کے لئے ہے نہ کہ مرنے اور فنا کے لئے۔یہ سب صرف ایک لمحہ کے لئے فنا ہوں گی۔مگر بعض کے نزدیک یہ چیزیں فنا ہونے سے مستثنیٰ ہیں۔

علامہ عبدالعزیز بن حمید اللہ (متوفی ۱۱۴۷ھ) لکھتے ہیں:

کہ در شرح امالی آوردہ است کہ ہفت چیز فانی مگر در و باقی ماند۔بہشت و دوزخ و عرش و کرسی و لوح و قلم و ارواح۔ (۳)

خیال رہے کہ عالم کے حادث وفانی ہونے کے روشن دلائل قرآن حکیم اور حدیث رسول ﷺ میں موجود ہیں لہذا فلاسفہ کی بے تمکین اور کمزور دلیلوں کو پیش کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے

پائے استدلالیاں چوبیں بود — پائے چوبیں سخت بے تمکین بود

عقلی دلائل لانے والوں کا پیر لکڑی کا ہوتا ہے اور لکڑی کا پیر بہت کمزور ہوتا ہے۔

مصنف جب حدوث عالم کے بیان سے فارغ ہوئے تو ضروری تھا کہ محدث عالم کا ذکر شروع کریں کیونکہ محدَث کیلئے محدِث کا ہونا ضروری ہے۔چنانچہ فرماتے ہیں: وَالْمُحْدِثُ لِلْعَالَمِ ......

(۱) [القصص ۸۸:۲۸] (۲) تکمیل الایمان: ۱۴ (۳) عمدۃ الاسلام: ۵

وَالْمُحْدِثُ لِلْعَالَمِ هُوَ اللّٰهُ تَعَالٰی

اور جہاں کا پیدا کرنے والا (۱) وہ اللہ تعالیٰ (۲) ہی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہی محدث عالم ہے۔

شرح: ۱ محدث اسم فاعل ہے بمعنی عدم سے وجود میں لانے والا، پیدا کرنے والا۔

۲ ھُوَ اللّٰه یعنی تمام عالم اور تمام عالم کی چیزوں کا پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿......وَخَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ......﴾ (۱)

اور اس نے ہر چیز کو پیدا کیا۔

کُلَّ شَیْءٍ میں عالم داخل ہے۔

﴿وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ط......﴾ (۲)

اور اگر آپ ان سے پوچھیں آسمانوں اور زمینوں کو کس نے پیدا کیا تو وہ ضرور کہیں گے اللہ نے۔

﴿بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط......﴾ (۳)

بغیر مثال کے پیدا کرنے والا ہے آسمانوں اور زمینوں کا۔

﴿اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ۞﴾ (۴)

بے شک آسمانوں اور زمینوں کی پیدائش اور رات اور دن کے اختلاف میں (ان)

(۱) [الفرقان ۲:۲۵] (۲) [لقمان ۳۱:۲۵]

(۳) [البقرہ ۲:۱۱۷] (۴) [ال عمران ۳:۱۹۰]

عقلمندوں کے لئے ضرور نشانیاں ہیں۔

﴿اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ص وَّتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۞﴾ (۱)

بے شک آسمانوں اور زمینوں کے پیدا کرنے اور رات اور دن کے بدل کر آنے اور ان کشتیوں میں جو لوگوں کے نفع کی چیزیں لئے ہوئے دریاؤں میں چلتی ہیں اور اس پانی میں جو اللہ نے آسمان سے اتارا پھر اس سے مردہ زمین کو زندہ کیا اور پھیلا دیئے اس میں ہر طرح کے جانور اور ہواؤں کے پھیرنے میں اور بادلوں میں جو زمین وآسمان کے درمیان اللہ کے حکم کے تابع رہتے ہیں ضرور (ان سب میں) عقلمندوں کے لئے (معرفت کی بیشمار) نشانیاں ہیں۔

ایک اور مقام میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا ۞ وَّالْجِبَالَ اَوْتَادًا ۞ وَّخَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًا ۞ وَّجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا ۞ وَّجَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا ۞ وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ۞ وَّبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا ۞ وَّجَعَلْنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًا ۞ وَّاَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا ۞ لِّنُخْرِجَ بِهٖ حَبًّا وَّنَبَاتًا ۞ وَّجَنّٰتٍ اَلْفَافًا﴾ (۲)

کیا ہم نے زمین کو فرش نہ بنایا؟ اور پہاڑوں کو (اس کی) میخیں۔ اور ہم نے تمہیں جوڑا جوڑا (مرد وعورت) پیدا کیا۔ اور تمہاری نیند کو راحت (کے لئے) بنایا۔ اور رات کو پردہ پوش کر دیا۔ اور دن کو بنایا روزی کمانے کا وقت۔ اور تمہارے اوپر سات مضبوط

(۱) [البقرہ ۲:۱٦٤] (۲) [النبا ۷۸:٦ تا ۱٦]

(آسمان) بنا دیئے۔اور ہم نے (سورج کو) نہایت چمکتا چراغ بنایا۔اور ہم نے برسنے والے بادلوں سے زور کا پانی اتارا۔تاکہ ہم اس کے سبب (زمین سے) غلہ اور سبزہ نکالیں۔ اور گھنے باغ۔

﴿اَفَلَایَنْظُرُوْنَ اِلَی الْاِبِلِ کَیْفَ خُلِقَتْ ۞ وَاِلَی السَّمَآءِ کَیْفَ رُفِعَتْ ۞ وَ اِلَی الْجِبَالِ کَیْفَ نُصِبَتْ ۞ وَ اِلَی الْاَرْضِ کَیْفَ سُطِحَتْ ۞﴾ (۱)

کیا (منکرین قدرت) اونٹ کو نہیں دیکھتے کہ وہ کیسے بنایا۔اور آسمان کو کہ وہ کس طرح بلند کیا گیا۔اور پہاڑوں کو کہ وہ کیونکر گاڑے گئے۔اور زمین کو کہ وہ کس طرح بچھائی گئی

قرآن مجید کی صدہا آیات اثبات صانع عالم پر دلالت کرتی ہیں جو کہ وجود باری تعالیٰ کی روشن دلیلیں ہیں کہ اس ساری کائنات ارضی وسماوی کا بنانے والا اللہ ہے اور کائنات میں غور وفکر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا موجد ضرور کوئی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ ہے جو واجب الوجود ہے کہ اس کا وجود ذاتی ہے اور اپنے وجود میں غیر کا بالکل محتاج نہیں ہے بلکہ سب مخلوق اسی کی محتاج ہے یہ ناممکن ہے کہ مصنوع ہو اور صانع نہ ہو۔فاعل کے بغیر فعل کا صدور کب ممکن ہوسکتا ہے۔

ہیچ چیزے خود بخود چیزے نہ شد	ہیچ آہن خود بخود تیغے نہ شد
ایں سبب درنظرہا پردہ ماست	درحقیقت فاعل ہرشئ خدااست
دست پنہاں وقلم بین خط گذار	اسپ در جولان وناپیدا سوار
پس یقین درعقل ہردانیدہ است	آنیکہ باجنبیدہ جنبانندہ است
تن بہ جاں جنبد نہ می بینی توجاں	لیک ازجنبیدن تن جاں بداں

(۱) [الغاشیہ ۸۸: ۱۷-۱۸-۱۹-۲۰]

کوئی بھی چیز بذات خود چیز نہیں بن سکتی کوئی لوہا خود بخود تلوار نہیں بن سکتا۔

یہ ظاہر اسباب ہماری نگاہوں میں پردہ ہیں دراصل ہر چیز کا فاعل (بنانے والا) اللہ تعالیٰ ہے۔

قلم لکھ رہا ہے لیکن ہاتھ چھپا ہوا ہے سوار کا پتہ نہیں لیکن گھوڑا دوڑ رہا ہے۔

ہر سمجھدار یہ یقین رکھتا ہے کہ جو چیز حرکت کرتی ہے اس کا کوئی حرکت دینے والا ضرور ہوتا ہے۔

بدن جو حرکت کرتا ہے جان کی وجہ سے کرتا ہے تم جان کو نہیں پہچانتے تو بدن کی حرکت سے جان کو سمجھو۔

کسی نے کیا خوب کہا ہے:

ابھی اس راہ سے کوئی گیا ہے	کہہ دیتی ہے شوخی نقش پا کی

غرضیکہ وجود باری تعالیٰ پر کائنات کا ہر ذرہ دلالت کرتا ہے کہ وہ ہے۔محدث عالم کے اثبات پر قرآن مجید میں عقلی ونقلی دلائل موجود ہیں جو عوام وخواص سب کے لئے باعث اطمینان قلبی اور موجب یقین محکم ہیں۔

ھُوَ اللّٰہُ تَعَالٰی کے ماتحت علامہ تفتازانی رقمطراز ہیں:

اَیِ الذَّاتُ الْوَاجِبُ الْوُجُوْدُ الَّذِیْ یَکُوْنُ وُجُوْدُہٗ مِنْ ذَاتِہٖ وَلَا یَحْتَاجُ اِلٰی شَیْءٍ اَصْلًا۔ (۱)

وہ اللہ تعالیٰ ایسی ذات ہے جو کہ واجب الوجود ہے کہ اس کا وجود اپنی ذات سے ہے اپنے وجود میں کسی کا محتاج بالکل نہیں ہے۔

(۱) شرح العقائد النسفیہ: ۳۲

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اس کا وجود واجب ہے وہ بذات خود قائم ہے اسے کسی دوسری ذات کی محتاجی نہیں ہے۔ کیونکہ غیر کا محتاج تو خدا ہونے کے لائق ہی نہیں۔ خدا کا معنی ہی خود موجود ہونے والا اور خود آئندہ ہے۔ یہ ضروری ہے کہ تمام موجودات کا سلسلہ ایسی ایک ذات تک منتہی ہو جو خود موجود ہو ورنہ یہ سلسلہ لامتناہی ہو جائے گا اور یہ بات غیر معقول ہے۔ (۱)

اسم جلالت اللہ، رب کائنات کا ذاتی نام پاک ہے جو تمام صفات کمالیہ کا جامع ہے باقی سب نام صفاتی ہیں۔ اس لئے اس کو اسم ذات کہتے ہیں یعنی ایک مستقل شے کا نام ہے جو مرجع صفات ہے کیونکہ ذات مستقل شے غیر محتاج کو کہتے ہیں اور لفظ ذات کا اطلاق رب ارض وسماء پر بھی ہوتا ہے۔

وَاللّٰهُ عَلَمٌ لِلذَّاتِ الْوَاجِبِ الْوُجُوْدِ الْمُسْتَجْمِعِ لِجَمِيْعِ الصِّفَاتِ الْكَمَالِيَةِ الْمُسْتَحِقِّ لِجَمِيْعِ الْمَحَامِدِ. (۲)

لفظ اللہ ذات واجب الوجود کا علم ہے وہ ذات جو تمام صفات کمالیہ کی جامع (اور) تمام تعریفوں کے لائق ہے۔

(۱) تکمیل الایمان: ۲۰۔۱۹ (۲) حاشیہ نفحۃ الیمن :

اَلْوَاحِدُ الْقَدِيْمُ الْقَادِرُ الْحَيُّ الْعَلِيْمُ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ الشَّائِیُّ الْمُرِيْدُ

وہ (اللہ) اکیلا (۱) ہے، وہ ہمیشہ (۲) سے ہے، قدرت (۳) والا، وہ زندہ (۴) ہے، وہ جاننے والا ہے، وہ سننے (۵) والا ہے، وہ دیکھنے (۶) والا، وہ چاہنے (۷) والا ہے، وہ ارادہ (۸) کرنے والا ہے۔

وحدانیت باری تعالیٰ

شرح: اس سے قبل بتایا گیا ہے کہ محدث عالم اللہ تعالیٰ ہے جو واجب الوجود ہے اب محدث عالم کی ان صفات کمالیہ کا بیان ہو رہا ہے جو اس کے کمال شان پر دلالت کرتی ہیں۔ ان صفتوں کو صفات ذاتیہ، ثبوتیہ، ایجابیہ اور کمالیہ بھی کہا جاتا ہے۔

ان صفات میں الواحد ہے کہ جو اس جہاں اور اس کی دیگر چیزوں کو پیدا کرنے والا ہے۔ وہ اپنی ذات، صفات اور اسماء افعال میں اکیلا و یکتا ہے اور ان میں اس کا کوئی ہمسر نہیں۔ اللہ تعالیٰ ایک ہے نہ ایسا کہ گنتی کی طرح اس کے بعد دوسرے کا وہم پیدا ہو۔ واحد (ایک) احد (اکیلا و یگانہ) اور یہ دونوں نام اسماء الحسنیٰ اور قرآن مجید میں مذکور ہیں۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ج ......﴾ (۱)

اور تمہارا معبود ایک معبود ہے۔

﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۞﴾ (۲)

آپ فرما دیجئے وہ اللہ ہے یکتا۔

﴿......اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ط ......﴾ (۳)

بیشک اللہ ہی اکیلا معبود ہے۔

(۱) [البقرہ ۲:۱۶۳] (۲) [الاخلاص ۱۱۲:۱] (۳) [المائدہ ۵:۱۷۱]

﴿قُلْ اِنَّمَآ اَنَابَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَىَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ج......﴾ (۱)

(اے حبیب کافروں سے) فرمادیجئے میں (الوہیت کا مدعی نہیں بلکہ معبود نہ ہونے میں) تم جیسا ہی بشر ہوں، میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ (میرا اور) تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔

﴿لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ج......﴾ (۲)

اگر آسمان اور زمین میں اللہ کے سواء اور معبود ہوتے تو ضرور وہ تباہ ہوجاتے۔

لہذا آسمان اور زمین کا ایک ہی معبود برحق اللہ تعالیٰ ہے اس لئے تباہی سے محفوظ ہیں۔ یہ آیت شریفہ علماء متکلمین کے ہاں نہایت مشہور برہان تمانع ہے۔

علامہ سعد الدین تفتازانی رحمہ اللہ نے اس آیت کو حجۃ اقتناعیہ کہا ہے یعنی ظن کا فائدہ دیتی ہے نہ کہ یقین کا۔ (۳)

مگر محققین علماء اس کو حجۃ قطعیہ کہتے ہیں جیسا کہ امام غزالی، امام ابن ہمام اور امام بیضاوی رحمہم اللہ کا مسلک ہے اور یہی درست ہے۔ (٤)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۢ بِمَا خَلَقَ وَ لَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ﴾ (۵)

اللہ نے (اپنے لئے) کوئی اولاد نہیں بنائی اور نہ اس کے ساتھ کوئی اور معبود ہے۔ ایسا (اگر ایسا ہوتا تو) اس وقت ہر معبود اپنی پیدا کی ہوئی چیزوں کو (الگ) لے جاتا اور ان

(۱) [الكهف ۱۹: ۱۱۰] (۲) [الانبياء ۲۱:۲۲]
(۳) شرح العقائد النسفيه: ۳٤ (٤) شرح فقه اكبر ۳۱
(۵) [المومنون ۲۳:۹۱]

میں ہر ایک دوسرے پر چڑھائی کرتا۔

رب تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿قُلْ لَّوْ كَانَ مَعَهٗٓ اٰلِهَةٌ كَمَا يَقُوْلُوْنَ اِذًا لَّابْتَغَوْا اِلٰى ذِى الْعَرْشِ سَبِيْلًا﴾ (۱)

فرمادیجئے اگر اس کے ساتھ اور معبود ہوتے جیسا یہ کہتے ہیں پھر تو وہ (معبود) عرش والے کی طرف ضرور کوئی راہ تلاش کر لیتے۔

﴿......قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّ هُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ﴾ (۲)

فرمادیجئے ہر چیز کا پیدا کرنے والا اللہ ہے اور وہ ایک ہے سب پر غالب ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں دو معبود کہنے سے منع فرمایا ہے۔

﴿وَ قَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ ج......﴾ (۳)

اور اللہ نے فرمایا ایک سے زیادہ معبود نہ بناؤ۔

اسی لئے کلمہ اسلام میں اس کی وحدانیت کی شہادت کا حکم ہے۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

وَ فِيْ كُلِّ شَيْءٍ لَهٗ شَاهِدٌ　　يَدُلُّ عَلٰى اَنَّهٗ وَاحِدٌ
(٤)

۲۔ القدیم: اللہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ قدیم قدم (ہمیشگی) سے مشتق ہے بروزن فعیل صفت کا صیغہ ہے۔ جدید اور حادث قدیم کی ضد ہیں۔ قدیم وہ ہے جو ہمیشہ ہوا اور حادث وہ ہے جو بعد میں پیدا کیا گیا ہو۔ جدید کا معنی نیا ہے اور قدیم کا معنی پرانا۔

جیسا کہ چاند کے بارے میں ارشاد ہے:

(۱) [بنی اسرآ یل ۱۷:٤۲] (۲) [الرعد ۱۳:۱٦]
(۳) [النحل ۱٦:۵۱] (٤) شرح فقه اكبر :۲۵

﴿...... حَتّٰی عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ ۞﴾ (۱)

یہاں تک کہ وہ لوٹا کھجور کی پرانی ٹہنی کی طرح۔

نیز ایک اور مقام میں ارشاد ہے:

﴿......اِنَّکَ لَفِیْ ضَلٰلِکَ الْقَدِیْمِ ۞﴾ (۲)

یقیناً آپ اسی اپنی پرانی محبت میں ہیں۔

ان آیات میں القدیم بمعنی پرانا اور مدت طویلہ کے ہیں مگر علماء متکلمین اس معنی میں القدیم کا اطلاق ذات باری تعالیٰ پر نہیں کرتے بلکہ اس معنی میں کہ القدیم وہ ہے جس کی نہ تو ابتداء ہے نہ انتہا۔ لہذا اللہ تعالیٰ قدیم ہے یہ حقیقت ہے کہ کتاب وسنت میں القدیم، اللہ تعالیٰ کے اسماء صفاتی میں سے نہیں ہے مگر ہمیشگی کے معنی میں اس کا اطلاق درست ہے۔

امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اَلْقَدِیْمُ هُوَ عِبَارَةٌ عَنِ الْمَوْجُوْدِ الَّذِیْ لَا اَوَّلَ لِوُجُوْدِهٖ۔(۳)

قدیم عبارت ہے اس موجود ذات سے جس کے وجود کے لئے اول نہیں۔

امام غزالی رحمہ اللہ ''قدیم'' کی شرح میں لکھتے ہیں:

اَلْعِلْمُ بِاَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی قَدِیْمٌ لَمْ یَزَلْ اَزَلِیٌّ لَیْسَ لِوُجُوْدِهٖ اَوَّلٌ بَلْ اَوَّلُ كُلِّ شَیْءٍ وَّ قَبْلَ كُلِّ مَیِّتٍ وَ حَیٍّ .(٤)

یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ قدیم ہے، ہمیشہ سے ازلی ہے۔ نہیں ہے اول اس کے وجود کے لئے بلکہ وہ ہر چیز سے اول ہے اور ہر مردہ اور زندہ چیز سے اول ہے (کہ اس کی ذات پاک کی کوئی ابتداء نہیں ہے)

(۱) [یٰسٓ ۳۶:۳۹] (۲) [یوسف ۱۲:۹۵]
(۳) شرح اسماء الحسنیٰ : (٤) قواعد العقائد :۱۵۲

صاحب شرح النسفیہ فرماتے ہیں:

اَیْ اَنَّ مُحْدِثَ الْعَالَمِ قَدِیْمٌ لَا اَوَّلَ لَهٗ وَلَا بِدَایَةَ فَلَیْسَ كَالْحَوَادِثِ.

یعنی بلاشبہ دنیا کا پیدا کرنے والا قدیم ہے کہ اس کے لئے نہ تو اول ہے اور نہ ابتداء وہ حوادث کی طرح نہیں ہے۔

قدیم اور ازلی الاول اور آخر کے معنی میں ہے۔

ارشاد ربانی ہے:

﴿هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ج ......﴾ (۱)

وہی اول ہے اور وہی آخر اور وہی ظاہر ہے اور وہی باطن۔

اول وآخر سے مراد ازلی وقدیم اور ابدی ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الْاَوَّلُ لَا شَیْءَ قَبْلَکَ وَ اَنْتَ الْاٰخِرُ فَلَا شَیْءَ بَعْدَکَ (۲)

اے اللہ تو اول ہے تجھ سے پہلے کوئی چیز نہیں ہے اور تو آخر ہے سو تیرے بعد کوئی چیز نہیں ہے (بس اول وآخر تو ہی ہے)

۳۔ القادر: یعنی اللہ تعالیٰ قدرت والا ہے کہ اس نے اپنی طاقت اور قدرت سے ساری دنیا کو ایجاد کیا۔ لفظ قادر، قدرت سے بنا ہے بمعنی قوت والا۔ اس کی ضد عجز ہے۔

ارشاد باری ہے:

﴿قُلْ هُوَ الْقَادِرُ......﴾ (۳)

آپ فرمادیں وہی اس پر قادر ہے۔

(۱) [الحدید ۵۷:۳] (۲) المستدرك على الصحيحين ، ۱:۷۰۵ ح:۱۹۲۲
(۳) [الانعام ٦:٦٥]

﴿اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا لا......﴾ (١)

کہ سب قوت اللہ ہی کے لئے ہے۔

﴿......وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۞﴾ (٢)

اور وہ جو چاہے اس پر قادر ہے۔

﴿......وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ مُّقْتَدِرًا ۞﴾ (٣)

اور اللہ ہر چیز پر قدرت والا ہے۔

ان آیات کریمہ میں اللہ تعالیٰ کی صفتیں قادر، قوی، قدیر اور مقتدر مذکور ہیں مگر اسماء الحسنیٰ میں صرف صفت قادر وارد ہے۔

۴ الحی: یعنی اللہ زندہ ہے اور سب کو زندہ رکھنے والا ہے۔

قرآن کریم میں ہے:

﴿اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ج اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ج ......﴾ (٤)

اللہ ہے جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہ خود زندہ دوسروں کو قائم رکھنے والا ہے

﴿وَ تَوَكَّلْ عَلَى الْحَیِّ الَّذِیْ لَا یَمُوْتُ وَ سَبِّحْ بِحَمْدِهٖ ط......﴾ (٥)

اور بھروسہ کیجئے اس ہمیشہ زندہ رہنے والے پر جسے کبھی موت نہ آئے گی اور اس کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کیجئے۔

﴿وَ عَنَتِ الْوُجُوْهُ لِلْحَیِّ الْقَیُّوْمِ ط......﴾ (٦)

اور سب کی گردنیں (اللہ) حی قیوم کے حضور جھک جائیں گی۔

---

(١) [البقرہ ٢:١٦٥] (٢) [المائدہ ٥:١٢٠] (٣) [الکھف ١٨:٤٥]

(٤) [البقرہ ٢:٢٥٥] (٥) [الفرقان ٢٥:٥٨] (٦) [طٰہٰ ٢٠:١١١]

۵ العلیم: وہ اللہ سب کچھ جاننے والا ہے اور ہمیشہ سے جانتا ہے۔

فرمان ربانی ہے:

﴿......یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ج ......﴾ (١)

جانتا ہے جو ان کے سامنے ہے اور جو ان کے پیچھے۔

یعنی دنیا و آخرت کے سب حالات اور ظاہر و باطن کی سب چیزوں کو بھی جانتا ہے۔

﴿......یَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَ جَهْرَكُمْ وَ یَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ ۞﴾ (٢)

وہ جانتا ہے تمہارا چھپا اور تمہارا اعلانیہ اور جانتا ہے جو تم کماتے ہو۔

﴿......وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ۞﴾ (٣)

اور جان لو کہ اللہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔

۶ السمیع البصیر: وہ اللہ سب کچھ سننے والا اور سب کچھ دیکھنے والا ہے وہ ظاہری آنکھوں کے بغیر دیکھتا ہے اور بغیر کانوں کے سنتا ہے۔

﴿......وَ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ۞﴾ (٤)

اور وہ (ہر بات) بہت سننے والا (ہر چیز کو) خوب دیکھنے والا ہے۔

﴿......اِنَّنِیْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰی ۞﴾ (٥)

یقیناً میں تمہارے ساتھ ہوں (سب کچھ) سنتا اور (سب کچھ) دیکھتا ہوں۔

۷ الشائی: وہ اللہ چاہنے والا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ﴾ (٦)

---

(١) [البقرہ ٢:٢٥٥] (٢) [الانعام ٦:٣] (٣) [البقرہ ٢:٢٣١]

(٤) [الشوریٰ ٤٢:١١] (٥) [طٰہٰ ٢٠:٤٦] (٦) [التکویر ٨١:٢٩]

اور تمہارا چاہنا کچھ نہیں مگر یہ کہ چاہے اللہ تمام جہانوں کا پروردگار۔

﴿......تُؤْتِی الْمُلْکَ مَنْ تَشَآءُ وَ تَنْزِعُ الْمُلْکَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَ تُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَ تُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ط......﴾ (۱)

تو سلطنت دیتا ہے جسے چاہے اور چھین لیتا ہے ملک جس سے چاہے اور تو جسے چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلت دے۔

۸۔ المرید: اللہ ارادہ کرنے والا ہے صفت شائی اور مرید دونوں مترادف المعنی ہیں۔

ارشاد ہے:

﴿......اِنَّ اللّٰهَ یَفْعَلُ مَا یُرِیْدُ ۞﴾ (۲)

بے شک اللہ جو چاہتا کرتا ہے۔

﴿......یُرِیْدُ اللّٰهُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ ز......﴾ (۳)

اللہ تم پر آسانی کا ارادہ فرماتا ہے اور تنگی کا ارادہ نہیں فرماتا۔

﴿فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ ۞﴾ (٤)

(ہمیشہ) وہ سب کچھ کرنے والا جو چاہے۔

﴿اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَیْئًا اَنْ یَّقُوْلَ لَهٗ کُنْ فَیَکُوْنُ ۞﴾ (۵)

اس کا حکم یہی ہے جب وہ کسی چیز کا ارادہ فرمائے تو اس سے کہے ہو جا تو وہ (فوراً) ہو جاتی ہے۔

اے برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم   وز ہر چہ گفتہ اند شنیدہ ایم و خواندہ ایم
دفتر تمام گشت و بپایاں رسید عمر   ما ہم چناں در اول وصف تو ماندہ ایم

(۱) [ال عمران ۳:۲٦]   (۲) [الحج ۲۲:۱٤]   (۳) [البقرہ ۲:۱۸۵]
(٤) [البروج ۸۵:۱٦]   (۵) [یٰس ۳٦:۸۲]

لَیْسَ بِعَرَضٍ وَلَا جِسْمٍ وَلَا جَوْهَرٍ وَ لَا مُصَوَّرٍ

نہ وہ (اللہ تعالیٰ) عرض (۱) ہے اور نہ جسم (۲) ہے۔ نہ جوہر (۳) ہے اور نہ صورت والا ہے۔

تنزیہات

شرح: (۱) صفات ثبوتیہ ایجابیہ کمالیہ کے ذکر کرنے کے بعد مصنف تنزیہات (صفات سلبیہ) کا بیان کرتے ہیں اور ان کو صفات جبروتیہ اور جلالیہ بھی کہتے ہیں۔ (التعریفات) یعنی وہ صفتیں جن سے اللہ تعالیٰ پاک و منزہ ہے جو اس کی شان کے لائق نہیں ہیں وہ عرض نہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں لَیْسَ بِعَرَضٍ اللہ تعالیٰ اس لئے عرض نہیں کہ عرض بذات خود قائم نہیں بلکہ کسی محل کے تابع ہوتی ہے اور دوسرے سے اس کا قیام ہے جیسے رنگ اور شکل اور اللہ تعالیٰ خود بخود قائم ہے۔

علامہ سعد الدین تفتازانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لِاَنَّهٗ لَا یَقُوْمُ بِذَاتِهٖ بَلْ یَفْتَقِرُ اِلٰی مَحَلٍّ یَقُوْمُهٗ. (۱)

کیونکہ عرض بذات خود قائم نہیں ہے بلکہ ایسے محل کی محتاج ہے جس کے ساتھ رہے۔

فَلَوْ کَانَ اللّٰهُ عَرَضًا لَاحْتَاجَ اِلٰی مَحَلٍّ یَقُوْمُهٗ فَکَانَ مُمْکِنًا لَا وَاجِبًا وَ هُوَ مُحَالٌ. (۲)

پس اگر اللہ عرض ہوتا تو ضرور وہ ایک محل کا محتاج ہوتا جس کے ساتھ وہ رہتا پس وہ ممکن ہوتا واجب نہ ہوتا اور یہ محال ہے۔

(۲) وہ جسم دار نہیں، اور نہ اللہ تعالیٰ کا جسم ہے کیونکہ جسم ہونا حدوث اور مکان کی علامت ہے۔

علامہ سعد الدین تفتازانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

(۱) شرح العقائد النسفیہ : ۳۷   (۲) الحدیقة الندیة :

لِاَنَّهٗ مُتَرَكِّبٌ وَمُتَحَيِّزٌ وَذٰلِكَ اَمَارَةُ الْحُدُوْثِ.(۱)

کیونکہ جسم مرکب اور جگہ میں ہوتا ہے تو یہ اس کے حادث ہونے کی علامت ہے۔

اور اللہ حادث نہیں ہے اس لئے وہ جسم والا نہیں ہے۔

لِاَنَّ الْجِسْمَ مُرَكَّبٌ فَيَحْتَاجُ اِلَى الْجُزْءِ وَالْاِحْتِيَاجُ دَلِيْلُ الْاِمْكَانِ.(۲)

کیونکہ جسم مرکب ہے تو وہ جز کی طرف محتاج ہوتا ہے اور احتیاج دلیل امکان ہے اس لئے وہ جسم نہیں ہے۔

(۳) وہ جوہر نہیں۔ اللہ تعالیٰ جوہر اس وجہ سے نہیں کیونکہ جوہر جزو جسم ہے اور متحیز بھی ہے اور اللہ تعالیٰ جسم و حیز سے منزہ ہے۔

(۴) اللہ کی شکل و صورت نہیں ہے۔ جس طرح انسان کی یا گھوڑے کی یا درخت کی شکل و صورت ہوتی ہے اس طرح اللہ تعالیٰ کی شکل و صورت نہیں ہے۔ شکل و صورت جسمانی چیز کے لئے ہوتی ہے اور وہ جسم سے پاک ہے۔

اور حدیث میں جو آیا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ آدَمَ عَلٰى صُوْرَتِهٖ.(۳)

بے شک اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنی صورت پر پیدا کیا ہے۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے جتنی صورتیں ایجاد کی ہیں ان سب میں حضرت آدم علیہ السلام کو اعلیٰ درجہ کی صورت عطا کی ہے۔

---

(۱) شرح العقائد النسفیه :۳۹ (۲) البریقة :

(۳) البخاری ، ۲۵۵۹۔ المسلم ، ۲۶۱۲۔ احمد ۲:۳۴۷،۴۶۳،۵۱۹۔

ابن حبان ۵۶۰۵ ۔ السنن ۸:۳۲۷۔ البغوی ۳۲۷۳ ۔ البیهقی فی الاسماء ۲۹۱۔

الآجری فی الشریعة ۳۱۵۔ ابن خزیمة فی التوحید ۴۱۔۴۰۔۳۷

جس طرح قرآن مجید میں ہے:

﴿......وَ نَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ......﴾ (۱)

اور اس میں اپنی طرف کی (خاص) روح پھونک دوں۔

یعنی اس روح کو اپنی صفات کا نمونہ عطا فرمایا اور علم و حکمت کو اس میں رکھ دیا۔ نیز یہ بھی ممکن ہے کہ صُوْرَتِهٖ میں اضافت تشریفی ہو۔

جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿......هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ......﴾ (۲)

یہ اللہ کی اونٹنی ہے۔

﴿وَ اَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ......﴾ (۳)

اور یہ کہ (سب) مسجدیں اللہ ہی کی ہیں۔

﴿اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ ......﴾ (۴)

اللہ کی مسجدیں وہی آباد کر سکتے ہیں۔

﴿فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ ۞﴾ (۵)

تو انہیں چاہیئے کہ وہ (اس پر شکر ادا کرتے ہوئے) اس گھر کے رب کی عبادت کریں

﴿اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ۞﴾ (۶)

(وہ) نہایت رحمت والا (ہے) اس نے (اپنی شان کے لائق) عرش پر استواء فرمایا۔

یہ نسبتیں بزرگی ظاہر کرنے کی خاطر ہیں فرقہ مجسمہ کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی صورت انسان کی طرح ہے اس سے اس کا رد کیا گیا ہے کہ وہ صورت والا نہیں ہے۔

---

(۱) [الحجر ۱۵:۲۹] (۲) [الاعراف ۷:۷۳] (۳) [الجن ۷۲:۱۸]

(۴) [التوبه ۹:۱۸] (۵) [قریش ۱۰۶:۳] (۶) [طٰهٰ ۲۰:۵]

وَلَا مَحْدُوْدٍ وَ لَا مَعْدُوْدٍ وَ لَا مُتَبَعِّضٍ وَلَا مُتَجَزٍّ وَ لَا مُتَرَكَّبٍ وَ لَا مُتَنَاهٍ

اور نہ وہ حدونہایت (۱) والا ہے، نہ گنتی (۲) کیا گیا ہے، نہ وہ ٹکڑے (۳) قبول کرنے والا ہے، نہ اجزاء قبول کرنے (٤) والا ہے، نہ ترکیب (٥) دیا ہوا ہے اور نہ اس کی کوئی انتہا ہے۔

شرح: ١ اس میں اللہ تعالیٰ کی حدونہایت کی نفی کی گئی ہے کیونکہ حد اس چیز کی ہوتی ہے جس کا حصر اور انتہا ہو حق تعالیٰ کی نہ تو حدونہایت ہے اور نہ کوئی طرف۔

٢ یعنی اللہ تعالیٰ وحدت وعدد کے اعتبار سے نہیں ہے کیونکہ اس کی وحدت وحدت عددی نہیں ہے

حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فقہ اکبر میں فرماتے ہیں:

وَاللّٰهُ تَعَالٰى وَاحِدٌ لَا مِنْ طَرِيْقِ الْعَدَدِ . (١)

اللہ ایک ہے عدد وگنتی کے لحاظ سے نہیں ہے۔

واحد است وبذات خویش احد   وحدتش برتر از شمار و عدد

وہ واحد ہے اور اپنی ذات سے احد ہے اور اس کی وحدت شمار وگنتی سے برتر ہے۔

٣ نہ اللہ تعالیٰ اجزاء کی حیثیت سے ہے اور نہ افراد کی حیثیت سے ٹکڑے قبول کرنیوالا ہے چونکہ حق تعالیٰ واحد حقیقی ہے اس لئے ٹکڑے قبول نہیں کرتا۔

٤ اس کے لئے اجزاء نہیں ہو سکتے خواہ ذہنی ہوں جیسے جنس وفصل یا خارجی جیسے اَجْزَاء لَا يَتَجَزّٰى

لَا مُتَجَزّٰى اَىْ ذِىْ اَبْعَاضٍ وَ اَجْزَاءٍ. (٢)

یعنی وہ ابعاض اور اجزاء والا نہیں ہے۔

٥ نہ تو اجزاء سے ترکیب دیا گیا ہے اس لئے وہ مرکب نہیں ہے کہ اس کی ذات کے واسطے اجزاء ترکیبی نہیں ہیں کہ کئی چیزوں سے مل کر بنی ہو۔ نہ اجزاء تحلیلی ہیں کہ اس کی ذات کا نصف وربع ہو سکے کیونکہ اگر مرکب ہوتو محتاج ہوگا اجزاء کی طرف اور احتیاج وجوب ذاتی کو منافی

(١) شرح فقه اكبر: ٣٠   (٢) شرح العقائد النسفية : ٤٠

ہے۔ عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ روح القدس (جبریل علیہ السلام) ایک اقنوم (حصہ ٹکڑا اصل) باپ یعنی خدا ایک اقنوم، بیٹا یعنی حضرت عیسی علیہ السلام ایک اقنوم، ہرایک اقنوم خدا۔

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرمایا:

﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ط......﴾ (١)

بے شک کافر ہو گئے وہ لوگ جنہوں نے کہا یقیناً اللہ تین میں سے تیسرا ہے حالانکہ کوئی معبود نہیں سوائے ایک معبود کے۔

﴿......وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ط اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ط......﴾ (٢)

اور نہ کہو کہ (معبود) تین ہیں (ایسی بات کہنے سے) باز رہو یہ تمہارے لئے بہتر ہے

٦ اس کی انتہا نہیں کیونکہ انتہاء مقدار میں ہوتی ہے یا عدد (گنتی) میں اور اللہ تعالیٰ مقدار اور عدد دونوں سے بری ہے۔ لامحدود اور لامعدود کے ہوتے ہوئے اس لفظ ''وَ لَا مُتَنَاه'' کے کہنے کی حاجت نہیں تھی مگر بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مقصود مصنف کا اس کے ذکر سے یہ ہوگا کہ باری تعالیٰ کے تنزیہہ میں تاکید وتکرار ہو جائے۔

کتاب ذخیرہ فقہ میں آیا ہے کہ اگر کوئی (خدا تعالیٰ کو مخاطب کرتے ہوئے یوں) کہے تو نہ کسی مکان میں ہے نہ کوئی مکان تجھ سے خالی ہے وہ کافر ہو جائے گا اور یہ مصرع بھیک مانگنے والے زبان پر لاتے ہیں اس کے کفر ہونے پر دلیل یہ ہے کہ جب کہتا ہے کہ کوئی مکان بھی خدا تعالیٰ سے خالی نہیں ہے اسی طرح کہا جاتا ہے کہ خدا تعالیٰ، ہر جگہ (ہر مکان) میں ہے اور جگہ کو خدا تعالیٰ کی طرف ساتھ منسوب کرنا کفر ہے۔ (٣)

قرآن مجید وحدیث میں بعض اشیاء کی نسبتیں کی گئی ہیں تو وہاں اس کی بزرگی ظاہر کرنا مقصود ہے۔

(١) [المائده٥:٧٣]   (٢) [النساء ٤:١٧١]   (٣) عمدة الاسلام :

وَ لا يُوْصَفُ بِالْمَائِيَّةِ وَلَا بِالْكَيْفِيَّةِ وَلا يَتَمَكَّنُ فِيْ مَكَانٍ وَلا يَجْرِيْ عَلَيْهِ زَمَانٌ .

اور نہ تعریف کی جاتی ہے (اللہ کی) مائیت کے (۱) ساتھ اور نہ کیفیت (۲) کے ساتھ اور نہ وہ ٹھہرتا ہے (۳) کسی جگہ میں اور نہ اس پر (٤) زمانہ گزرتا ہے۔

شرح:۔ ۱؎ لفظ مائیت حرف ھا کے ساتھ ''بِالْمَاهِيَّة'' بھی آیا ہے کہ جب ''مَاهُوَ'' سے سوال ہوتا ہے تو مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس کی جنس کیا ہے جب اللہ تعالیٰ کے لئے ماہیت ہوگی تو اس کے لئے دوسری متاجانسات سے تمیز و تخصیص کرنے کو حصول مقومہ کی حاجت پڑے گی جس سے ترکیب لازم آتی ہے۔

۲؎ اس کی تعریف کیفیت سے نہیں ہوتی یعنی گرمی، سردی، تری، خشکی، مزہ، رنگ وغیرہ کا ثابت کرنا اللہ تعالیٰ کے لئے عقلاً بعید ہے کیونکہ یہ اجسام کے صفات ہیں اور جو ذات جسمیت سے منزہ و پاک ہے اس کے لئے ان کا ثابت کرنا محال ہے۔

۳؎ وہ کسی مکان میں نہیں ہے اور نہ ہی وہ کسی مکان میں رہتا ہے اور نہ جہت رکھتا ہے اور نہ داہنی طرف ہے اور نہ بائیں جانب ہے نہ اوپر ہے نہ نیچے ہے اس لئے کہ وہ ان سب چیزوں کا خالق ہے اور خالق کے واسطے یہ ضروری ہے کہ وہ مخلوق سے پیشتر ہو۔

سوال: قرآن مجید کی بعض آیات اور احادیث صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں پر ہے۔ **کماقال:**

﴿الرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ۞﴾ (۱)

(وہ) نہایت رحمت والا (ہے) اس نے (اپنی شان کے لائق) عرش پر استواء فرمایا۔

(۱) [طٰہٰ ۲۰:۵]

نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

يَنْزِلُ رَبُّنَا تَبَارَكَ وَ تَعَالٰى كُلَّ لَيْلَةٍ اِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا حِيْنَ يَبْقٰى ثُلُثُ اللَّيْلِ الْاٰخِرِ....... (۱)

ہمارا رب تبارک وتعالیٰ ہر رات پہلے آسمان پر خاص تجلی فرماتا ہے۔ جبکہ آخری تہائی رات باقی رہتی ہے۔

جواب: یہ آیت اور حدیث اور اسی طرح وہ آیات اور احادیث کہ جن میں اللہ کے لئے منہ، ہاتھ، پاؤں، انگلیاں، پنڈلی، آنکھ اور نفس وغیرہ ثابت ہے ان کو متشابہات کہتے ہیں یہ ثابت ہو چکا ہے کہ مکان یا حیز، خاص جواہر اور اجسام کے لئے ہوتا ہے۔ اللہ تبارک تعالیٰ جو جوہر اور جسم ہونے سے پاک ہے مکان اور حیز سے بھی پاک ہے۔ دیکھو جب کسی کو غم یا خوشی لاحق ہوتی ہے تو اس شخص کو اپنے غم یا خوشی کے موجود ہونے میں کسی طرح کا شک نہیں ہوتا لیکن غم یا خوشی جسم ہے اور نہ جوہر ہے اس لئے ان کے لئے اس کے بدن میں کوئی جگہ مقرر نہیں۔ گو مجازاً دل کو قرار دے لیکن حقیقت میں کوئی جگہ اس کی خاص نہیں کہ غم یا خوشی وہاں ہو۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نہ جوہر ہے نہ جسم نہ عرض سو وہ بھی مکان کا محتاج نہیں۔ ہاں اس کا ظہور

(۱) البخاری، کتاب التهجد باب ١٤، حدیث ١١٤٥

المسلم، کتاب المسافرين باب الترغيب في الدعا الذكر في آخر الليل، حدیث ١٧٠، ١٦٨

الترمذی، ابواب الصلاة، باب في نزول الرب تبارك و تعالیٰ الى السماء الدنيا حدیث ٤٤٥

ابو داوٗد، کتاب السنة، باب الرد على الجهمية حدیث ٤٧١٨

ابن ماجه، اقامة الصلاة و السنة فيها، باب ما جاء في اى ساعات الليل افضل، حدیث ١٣٦٦

الدارمی، کتاب الصلاة، باب ينزل الله الى السماء الدنيا، حدیث ١٤٧٩

المشكوة، کتاب الصلاة، باب التحريض على قيام الليل، الفصل الاول صفحه ١٠٩

ہر جگہ ہے پھر یہ کہنا کہ وہ کہاں رہتا ہے اور کس طرف ہے بالکل بے جا ہے۔ (۱)

علامہ سید یوسف حسینی راجا رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

او را نہ گوئی در مکان نے عرش گوئی جائے او

نے پیش و پس نے راست و چپ نے زیر گوئی نے زبر (۲)

رسالہ ایمان میں ہے:

نیست اورا اندر جہات و در مکان — نے درون نے برون آسمان

او نہ بر عرش است و نے در زیر عرش — او نہ بر فرش زمین نہ زیر فرش

نہ اس پر زمانہ گزرتا ہے: یعنی خدا تعالیٰ تمام زمانوں کے ساتھ اور تمام زمانوں سے پیشتر اور تمام زمانوں کے بعد موجود اور تمام زمانوں سے مستغنی ہے اور کوئی اس کا زمانہ نہیں۔ (۳)

وَ لَا يَمْضِ عَلَى الدَّيَّانِ وَقْتٌ — وَ اَزْمَانٌ وَّ اَحْوَالٌ بِحَالٍ

اور رب مالک جزاء پر کسی حال میں وقت اور زمان اور احوال کی گردش نہیں آتی۔

کیونکہ وقت و زمانہ کی گردش سے اشیاء میں تغیر آنا مخلوق و حوادث کی شان ہے۔
رب تعالیٰ تغیر و تحول سے بری و منزہ ہے۔

البریقہ شرح الطریقہ میں ہے:

وَ لَيْسَ لَهُ جِهَةٌ مِّنَ الْجِهَاتِ السِّتَّةِ وَ لَا هُوَ فِيْ جِهَةٍ مِّنْهَا. (٤)

اور اس کے لئے چھ طرفوں میں سے کوئی طرف نہیں ہے اور نہ وہ ان میں سے کسی جہت میں ہے۔

(۱) صدر الشواهد — (۲) تحفه نصائح: ۱۰

(۳) مصباح العقائد: صدر الشواهد: — (٤) البريقه شرح الطريقه:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿......فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ط ......﴾ (۱)

تو جہاں کہیں (قبلہ کی طرف) منہ کرو وہیں اللہ (تمہاری طرف متوجہ) ہے۔

اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی رحمت و قدرت اور علم ہے۔ اسی طرح دیگر آیات میں ہے جس طرف بھی دیکھا جائے اس کی قدرت کے دلائل نظر آئیں گے۔

صفات سلبیہ تنزیہیہ میں مترادف اور مکرر الفاظ لانے کی وجہ:

مصنف تنزیہات یعنی صفات سلبیہ، جبروتیہ اور جلالیہ کے بیان میں بڑی تاکید و تکریر اور مبالغہ سے کام لیا ہے اور متعدد صفات مترادفہ لائے ہیں جن کے لانے کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ وہ ایک دوسرے سے بے پرواہ کرتی ہیں مثلاً وَ لَا جِسْمٍ وَ لَا مُصَوَّرٍ وَ لَا مَحْدُوْدٍ وَ لَا مُتَجَزٍّ وَ لَا مُتَرَكَّبٍ لانے کی حاجت نہیں تھی کیونکہ عرض و جسم کی نفی سے مصور، معدود، متبعض، متجز وغیرہا کی نفی ہو جاتی ہے۔ اسی طرح متبعض، متجز و لا مترکب سے ایک دوسرے کی نفی ہوتی ہے اور الواحد کے بعد لا معدود کی بھی کوئی حاجت نہیں تھی کیونکہ صفت واحد ہی کافی اور مستغنی ہے اور یہ صفات سلبیہ قرآن و حدیث میں نہیں ہیں مگر جس دور میں یہ کتاب لکھی گئی ہے اس دور میں مختلف باطل فرقے کئی قسم کے خیالات فاسدہ رکھتے تھے ان کی تردید کرنے کی خاطر وقت و زمانہ کے اعتبار سے صفات سلبیہ کا اس انداز سے بیان کرنا نہایت مناسب تھا اس لئے حضرت مصنف رحمہ اللہ نے مختلف طریقوں سے اور کئی قسم کے فرقوں کا رد فرمایا ہے۔

چنانچہ علامہ سعد الدین تفتازانی رحمہ اللہ رقم طراز ہیں:

(۱) [البقرہ۲: ۱۱۵]

وَاعْلَمْ اَنَّ مَا ذَكَرَهُ فِي التَّنْزِيْهَاتِ بَعْضُهُ يُغْنِيْ عَنِ الْبَعْضِ اِلَّا اَنَّهُ حَاوَلَ التَّفْصِيْلَ وَالتَّوْضِيْحَ قَضَاءً لِحَقِّ الْوَاجِبِ فِيْ بَابِ التَّنْزِيْهِ وَ رَدًّا عَلَى الْمُشَبِّهَةِ وَالْمُجَسِّمَةِ وَ سَائِرِ فِرَقِ الضَّلَالِ وَالطُّغْيَانِ بِاَبْلَغِ وَجْهٍ وَ اَوْكَدِهٖ فَلَمْ يُبَالِ بِتَكْرِيْرِ الْاَلْفَاظِ الْمُتَرَادِفَةِ وَالتَّصْرِيْحِ بِمَا عُلِمَ بِطَرِيْقِ الْاِلْتِزَامِ .(۱)

اور جاننا چاہیے کہ مصنف رحمہ اللہ نے جو کچھ تنزیہات (پاک کرنے) کے بارے میں ذکر کیا ہے کہ بعض الفاظ بعض سے بے پرواہ کرتے ہیں مگر بے شک مصنف نے باب تنزیہ میں واجبی حق کو پورا کرنے کی غرض سے تفصیل وتوضیح کا ارادہ کیا ہے اور مشبہہ اور مجسمہ اور ضلال وسرکشی کے تمام فرقوں پر بلیغ اور مؤکد طریقہ پر رد کرتے ہوئے۔ اسی لئے انہوں نے مترادفہ الفاظ اور صریح کلمات کو مکرر لانے میں کوئی پرواہ نہیں کی ہے۔ اس صفت کو صراحۃً بیان کرنے کی جس کو بطریق التزام جان لیا گیا ہے۔

قرآن کریم کی روشنی میں صفات سلبیہ کا بیان:

مندرجہ ذیل آیات کریمات میں صفات سلبیہ کا ذکر آیا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ج وَ هُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۞﴾ (۲)

وہی اول ہے اور وہی آخر اور وہی ظاہر ہے اور وہی باطن اور وہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔

﴿...... كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ ط......﴾ (۳)

(۱) شرح العقائد النسفية :۴۲-۴۱ (۲) [الحدید ۵۷:۳]

(۳) [القصص ۲۸:۸۸]

اس کی ذات کے سوا ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے۔

﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۞ وَّ يَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ۞﴾ (۱)

جو کچھ زمین پر ہے فنا ہونے والا ہے اور باقی رہے گی آپ کے رب کی ذات جو بڑی عظمت اور احسان والی ہے۔

﴿...... لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ج وَ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ۞﴾ (۲)

اس کی مثل کوئی چیز نہیں اور وہ (ہر بات) بہت سننے والا (ہر چیز کو) خوب دیکھنے والا ہے

﴿...... وَ لِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى ط وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۞﴾ (۳)

اور اللہ کی شان سب سے بلند ہے اور وہی بڑی عزت والا بڑی حکمت والا ہے۔

﴿اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ج اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ج لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّ لَا نَوْمٌ ط﴾ (۴)

اللہ ہے جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہ خود زندہ دوسروں کو قائم رکھنے والا ہے۔ نہ اسے اونگھ آئے اور نہ نیند۔

﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۞ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۞ لَمْ يَلِدْ لا وَلَمْ يُوْلَدْ ۞ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۞﴾ (۵)

آپ فرمادیجئے وہ اللہ ہے یکتا۔ اللہ بے نیاز ہے (سب اسی کے محتاج ہیں اور وہ کسی کا محتاج نہیں)۔ اس کی کوئی اولاد نہیں اور وہ کسی کی اولاد نہیں۔ اور اس کا کوئی ہمسر نہیں۔

امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اَلرَّدُّ عَلَى الْيَهُوْدِ وَالنَّصَارٰى وَالْمَجُوْسِ الْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُجَسِّمَةِ وَالْحُلُوْلِيَّهِ وَالْاِتِّحَادِيَّةِ وَجَمِيْعِ الْاَدْيَانِ الْبَاطِلَةِ.(۶)

(۱)[الرحمن ۵۵: ۲۷-۲۶] (۲) [الشوری ۴۲: ۱۱] (۳) [النحل ۱۶: ۶۰]

(۴)[البقرہ ۲:۲۵۵] (۵) [الاخلاص ۱۱۲: ۴-۳-۲-۱] (۶) الاکلیل ۲۳۰

اس سورت میں یہود ونصاریٰ، مجوس، مشرکین، مجسمہ (مشبہ) حلولیہ اور اتحاد فوقوں کا رد ہے بلکہ اس میں تو تمام باطل دینوں کی تردید ہے۔

﴿......وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ ج ......﴾ [محمد ۴۷: ۳۸]

اور اللہ بے نیاز ہے اور تم (سب اس کے) محتاج ہو۔

﴿ وَ رَبُّکَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ ط ......﴾ [الانعام ٦: ١٣٣]

اور آپ کا رب بے نیاز ہے رحمت والا۔

﴿......وَ مَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ ۞﴾ [ق ٥٠: ٣٨]

اور ہمیں کوئی تکان نہیں پہنچی۔

﴿ يٰاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ ج وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ۞﴾ [فاطر ۳۵: ۱۵]

اے لوگو تم سب اللہ کے محتاج ہو اور اللہ ہی بے نیاز ہے سب خوبیوں والا۔

حدیث شریف میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الْاَوَّلُ لَا شَيْءَ قَبْلَکَ وَ اَنْتَ الْاٰخِرُ فَلَا شَيْءَ بَعْدَکَ (١)

اے اللہ تو اول ہے تجھ سے پہلے کوئی چیز نہیں ہے اور تو آخر ہے سو تیرے بعد کوئی چیز نہیں ہے (بس اول و آخر تو ہی ہے)   فرمان نبوی ﷺ ہے:

کَانَ اللّٰهُ وَ لَمْ يَکُنْ شَيْءٌ غَيْرُهٗ، وَ کَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَاءِ. وَ کَتَبَ فِي الذِّکْرِ کُلَّ شَيْءٍ وَ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضَ. (٢)

سب سے اول صرف اللہ تعالیٰ تھا اور اس کے سوا کوئی چیز نہیں تھی اور اس وقت اس کا عرش پانی پر تھا۔ اور اللہ نے ہر چیز کو ذکر میں لکھ دیا تھا اور اس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا فرمایا۔

(١) المستدرک، ١:٧٠٥ ح: ١٩٢٢

(٢) البخاری، کتاب بدء الخلق، باب ١ حدیث: ٣١٩١

وَ لَا يُشْبِهُهٗ شَيْءٌ وَ لَا يَخْرُجُ عَنْ عِلْمِهٖ وَ قُدْرَتِهٖ شَيْءٌ

اور کوئی چیز اس کے مشابہ (١) نہیں ہے اور نہ باہر نکلتی ہے کوئی چیز اس کے علم (٢) اور اس کی قدرت سے (٣)۔

شرح: ١ کوئی چیز اس کے مشابہ نہیں:

یعنی مخلوق میں کوئی چیز حق تعالیٰ کے قائم مقام، مشابہ، برابر اور مانند نہیں ہو سکتی۔ اس لئے کہ اس کی ذات اور صفات دونوں قدیم (ازلی) ہیں اور ممکنات کی ذات وصفات حادث ہیں تو حادث قدیم کا قائم مقام اور متماثل کیونکر ہو سکتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿......لَيْسَ کَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ج ......﴾ (١)

اس کی مثل کوئی چیز نہیں۔

فقہ اکبر میں ہے:

لَا يُشْبِهُ شَيْئًا مِّنَ الْاَشْيَاءِ مِنْ خَلْقِهٖ وَ لَا يُشْبِهُهٗ شَيْءٌ مِنْ خَلْقِهٖ.(٢)

اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے کسی چیز کے مشابہ نہیں اور نہ اس کی مخلوق میں سے کوئی چیز اس کے مشابہ ہے۔ وہ ذات وصفات میں سب مخلوق سے نرالا ہے۔

٢ اس کے علم سے باہر کوئی چیز نہیں:

ارشاد ربانی ہے:

﴿......وَ کَانَ اللّٰهُ بِکُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ۞﴾ (٣)

اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔

(١) [الشوریٰ ٤٢: ١١]   (٢) شرح فقہ اکبر ٣٢-٣١   (٣) [الاحزاب ٣٣: ٤٠]

﴿...... وَ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَیْءٍ عِلْمًا ۞﴾ (۱)

اور یہ کہ اللہ نے احاطہ فرمالیا ہر چیز کا (اپنے) علم سے۔

﴿......وَ هُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ۞﴾ (۲)

اور وہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔

﴿...... وَ مَا یَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِی الْاَرْضِ وَ لَا فِی السَّمَآءِ ......﴾ (۳)

اور آپ کے رب سے ذرہ کی کوئی مقدار بھی پوشیدہ نہیں زمین میں اور نہ آسمان میں

شیخ سعدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

بروعلم یک ذرہ پوشیدہ نیست — کہ پیدا و پنہاں بہ نزدش یکیست

براحوال نہ بودہ علمش بصیر — با اسرارنا گفتہ لطفش خبیر

۳۔ کوئی چیز اس کی قدرت سے باہر نہیں:

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿......اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۞﴾ (۴)

بے شک اللہ جو چاہے اس پر قادر ہے۔

﴿اَوَ لَیْسَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰۤی اَنْ یَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ ط بَلٰی ق وَ هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِیْمُ ۞﴾ (۵)

اور کیا وہ جس نے آسمان پیدا کیے اور زمینیں (بنائیں) ان لوگوں جیسے (اور) بنانے پر قادر نہیں؟ کیوں نہیں اور وہی ہے بڑا عظیم الشان پیدا کرنے والا بہت جاننے والا۔

(۱) [الطلاق ۶۵:۱۲] (۲) [البقرہ ۲:۲۹] (۳) [یونس ۱۰:۶۱]
(۴) [البقرہ ۲:۲۰] (۵) [یٰسٓ ۳۶:۸۱]

﴿قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰۤی اَنْ یَّبْعَثَ عَلَیْكُمْ عَذَابًا......﴾ (۱)

آپ فرمادیں وہی اس پر قادر ہے کہ تم پر عذاب بھیجے۔

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور اس کی قدرت سے کوئی باہر نہیں۔ یہ جو بعض کتابوں میں لکھا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے کذب ممکن ہے کیونکہ کذب داخل قدرت باری تعالیٰ ہے اور وہ یہ دلیل دیتے ہیں۔

﴿......وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۞﴾ (۲)

(کہ اور وہ ہر چیز پر قادر ہے) یہ استدلال ہرگز درست نہیں ہے۔

حالانکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿......وَ مَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِیْثًا ۞﴾ (۳)

اور کون ہے جس کی بات اللہ کی بات سے زیادہ سچی ہو۔

﴿......سُبْحَانَهٗ وَ تَعٰلٰی عَمَّا یَصِفُوْنَ ۞﴾ (۴)

وہ پاک ہے اور بلند ہے اس سے جو وہ بیان کرتے ہیں۔

حضرت مولانا محمد امجد علی اعظمی رضوی رحمہ اللہ بہار شریعت میں فرماتے ہیں:

عقیدہ: وہ ہر کمال وخوبی کا جامع ہے اور ہر اس چیز سے جس میں عیب ونقصان ہے پاک ہے یعنی عیب ونقصان کا اس میں ہونا محال ہے۔ بلکہ جس بات میں نہ کمال نہ نقصان وہ بھی اس کے لئے محال۔ مثلاً جھوٹ، دغا، خیانت، ظلم، جہل، بے حیائی، وغیرہم عیوب اس پر قطعاً محال ہیں اور یہ کہنا کہ جھوٹ پر قدرت ہے بایں معنی کہ وہ خود جھوٹ بول سکتا ہے محال کو ممکن ٹھہرانا اور خدا کو عیبی بتانا بلکہ خدا سے انکار کرنا ہے۔ اور یہ سمجھنا کہ محالات پر قادر نہ ہوگا تو قدرت ناقص ہوجائے گی، باطل محض ہے کہ اس میں قدرت کا کیا نقصان۔ نقصان تو اس محال کا ہے کہ

(۱) [الانعام ۶:۶۵] (۲) [المائدہ ۵:۱۲۰] (۳) [النساء ۴:۸۷] (۴) [الانعام ۶:۱۰۰]

تعلق قدرت کی اس میں صلاحیت نہیں۔ (۱)

علامہ ابوالبرکات حافظ الدین عبداللہ نسفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَلَا يُوْصَفُ اللّٰهُ تَعَالٰى بِالْقُدْرَةِ عَلَى الظُّلْمِ وَالْكَذِبِ وَالسَّفَهِ لِاَنَّ الْمُحَالَ لَا يَدْخُلُ تَحْتَ الْقُدْرَةِ وَ عِنْدَ الْمَقْدُوْرِ يَقْدِرُ وَ لَا يَفْعَلُ . سَلْبُ الْقُدْرَةِ عَنِ الْمُحَالِ لَا يُوْجَبُ الْعِجزُ عَلَى اللّٰهِ تَعَالٰى لِاَنَّ الْعِجزَ سَلْبَ الْقُدْرَةَ عَمَّا يَجِبُ مِنْ شَاْنِهٖ اَنْ يَّكُوْنَ مَقْدُوْرًا لِاَنَّ مَا يَدْخُلُ تَحْتَ الْقُدْرَةِ شَيْءٌ وَالْمُحَالُ لَيْسَ بِشَيْءٍ لِاَنَّ الشَّيْءَ عِبَارَةٌ عَنِ الْوُجُوْدِ وَالْمُحَالُ مُمْتَنِعُ الْوُجُوْدِ وَ نِسْبَةُ الظُّلْمِ وَالسَّفَهِ وَالْكَذِبِ عَلَى اللّٰهِ مُحَالٌ لِكَوْنِهٖ حَكِيْمًا وَالْحَكِيْمُ لَا يَظْلِمُ وَ لَا يَسْفَهُ وَ لَا يَكْذِبُ فَلَا يَدْخُلُ تَحْتَ الْقُدْرَةِ.(۲)

اللہ تعالیٰ ظلم، جھوٹ اور جہالت پر قدرت کے ساتھ متصف نہیں ہوسکتا کیونکہ محال قدرت کے تحت داخل نہیں ہوتا اور مقدور کے وقت وہ قادر ہوتا ہے اور کرتا نہیں۔ محال سے سلب قدرت، اللہ تعالیٰ پر عجز کو واجب نہیں کرتی۔ اس لئے کہ سلب قدرت کا عجز اس سے ہے جس کی شان سے مقدور ہونا واجب ہے۔ کیونکہ تحت قدرت شے داخل ہوتی ہے اور محال کوئی شے نہیں ہے کیونکہ شے نام ہے وجود کا اور محال ممتنع الوجود ہے۔ اور ظلم، جہالت اور جھوٹ کی نسبت اللہ تعالیٰ پر اس کے حکیم ہونے کی وجہ سے محال ہے اور حکیم نہ ظلم کرتا ہے، نہ جاہل ہوتا ہے اور نہ جھوٹ بولتا ہے پس تحت قدرت داخل نہیں ہوگا۔

قَالُوْا اَ لَيْسَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ؟قُلْنَا بَلٰى وَلٰكِنْ قُدْرَةَ اللّٰهِ تَعَالٰى لَا تَتَوَجَّهُ اِلَى الْمُحَالَاتِ كَشَرِيْكِ الْبَارِيّ وَغَيْرِهِمْ مِنَ الْمُحَالَاتِ فَكَفُّ

(۱) بہار شریعت اول : ۱۲ (۲) حاشیہ معتمد ۱۰۶ بحوالہ عقیدہ حافظیہ

اللِّسَانِ عَنْ اَمْثَالِ هٰذِهِ الْكَلِمَاتِ وَاجِبٌ عَلَى الْعِبَادِ. (۱)

اعتراض: مخالف اعتراض کیا کرتے ہیں کہ کیا خدا ہر چیز پر قادر نہیں تو پھر جھوٹ پر کیوں قادر نہ ہوگا۔

جواب: بے شک صحیح ہے لیکن قدرت الٰہیہ ممکن اور نامناسب امور کی طرف متوجہ نہیں ہوا کرتی۔ چنانچہ خدا تعالیٰ اپنا شریک پیدا نہیں کرتا اور اسی طرح کے اور ناواجب کام نہیں کرتا۔ پس انسان کا فرض ہے کہ وہ ایسے بکواسات سے اپنی زبان کو روک رکھے۔

علامہ تفتازانی ''وَلَا يَخْرُجُ عَنْ عِلْمِهٖ وَ قُدْرَتِهٖ شَيْءٌ'' کے تحت لکھتے ہیں:

......مَعَ اَنَّ النُّصُوْصَ الْقَطْعِيَّةَ نَاطِقَةٌ بِعُمُوْمِ الْعِلْمِ وَ شَمُوْلِ الْقُدْرَةِ فَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ وَعَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ لَا كَمَا يَزْعَمُ الْفَلَاسِفَةُ مِنْ اَنَّهٗ لَا يَعْلَمُ الْجُزْئِيَّاتِ وَ لَا يَقْدِرُ عَلٰى اَكْثَرَ مِنْ وَاحِدٍ ، وَالدَّهْرِيَّةُ اَنَّهٗ لَا يَعْلَمُ ذَاتَهٗ ، وَالنَّظَّامُ اَنَّهٗ لَا يَقْدِرُ عَلٰى خَلْقِ الْجَهْلِ وَالْقُبْحِ وَالْبَلْخِيُّ اَنَّهٗ لَا يَقْدِرُ عَلٰى مِثْلِ مَقْدُوْرِ الْعَبْدِ ، وَ عَامَةُ الْمُعْتَزِلَةِ اَنَّهٗ لَا يَقْدِرُ عَلٰى نَفْسِ مَقْدُوْرِ الْعَبْدِ.(۲)

باوجود اس کے کہ نصوص قطعیہ عموم علم اور شمول قدرت پر ناطق ہیں کہ وہ ہر چیز کو جاننے والا اور ہر چیز پر قادر ہے۔ ایسا نہیں ہے جیسا کہ فلاسفہ گمان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نہ تو جزئیات کو جانتا ہے اور نہ ایک سے زائد پر قدرت رکھتا ہو۔ نہ جیسا دہریہ کہتے ہیں کہ اللہ تو اپنی ذات کو بھی نہیں جانتا۔ نہ جیسا کہ نظام کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جہل وقبح کے پیدا کرنے پر قدرت نہیں رکھتا۔ نہ جیسا کہ بلخی کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے کی مقدور کی مثل پر قادر نہیں اور نہ جیسا کہ عام معتزلہ کہتے ہیں کہ اللہ بندے کی نفس مقدور پر قادر نہیں ہے۔

(۱) عقائد الصحیحة (۲) شرح العقائد النسفیه : ۴۵-۴۴

وَلَهُ صِفَاتٌ اَزَلِيَّةٌ قَائِمَةٌ بِذَاتِهٖ

اوراللہ کے لئے صفتیں (۱) ہیں ازلی (۲) اس کی ذات کے ساتھ قائم ہیں۔

صفات ذاتیہ کا اثبات

شرح : مصنف جب صفات سلبیہ (تنزیہات) کے بیان سے فارغ ہوئے تو اثبات صفات باری تعالیٰ کا ذکر شروع فرمایا کہ **وله صفات**، مسند کو مقدم لانے میں حصر کا فائدہ ہے جس میں منکرین صفات باری تعالیٰ کے رد کرنے کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے۔

متن کی اس عبارت میں تین باتیں بیان کی گئی ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ کے لئے مستقل صفتیں ہیں۔

(۲) وہ سب صفتیں ازلی وقدیم ہیں۔

(۳) وہ صفتیں ذات باری تعالیٰ کے ساتھ قائم ہیں۔

معتزلہ اور فلاسفہ کے نزدیک واجب، اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کے علاوہ کوئی زائد صفت اس کے ساتھ قائم نہیں ہے البتہ اسی ذات کا تعلق جب معلومات سے ہو تو اسے عالم اور مقدورات سے ہو تو قادر کہا جاتا ہے۔ پس ذات ایک ہی ہے مختلف اعتبارات سے اس کو مختلف ناموں سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ لہذا اس طرح نہ ذات میں کثرت ہوگی اور نہ تعدد قدما لازم آئے گا جو خلاف توحید ہے۔

اہل حق کہتے ہیں کہ باری تعالیٰ کا عالم، قادر، حی، سمیع، بصیر وغیرہ ہونا عقلاً ونقلاً ثابت و مسلّم ہے اور ظاہر ہے کہ عرفاً لغت میں یہ الفاظ مترادف نہیں ہیں اور واجب کے مفہوم سے ایک زائد معنی کو صفت سے تعبیر کرتے ہیں۔ نیز یہ بھی قاعدہ ہے کہ مشتق کا اطلاق اسی وقت واجب ہوتا ہے جب کہ مأخذِ اشتقاق اس کے لئے ثابت ہو۔ تو باری تعالیٰ کو عالم وقادر

کہنا تب صحیح ہوگا جب علم وقدرت کی صفت اس کے لئے ثابت ہو۔ پس معتزلہ وفلاسفہ کا خدا پر عالم وقادر کا اطلاق کرنا صفت علم وقدرت نہ مان کر ایسا ہے کہ کوئی ایسی چیز کو اسود کہے جس میں سواد نہ ہو اور ابیض کہے جس میں بیاض نہ ہو جیسے یہ اطلاق غلط ہے اسی طرح صفت علم و قدرت کا انکار کر کے عالم وقادر کہنا بھی غلط وباطل ہے۔

اسماء وصفات میں فرق:

اسماء سے مراد مشتقات ہیں جو ذات پر مع صفت کے دلالت کرتے ہیں اور وہ رحیم وعلیم وقدیر وغیرہ ہیں۔

صفات وہ ہیں جن سے یہ مشتقات نکلے ہیں مثلاً رحم، علم اور قدرت کہ یہ مبادی ہیں۔ (۱)

اسی لئے صفات کمالیہ آٹھ ہیں اور اسماء صفاتی بے شمار ہیں۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَاب

کیونکہ صفت وہی ہو سکتی ہے جو موصوف کے ساتھ قائم بھی ہو۔ اگر موصوف کے ساتھ قائم نہ ہوئی تو وہ صفت کیا ہوگی۔ اسی لئے مصنف رحمہ اللہ نے فرمایا اس کی صفات ازلیہ ہیں جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہیں۔

(۱) شرح فقہ اکبر : ۷۲

وَ هِیَ لَا هُوَ وَ لَا غَیْرُهٗ

اور اللہ تعالیٰ کی صفات نہ عین ذات اور نہ غیر ذات ہیں (۱)۔

صفتیں نہ عین ذات ہیں اور نہ غیر ذات

شرح: ۱ علامہ سعد الدین تفتازانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

یَعْنِیْ اَنَّ صِفَاتِ اللّٰہِ تَعَالٰی لَیْسَتْ عَیْنَ الذَّاتِ وَلَا غَیْرَ الذَّاتِ فَلَا یَلْزَمُ قِدَمُ الْغَیْرِ وَ لَا تَکَثُّرُ الْقُدَمَاءِ۔ (۱)

یعنی اللہ تعالیٰ کی صفتیں نہ عین ذات ہیں اور نہ غیر ذات تو اس اعتبار سے غیر کا قدیم ہونا لازم نہیں آئے گا اور نہ قدماء کا تکثر لازم آئے گا۔

صاحب بدء الامالی فرماتے ہیں:

صِفَاتُ اللّٰہِ لَیْسَتْ عَیْنَ ذَاتٍ

وَ لَا غَیْرَ سِوَاہُ ذَا انْفِصَالٖ

اللہ تعالیٰ کی صفتیں ذات باری کی عین نہیں اور نہ غیر اور اس کے مغائر قابل انفصال ہیں۔

تفسیر مظہری میں ہے:

کہ اور صفات مثل چراغ کے ہیں ذات سے (بحسب المفہوم) زائد ہیں قرآن اور اقوال رسول اللہ ﷺ سے یہی مستفاد ہے اور اس پر اجماع اہل سنت ہے۔ امام ابو الحسن اشعری رحمہ اللہ کا خیال ہے کہ صفات نہ عین ذات ہیں نہ غیر ذات یعنی ذات سے (بحسب المفہوم) زائد ہیں اس لئے عین ذات نہیں ہیں اور ذات سے (بحسب الوجود) جدا نہیں ہیں اس لئے

(۱) شرح العقائد النسفیہ: ۴۷

غیر ذات بھی نہیں ہیں۔ فلاسفہ اور معتزلہ وجود صفات کے منکر ہیں۔ ذات سے زائد نہیں مانتے بلکہ ذات کو عین صفات کہتے ہیں کہ اگر ذات خداوندی کو فی نفسہا صفات سے الگ قرار دیا جائے گا تو ترتیب آثار کے لئے ذات کو صفات کا محتاج ماننا پڑے گا کیونکہ متعدد صفات کی وجہ سے ہی مختلف آثار کا ذات سے ظہور ہوگا۔ تنہا مجرد عن الصفات، ظہور آثار کے لئے کافی نہیں ہو سکتی۔ متکلمین نے اس کے جواب میں کہا ہے کہ ذات کی احتیاج اپنی صفات کی طرف محال نہیں ہے۔ صفات سے الگ کسی اور چیز کی ذات کی احتیاج ممنوع ہے۔

شیخ مجدد نے فرمایا صفات ضرور ذات سے زائد ہیں اور خارج میں ان کا وجود ہے نصوص قرآنی اور صراحتِ احادیث سے یہی ثابت ہے لیکن ذات فی نفسہا ترتیب آثار میں صفات کی محتاج نہیں ہے (یعنی تنہا ذات بغیر صفات کے اظہار آثار کے لئے کافی ہے) اگر ہم ساری صفات کا عدم فرض کر لیں تب بھی آثار کا ظہور ذات سے ضرور ہوگا۔ مثلاً اگر سننے اور دیکھنے کی صفت ذات میں نہ مانی جائے تب بھی تنہا ان آثار کے اظہار کے لئے کافی ہے۔ (۱)

صفات عین ذات و غیر ذات کے متعلق

ماتریدیہ، اشاعرہ اور فلاسفہ وغیرہ کے نظریات:

خیال رہے کہ اشاعرہ کہتے ہیں کہ صفات الٰہی ذات حق پر زائد ہیں یعنی ذات الٰہی سے مغائر (جدا) ہیں اور اس کے ساتھ قائم ہیں۔

فلاسفہ اور شیعہ امامیہ کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات حقیقی یعنی صفات ذات اس کی ذات پر زائد نہیں بلکہ ذات اور صفت دونوں ایک ہیں، عین ذات سے سب اوصاف نکلتے ہیں۔

(۱) تفسیر مظہری اردو ۸: ۳۷۶

نیز معتزلہ کے نزدیک صفات الٰہی ذات الٰہی کی عین ہیں۔

ماتریدیہ کے نزدیک صفات الٰہی ذات الٰہی کی نہ عین ہیں اور غیر۔ اس صورت میں قدیم غیر اور تعداد قدماء کی قباحت نکل گئی۔ اس کی تمثیل یہ ہے کہ لالٹین میں ایک شمع روشن کرنے سے وہ شمع سرخ آئینے میں سرخ اور زرد آئینے میں زرد اور سبز آئینے میں سبز نظر آتی ہے حالانکہ یہ مختلف رنگ کی تعیین نہ تو اس شمع کی ہے نہ غیر۔

اور یہ بھی اعتقاد رکھنا چاہیے کہ خدا کی ایک صفت دوسری صفت کی نہ عین ہے اور نہ غیر۔ عین اس لئے نہیں کہ مثلاً قدرت مقدور سے متعلق ہوتی ہے نہ کہ معلوم سے۔ اسی طرح علم معلوم سے متعلق ہوتا ہے نہ کہ مقدور سے۔ اور غیر اس وجہ سے نہیں کہ ایک صفت کی فنا دوسری کی بقا کے ساتھ ممکن نہیں ہے۔ (۱)

اے برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم — وز ہر چہ گفتہ اند و شنیدہ ایم و خواندہ ایم
دفتر تمام گشت بہ پایاں رسید عمر — ماہم چناں در اول وصف تو ماندہ ایم

اے خیال، قیاس، گمان، وہم سے بلند و برتر اور ہر اس چیز سے اعلیٰ جو کہی گئی ہے اور ہم نے سنی اور پڑھی ہے۔

دفتر اور رجسٹر ختم ہو گئے اور عمر انتہا کو پہنچ گئی لیکن ہم آج بھی تیری پہلی صفت میں اسی طرح عاجز و سرگرداں ہیں۔

(۱) شرح فقہ اکبر اردو: ۷۵

وَ هِيَ الْعِلْمُ وَالْقُدْرَةُ وَالْحَيٰوةُ وَالسَّمْعُ وَالْبَصَرُ وَالْاِرَادَةُ وَالْمَشِيَّةُ وَالْفِعْلُ وَالتَّخْلِيْقُ وَالتَّرْزِيْقُ وَالْكَلَامُ.

اور وہ صفتیں علم، قدرت، حیات، سننا، دیکھنا، ارادہ کرنا، چاہنا، کام کرنا، پیدا کرنا، روزی دینا اور کلام کرنا ہے۔ (۱)

صفات کی اقسام

شرح: حضرت مصنف قدس سرہ اثبات صفات باری کے بعد صفات ذاتیہ وفعلیہ کو تفصیل سے بیان فرماتے ہیں۔ فقہ اکبر میں صفات ذاتیہ وفعلیہ کو اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

لَمْ يَزَلْ وَلَا يَزَالُ بِاَسْمَائِهٖ وَ صِفَاتِهِ الذَّاتِيَّةِ وَالْفِعْلِيَّةِ،

اَمَّا الذَّاتِيَّةُ فَالْحَيَاةُ وَالْقُدْرَةُ وَالْعِلْمُ وَالْكَلَامُ وَالسَّمْعُ وَالْبَصَرُ وَ الْاِرَادَةُ،

وَ اَمَّا الْفِعْلِيَّةُ فَالتَّخْلِيْقُ وَالتَّرْزِيْقُ وَالْاِنْشَاءُ وَالْاِبْدَاعُ وَالصُّنْعُ وَ غَيْرُ ذٰلِكَ مِنْ صِفَاتِ الْفِعْلِ. (۱)

وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا اپنی ذاتی اور فعلی صفتوں کے ساتھ، بہرحال صفات ذاتی جیسے حیات، قدرت، علم، کلام، سمع، بصر اور ارادہ۔ اور بہرحال صفات فعلیہ پس وہ پیدا کرنا، رزق دینا، ایجاد کرنا، بغیر کسی سابق مثال کے کسی چیز کو پیدا کرنا، حسن نظام کے ساتھ کسی چیز کو بنانا وغیرہ صفات فعل سے ہیں۔

علماء متکلمین کے نزدیک صفات باری تعالیٰ کی متعدد قسمیں ہیں۔ مثلاً

(۱) صفات ذاتیہ (۲) صفات فعلیہ

(۱) شرح فقہ اکبر: ۳۳ تا ۴۳

(۳)صفات سلبیہ (۴)صفات متشابہ

صفات ذاتیہ کمالیہ:

جن کا ذات حق سے انفکاک (جدا ہونا) محال و ناممکن ہے کیونکہ صفتیں اپنے موصوف کے ساتھ ہوتی ہیں اور یہ صفتیں جو ذاتی ہیں سب ذات باری تعالیٰ کی طرح ازلی وابدی ہیں اوران صفات سے باری تعالیٰ کا خالی ہونا موجب نقصان اور احتیاج ہے۔

صفات کمالیہ حقیقیہ اشاعرہ (مالکیہ وشافعیہ) کے نزدیک سات ہیں۔

(۱)علم (۲)قدرت (۳)حیات (۴)سمع (۵)بصر (۶)ارادہ (۷)کلام

اور ماتریدیہ کے نزدیک آٹھ ہیں اور آٹھویں صفت تکوین ہے۔اور تخلیق، ترزیق، اماتت، احیاء وغیرہ اسی صفت تکوین میں داخل ہیں۔

علامہ عبدالعزیز پرہاروی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

وَ هِيَ الْحَيٰوةُ وَالْعِلْمُ وَالْقُدْرَةُ وَالْاِرَادَةُ وَالسَّمْعُ وَالْبَصَرُ وَالْكَلَامُ وَالتَّكْوِيْنُ. (۱)

امام ربانی شیخ مجدد الف ثانی رحمہ اللہ صفات کمال کے متعلق یوں رقم طراز ہیں:

حیات، علم، قدرت، ارادہ، سمع، بصر، کلام اور تکوین۔ (۲)

(۱)صفت حیات:

اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے زندہ ہے، ہمیشہ رہے گا۔ اللہ تعالیٰ بذات خود زندہ ہے اور دیگر ساری مخلوقات کو زندہ رکھنے والا ہے، سب کو زندگی عطا کرنے والا ہے۔ حیات اس کی ذاتی صفت ہے اور اس کا ذکر قرآن مجید میں متعدد مقامات میں وارد ہوا ہے۔

(۱) النبراس: ۱۹۷ (۲) مکتوبات:

﴿اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ج اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ج......﴾ (۱)

اللہ ہے جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہ خود زندہ دوسروں کو قائم رکھنے والا ہے۔

﴿هُوَ الْحَيُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ......﴾ (۲)

وہی زندہ ہے اس کے سواء کوئی معبود نہیں۔

﴿وَ تَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ......﴾ (۳)

اور بھروسہ کیجئے اس ہمیشہ زندہ رہنے والے پر جسے کبھی موت نہ آئے گی۔

﴿اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ لا اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۞﴾ (۴)

اللہ ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں (خود) زندہ سب کو قائم رکھنے والا۔

حَیٌّ بمعنی حیواۃ زندگی ہے اور لفظ حیوان بمعنی زندگی اور زندہ ہونے کے ہے مگر اللہ تعالیٰ ذات واجب الوجود پر حَیٌّ کا اطلاق جائز ہے اور لفظ حیوان کا اطلاق ناجائز ہے کیونکہ شریعت میں اس کا جواز نہیں اور نہ ثبوت۔

چنانچہ امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَاعْلَمْ اَنَّ اِطْلَاقَ لَفْظِ الْحَيَوَانِ لَا يَجُوْزُ عَلَى اللّٰهِ مَعَ اَنَّهٗ يَجُوْزُ اِطْلَاقُ لَفْظِ الْحَيِّ عَلَيْهِ وَالْفَرْقُ هُوَ التَّوْقِيْفُ. (۵)

اور جاننا چاہیے کہ لفظ حیوان کا اطلاق اللہ پر جائز نہیں ہے حالانکہ لفظ حَیٌّ کا اطلاق اللہ پر درست ہے اور اللہ کے نام اور صفتیں توقیفی ہیں۔

(۱) [البقرہ۲:۲۵۵] (۲) [المؤمن ۴۰:۶۵] (۳) [الفرقان ۲۵:۵۸]
(۴) [ال عمران ۳:۲] (۵) شرح اسماء الحسنی: ۳۰۷

حیات اللہ تعالیٰ کی تمام صفتوں کی سردار ہے اس لئے کیا خوب کہا گیا ہے:

از صفاتش یکے حیات آمد　　کہ امام ہمہ صفات آمد
او بخود زندہ است و پائندہ　　زندگان دیگر باو زندہ

کہ اللہ تعالیٰ کی صفتوں میں ایک صفت حیات ہے کہ تمام صفتوں کی سردار اور امام ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ خود زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے دوسری مخلوق کی زندگی اسی سے ہے کہ دوسری مخلوق زندہ و پائندہ ہے۔

اور حیٌّ کا معنی زندہ دائم البقاء ہے۔

﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۞ وَّ يَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ۞﴾ (۱)

جو بھی زمین پر ہے سب کو فنا ہے۔ اور باقی ہے آپ کے رب کی ذات جو عظمت اور بزرگی والا ہے۔

(۲) صفت علم:

صفات کمالیہ میں سے یہ دوسری صفت ہے اور یہ بھی اللہ کی ذاتی صفت ہے۔ مخلوق کا علم حادث ہے اور اس کی عطاء ہے اور رب کریم کا علم قدیم و ازلی ہے کائنات میں اس سے ایک ذرہ بھی پوشیدہ نہیں ہے اللہ تعالیٰ کا علم غیر متناہی ہے۔

اسی لئے قرآن مجید میں ارشاد خداوندی ہے:

﴿......اِنَّهٗ عَلِيْمٌ م بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۞﴾ (۲)

بے شک وہ سینوں کی باتیں خوب جانتا ہے۔

﴿......عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ط......﴾ (۳)

(۱) [الرحمٰن ۵۵:۲۷-۲۶] (۲) [الانفال ۸:۴۳] (۳) [الانعام ۶:۷۳]

ہر پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا ہے۔

﴿......وَ هُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمٌ ۞﴾ (۱)

اور وہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔

﴿اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ط وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ۞﴾ (۲)

کیا وہ نہیں جانتا جس نے پیدا کیا؟ اور وہی ہر باریکی کو جاننے والا (ہر چیز سے) خوب خبردار ہے۔

﴿......وَ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَیْءٍ عِلْمًا ۞﴾ (۳)

اور یہ کہ اللہ نے احاطہ فرمالیا ہر چیز کا (اپنے) علم سے۔

﴿......يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ ج وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ ج......﴾ (۴)

جانتا ہے جو اُن کے سامنے ہے اور جو اُن کے پیچھے۔ اور احاطہ نہیں کر سکتے اس کی معلومات میں سے کسی شئی کا مگر جتنا وہ چاہے۔

یعنی وہ دنیا اور آخرت کے سب امور جانتا ہے۔

برو علم یک ذرہ پوشیدہ نیست　　کہ پیدا و پنہاں بہ نزدش یکیست
براحوال نہ بودہ علمش بصیر　　باسرار ناگفتہ لطفش خبیر

(۳) صفت قدرت:

اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور کوئی چیز اس کی قدرت سے باہر نہیں ہے جو چاہے وہ کرے۔ معدوم کو موجود کرے اور موجود کو معدوم کرے۔

(۱) [البقرہ ۲:۲۹] (۲) [الملک ۶۷:۱۴] (۳) [الطلاق ۶۵:۱۲] (۴) [البقرہ ۲:۲۵۵]

﴿ قُلْ هُوَ الْقَادِرُ ﴾ (١)

آپ فرما دیں وہی اس پر قادر ہے۔

﴿......وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴾ (٢)

اور وہ جو چاہے اس پر قادر ہے۔

﴿......اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴾ (٣)

بے شک اللہ جو چاہے اس پر قادر ہے۔

﴿......اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا...... ﴾ (٤)

کہ سب قوت اللہ ہی کے لئے ہے۔

﴿ تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴾ (٥)

نہایت بابرکت ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں (پوری) سلطنت ہے اور وہ جو چاہے اس پر قادر ہے۔

(۴) صفت ارادہ:

اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے ارادہ مشیت دونوں کا مطلب ایک ہی ہے اور صفت ارادہ بھی اللہ تعالیٰ کی صفات کمالیہ میں سے ہے۔

﴿......وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ﴾ (٦)

مگر اللہ کرتا ہے جو چاہے۔

﴿ وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ط...... ﴾ (٧)

(١) [الانعام ٦:٦٥] (٢) [المائدہ ٥:١٢٠] (٣) [البقرہ٢:٢٠]

(٤) [البقرہ٢: ١٦٥] (٥) [الملک٦٧:١] (٦) [البقرہ٢:٢٥٣]

(٧) [الدھر ٧٦:٣٠]

اور تم نہیں چاہ سکتے جب تک اللہ نہ چاہے۔

﴿ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ﴾ (١)

(ہمیشہ) وہ سب کچھ کرنے والا جو چاہے۔

(۵) صفت سمع:

اللہ تعالیٰ کی صفات کمالیہ میں سے پانچویں صفت سمع (سننا) ہے وہ بغیر کانوں کے ہر آواز کو سنتا ہے اور سمع سے مراد اس کی سمیع ہے ہمیشہ سننے والا۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿......اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴾ (٢)

بے شک اللہ سب کچھ سننے والا خوب جاننے والا ہے۔

﴿......اِنَّنِيْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰى ﴾ (٣)

یقیناً میں تمہارے ساتھ ہوں (سب کچھ) سنتا اور (سب کچھ) دیکھتا ہوں۔

(۶) صفت بصر:

کہ اللہ تعالیٰ بغیر آنکھوں کے سب کچھ دیکھتا ہے اس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے۔

ع پس پردہ بیند عملہائے بد

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:

﴿......اِنَّ اللّٰهَ بَصِيْرٌ م بِالْعِبَادِ ﴾ (٤)

بے شک اللہ بندوں کو خوب دیکھتا ہے۔

(١) [البروج٨٥:١٦] (٢) [البقرہ٢:١٨١]

(٣) [طٰہٰ ٢٠:٤٦] (٤) [المومن ٤٠:٤٤]

(۷) صفت کلام:

یعنی اللہ تعالیٰ کو کلام کرنے کی صفت حاصل ہے اس لئے وہ متکلم ہے اور یہ کلام کرنا اس کی ذاتی صفت ہے اور وہ بغیر زبان کے کلام فرماتا ہے وہ حکم کرتا ہے، منع فرماتا ہے اور خبریں دیتا ہے اس کا کلام کرنا مخلوق کی طرح نہیں ہے اور کلام کرنا اس کی صفت ازلی ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفت کلام کا ثبوت قرآن وحدیث میں موجود ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿......وَ مَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا۝﴾ (۱)

اور کون زیادہ سچا ہے اللہ سے قول میں۔

﴿......يَسْمَعُوْنَ كَلٰمَ اللّٰهِ......﴾ (۲)

وہ اللہ کا کلام سنتے۔

﴿......مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ......﴾ (۳)

ان میں کسی سے اللہ نے کلام فرمایا۔

﴿......وَ كَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا۝﴾ (۴)

اور اللہ نے موسیٰ سے (بلاواسطہ بکثرت) کلام فرمایا۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ کلام فرمائے گا۔

مَامِنْكُمْ مِنْ رجل اِلَّا سَيُكَلِّمُهُ رَبُّهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَ لَيْسَ بَيْنَهُ وَ بَيْنَهُ

(۱) [النساء۴:۱۲۲] (۲) [البقرہ۲:۷۵]
(۳) [البقرہ۲:۲۵۳] (۴) [النساء۴:۱۶۴]

تَرْجُمَانٌ. (۱)

تم میں سے ہر ایک کے ساتھ اس کا رب کلام فرمائے گا اس حال میں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے بندے کے درمیان کوئی ترجمان نہیں ہوگا۔

(۸) صفت تکوین:

تکوین کا معنی پیدا کرنا اور مکوِّن کا معنی پیدا کرنے والا۔ مخلوق کو پیدا کرنا اللہ تعالیٰ کی صفت ازلی ہے اور اس کے سوا کون پیدا کرنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی صفات کمالیہ ذاتیہ اشاعرہ کے نزدیک سات ہیں۔ یعنی حیات قدرت، علم، ارادہ، سمع، بصر، کلام۔ مگر علماء ماتریدیہ نے ان سات میں ایک صفت کا اضافہ کیا ہے اور وہ یہی صفت تکوین ہے اور اس کو اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد كُنْ فَيَكُوْن سے نکالا ہے لہذا صفات کمالیہ ذاتیہ آٹھ ہوئیں جو سب ازلی وابدی ہیں اور صفات فعلیہ بھی ان ہی صفات کے آثار ہیں۔

(۲) صفات فعلیہ:

یعنی پیدا کرنا، مارنا، جلانا، صحت دینا، بیمار کر ڈالنا، غنی کرنا، فقیر کرنا، بخشنا، پرورش کرنا، رحم کرنا، بغیر نمونے کے کسی چیز کو پیدا کرنا، روزی دینا وغیرہ صفات جن کا تعلق مخلوق سے ہے اور انہیں صفات اضافیہ اور فعلیہ بھی کہتے ہیں مگر یہ سب صفتیں صفت تکوین کی تفصیل ہیں اور مآل ومبداء ان سب کا صرف صفت تکوین ہے جو خدا تعالیٰ کی صفت حقیقی اور قدیم و ازلی وابدی ہے اللہ تعالیٰ کی صفات فعلیہ ہوں یا کمالیہ ذاتیہ سب ازلی وابدی ہیں جس طرح

(۱) الترمذی، ابواب صفۃ القیامۃ، باب ۱ ح:۲۵۲۹
ابن ماجہ، کتاب الزکاۃ، باب فضل الصدقۃ ح:۱۸۴۳

اس کی ذات ازلی وابدی ہے اور صفات فعلیہ بھی صفات ذاتیہ کی طرح قرآن سے ثابت ہیں

سوال: صفت تکون بے مکوانات کے کیونکر ازلی ہوگی کیونکہ کسی مکون کو بھی ازلی نہیں کہتے۔ مثلاً صفت تکوین کی ایک قسم رزق دینا بھی ہے پس جب تک کوئی شخص کہ جس کو رزق دیا ازل میں نہ پایا جائے گا رزق دینا بھی ازل میں ثابت نہ ہوگا۔ علٰی ھٰذاالقِیَاس عالم کا اور اس کی ہر ہر چیز کا موجود کرنا بھی اس کی صفت ہے حالانکہ عالم نہ ازلی ہے نہ اس کی کوئی چیز ازلی ہے۔

جواب: صفات فعلیہ کا ظہور البتہ غیر پر موقوف ہے کہ جب تک کوئی غیر نہ ہوگا یہ صفت ظاہر نہ ہوگی اور خود صفت کسی پر موقوف نہیں۔ مثلاً ایک شخص کو لکھنا خوب آتا ہے اور یہ وصف اس کو ابتدا سے حاصل ہے سو یہ وصف ظاہر تب ہوگا جب وہ کچھ لکھے گا اور خود وصف لکھنے پر موقوف نہیں۔ اگر تمام عمر نہ لکھے جب بھی اس کو وہ وصف حاصل رہیگا پس کوئی چیز بھی ازل میں موجود نہ تھی اور کسی مکوّن کی وہاں ہستی نہ تھی لیکن اس کو وصف تکوین ازل میں حاصل تھی نہ یہ لازم آتا ہے کہ صفت فعلیہ ازلی نہ ہو ورنہ مکونات ازلی ہو جائیں بلکہ ہر مکوّن کی اس کے وقت پر تکوین کی۔ آسمان وزمین کوئی بھی ایک خاص وقت میں بنایا۔ علٰی ھٰذاالقِیَاس (۱)

اے برتر از خیال وقیاس وگماں ووہم   وز ہر چہ گفتہ اند وشنیدہ ایم وخواندہ ایم
دفتر تمام گشت و بپایاں رسید عمر   ماہم چناں دراول وصف تو ماندہ ایم

(۳) صفات آیات متشابہات:

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:

﴿ هُوَالَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَ اُخَرُ

(۱) عقائد اسلام ، اسلامی تعلیم ٤ :٣٢٥

مُتَشٰبِهٰتٌ ط فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَاْوِيْلِهٖ ج......﴾ (۱)

وہی ہے جس نے آپ پر یہ کتاب اتاری اس کی کچھ آیتیں محکم ہیں (جن کے معنی صاف اور واضح ہیں) وہ کتاب کی اصل ہیں اور دوسری متشابہ ہیں (جن کے معنی میں اشتباہ ہے) تو وہ لوگ جن کے دلوں میں کجی ہے وہ اسی کے پیچھے پڑے رہتے ہیں جو اس میں سے متشابہ ہے فتنہ طلب کرنے اور ان کے معنی تلاش کرنے کے لئے۔

صفات متشابہات وہ ہیں جن کا مطلب و معنی عقل فہم سے وراء ہے جس تک عقل و دماغ کی رسائی نہ ہو بعض کے لفظی معنی تو سمجھ میں آسکتے ہیں مگر ان کی مراد سمجھ نہیں آسکتی۔ بعض کے لفظی معنی بھی سمجھ میں نہیں آتے جیسے کہ حروف مقطعات ہیں مگر یہاں صفات (آیات) متشابہات کا ذکر کرنا مقصود ہے کیونکہ بات صفات باری تعالیٰ کی چل رہی ہے۔ صفات متشابہات جو قرآن وحدیث میں ہیں وہ بکثرت ہیں مگر بعض صفات یہاں ذکر کی جاتی ہیں اور ان سب پر ایمان لانا فرض ہے اور ان کے حقیقی معنی ومطلب کی تلاش نہیں کرنی چاہیے۔

(1) اِسْتِوَآء عَلَى الْعَرْش۔ قصد کرنا، قرار پکڑنا، برابر ہونا، قائم ہونا عرش پر۔

ارشاد باری ہے:

﴿اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ۞﴾ (۲)

(وہ) نہایت رحمت والا (ہے) اس نے (اپنی شان کے لائق) عرش پر استواء فرمایا۔

(2) نَفْس۔ جان، علم

﴿......وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ ط......﴾ (۳)

(۱) [ال عمران ۳:۷]   (۲) [طٰہٰ ۲۰:۵]   (۳) [المائدہ ۵:۱۱۶]

اور جو تیرے علم میں ہے میں اسے نہیں جانتا۔

﴿......وَ يُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ط......﴾ (١)

اور اللہ تمہیں اپنے (غضب) سے ڈراتا ہے۔

(3) وَجْهٌ۔ چہرہ، ذات

﴿وَ يَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَ الْاِكْرَامِ ۝﴾ (٢)

اور باقی ہے آپ کے رب کی ذات جو عظمت اور بزرگی والا ہے۔

﴿......كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ ط......﴾ (٣)

اس کی ذات کے سوا ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے۔

﴿......فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ط......﴾ (٤)

تو جہاں کہیں تم (قبلہ کی طرف) منہ کرو وہیں اللہ (تمہاری طرف متوجہ) ہے۔

(4) عَيْنٌ ۔آنکھ، حفاظت، نگرانی

﴿تَجْرِيْ بِاَعْيُنِنَا ج......﴾ (٥)

جو ہماری حفاظت میں چلتی تھی۔

﴿......وَلِتُصْنَعَ عَلٰى عَيْنِيْ ۝﴾ (٦)

اور تا کہ ہماری نگرانی میں آپ کی پرورش کی جائے۔

(5) يَدٌ ۔ہاتھ

﴿......يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ج......﴾ (٧)

(١) [آل عمران٣:٢٨] (٢) [الرحمٰن٥٥:٢٧] (٣) [القصص٢٨:٨٨]
(٤) [البقرة٢:١١٥] (٥) [القمر٥٤:١٤] (٦) [طٰہٰ٢٠:٣٩]
(٧) [الفتح٤٨:١٠]

ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔

﴿......بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ لا......﴾ (١)

بلکہ اس کے دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں۔

﴿......لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ ط......﴾ (٢)

اس کے لئے جسے میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا۔

(6) السَاقُ۔ پنڈلی

﴿يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ......﴾ (٣)

جس دن ساق (کی تجلی) ظاہر کی جائے گی۔

(7) معیت۔ ساتھ ہونا

﴿......وَ هُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ ط......﴾ (٤)

اور وہ تمہارے ساتھ ہے تم کہیں بھی ہو۔

(8) اَلْقَرِيْبُ۔ نزدیک

﴿......وَ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ۝﴾ (٥)

اور ہم اس کی شہ رگ سے زیادہ اس کے قریب ہیں۔

(9) فوقيت. اوپر (10) مجئ. آنا (11) اَلْجَنْبُ. پہلو
(12) عِنْدَ. پاس (13) غَضَبٌ. غصہ (14) بَطْشٌ. پکڑنا
(15) الرِّضَا. خوش ہونا (16) اَلضِّحْكُ. ہنسنا (17) اَلنُّزُوْلُ. اترنا

(١) [المائدة٥:٦٤] (٢) [ص٣٨:٧٥] (٣) [القلم٦٨:٤٢]
(٤) [الحديد٥٧:٤] (٥) [ق٥٠:١٦]

(18) فَرَحٌ. خوش ہونا (19) رُؤْیَت. دیکھنا (20) یَمِیْنٌ. دایاں ہاتھ

(21) مُحِیطٌ. گھیرنے والا (22) قَدَمُ الرَّحْمٰنِ۔ رحمٰن کا پاؤں

(23) اَلْمَکْرُ وَالْکَیْدُ۔ فریب، دھوکا دینا، تدبیر کرنا

﴿ وَ مَکَرُوْا وَ مَکَرَ اللّٰهُ ط وَاللّٰهُ خَیْرُ الْمٰکِرِیْنَ ۞ ﴾ (۱)

اور کافروں نے مکر کیا اور اللہ نے (ان کے خلاف) خفیہ تدبیر فرمائی اور اللہ سب سے بہتر خفیہ تدبیر فرمانے والا ہے۔

(24) اَلْفَرَاغ۔ فراغت، قصد فرمانا

﴿ سَنَفْرُغُ لَکُمْ اَیُّهَ الثَّقَلٰنِ ۞ ﴾ (۲)

ہم ابھی قصد فرماتے ہیں تمہارے (حساب کے) لئے اے دو بھاری گروہ۔

(25) اَلرُّوْح ۔ روح پھونکنا

﴿...... وَ نَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ ...... ﴾ (۳)

اور اس میں اپنی طرف کی (خاص) روح پھونک دوں۔

وغیرہ اور اس قسم کی اور صفتیں جو قرآن و حدیث میں وارد ہیں ان سب پر بغیر تاویل فاسدہ کے ایمان لانا فرض ہے۔

اضافت تشریفی:

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بعض چیزوں کی عظمت اور بزرگی اور رفعت و بلندی ظاہر کرنے کی خاطر اپنی طرف نسبت فرمائی ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

(۱) [آل عمران۳:۵۴] (۲) [الرحمن۵۵:۳۱] (۳) [الحجر۱۵:۲۹]

﴿ اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ...... ﴾ (۱)

اللہ کی مسجدیں وہی آباد کر سکتے ہیں جو اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان لائے۔

حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کے متعلق فرمایا:

﴿...... هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَکُمْ اٰیَةً ...... ﴾ (۲)

یہ اللہ کی اونٹنی ہے تمہارے لئے نشانی۔

خانہ کعبہ کی شان میں ارشاد ہے:

﴿ فَلْیَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَیْتِ ۞ ﴾ (۳)

تو انہیں چاہیے کہ وہ (اس پر شکر ادا کرتے ہوئے) اس گھر کے رب کی عبادت کریں

﴿ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا ...... ﴾ (۴)

بیشک اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو ڈرتے ہیں۔

﴿...... لَهٗ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط ...... ﴾ (۵)

زمینوں اور آسمانوں کی بادشاہی اللہ ہی کے لئے ہے۔

﴿...... رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۞ ﴾ (۶)

جو پرورش فرمانے والا ہے سب جہانوں کا۔

ان تمام آیات کریمہ میں جن چیزوں کی طرف نسبت کی گئی ہے یہ اضافت تشریفی ہے کہ ان چیزوں کی شرافت و بزرگی کو ظاہر کیا ہے نہ تو اللہ تعالیٰ مسجدوں میں رہتا ہے اور نہ خانہ کعبہ میں اور نہ مخلوقات کے اوپر، اور نہ حضرت صالح کی اونٹنی سے کوئی غرض ہے کیونکہ آسمان وزمین اور ساری مخلوق اللہ کی پیدا کی ہوئی ہے۔ اور یہ سب صفتیں اور اضافتیں اظہار

(۱) [التوبہ۹:۱۸] (۲) [الاعراف۷:۷۳] (۳) [قریش۱۰۶:۳]
(۴) [النحل۱۶:۱۲۸] (۵) [البقرہ۲:۱۰۷] (۶) [الفاتحہ۱:۱]

شرافت کے لئے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے سواء سب چیزیں مخلوق ہیں اور حق تعالیٰ خالق ہے۔ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اسی طرح اِسْتِوَاء عَلَی الْعَرْش کا مسئلہ ہے جو کہ قرآن مجید میں سات مقام پر آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہے، وہ عرش پر غالب ہے اس پر اس کا اقتدار اور غلبہ ہے اور اس نے اس کو پیدا کیا ہے۔ یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس پر قرار پکڑے ہوئے ہے یا اس پر ٹھہرا ہوا ہے۔ اور اللہ عرش کا بھی رب ہے۔ وَ هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْم کہ وہ بڑے عرش کا مالک ہے۔

علامہ عبدالغنی نابلسی مسئلہ الاستواء کے متعلق فرماتے ہیں:

فَالْاِسْتِوَاءُ فِیْ قَوْلِهٖ تَعَالٰی ﴿اَلرَّحْمٰنُ عَلَی الْعَرْشِ﴾ لَيْسَ مَعْنَاهُ اَنَّ اِسْتِوَاءَ اللّٰهِ تَعَالٰی كَاسْتِوَاءِ الْاَجْسَامِ لِاَنَّهٗ تَعَالٰی لَيْسَ بِجِسْمٍ كَمَا تَقَدَّمَهٗ بَلِ اسْتِوَاءُ يَلِيْقُ بِهٖ تَعَالٰی وَ بِكَمَالِ تَنْزِيْهِهٖ عَنْ مُشَابَهَةِ كُلِّ شَیْءٍ.

قَالَ النَّسَفِیُّ فِیْ بَحْرِ الْكَلَامِ لِاَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی كَانَ قَبْلَ اَنْ يَّخْلُقَ الْعَرْشَ فَلَا يَجُوْزُ اَنْ يُّقَالَ بِاَنَّهٗ اِنْتَقَلَ اِلَی الْعَرْشِ لِاَنَّ الْاِنْتِقَالَ مِنْ صِفَاتِ الْمَخْلُوْقِيْنَ وَ اَمَارَاتِ الْمُحْدِثِيْنَ وَاللّٰهُ تَعَالٰی مُنَزَّهٌ عَنْ ذٰلِكَ وَ لِاَنَّ مَنْ قَالَ بِالْاِسْتِقْرَارِ عَلَی الْعَرْشِ فَلَا يَخْلُوْ اِمَّا اَنْ يَّقُوْلَ اِنَّهٗ مِثْلُ الْعَرْشِ اَوِ الْعَرْشُ مِثْلُهٗ اَوِ الْعَرْشُ اَكْبَرُ مِنْهُ اَوْ هُوَ اَكْبَرُ مِنَ الْعَرْشِ وَ اَیُّ كَانَ فَقَائِلُهٗ كَافِرٌ لِاَنَّهٗ جَعَلَ اللّٰهَ تَعَالٰی مَحْدُوْدًا.

وَ عَنْ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ رضی اللہ عنہ اَنَّهٗ سُئِلَ اَيْنَ كَانَ رَبُّنَا قَبْلَ اَنْ يَّخْلُقَ الْعَرْشَ فَقَالَ اَيْنَ السُّؤَالُ عَنِ الْمَكَانِ وَ كَانَ اللّٰهُ تَعَالٰی وَ لَا مَكَانَ وَ لَا زَمَانَ وَ هُوَالْاٰنَ كَمَا كَانَ.

(۱) حدیقه ندیه : ۲۴۸

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا استواء علی العرش جسموں کی طرح نہیں ہے جیسے پہلے گزرا ہے بلکہ اللہ کا عرش پر مستوی ہونا وہ ہے جو اس کی شان کے لائق ہے تو اللہ تعالیٰ اس وقت بھی تھا جب عرش پیدا نہیں کیا گیا تھا۔ یہ تو کہنا جائز نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر منتقل ہو گیا ہے یہ تو مخلوقات کی علامتوں میں سے ہے جب مکان و زماں اور عرش نہیں تھا تو اس وقت بھی اللہ تعالیٰ تھا اور اب بھی ہے۔

امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

آسمان کی جانب دعا کے وقت ہاتھ اٹھانے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ آسمانوں میں ہے بلکہ عبادت کے طور پر ہاتھ اٹھائے جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی عبادت جس طرح چاہیں اس کے بندے کریں۔ نماز کی حالت میں، سجدہ کرتے ہوئے پیشانی زمین پر رکھ کر تسبیح پڑھی جاتی ہیں یہ عبادت ہے۔ خانہ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ کسی جہت میں نہیں ہے۔ اسی طرح وہ عرش پر مستوی و متمکن نہیں ہے بلکہ وہ اس پر غالب ہے اور اِسْتَوٰی عَلَی الْعَرْش عرش کی عظمت و رفعت کو ظاہر کرنا ہے۔ (۱)

(۱) الاقتصاد فی الاعتقاد

وَهُوَ مُتَكَلِّمٌ بِكَلَامٍ هُوَ صِفَةٌ اَزَلِيَّةٌ لَيْسَ مِنْ جِنْسِ الْحُرُوْفِ وَالْاَصْوَاتِ وَهُوَ صِفَةٌ مُنَافِيَةٌ لِلسُّكُوْتِ وَالْاٰفَةِ

اور وہ (اللہ تعالیٰ) کلام کرنے والا (۱) ایسے کلام کے ساتھ جو (جو اس کے لئے) صفت ازلہ (ہمیشہ) ہے، نہیں ہے (کلام الہیٰ) حروف اور آواز کی جنس (قسم) سے اور وہ منافی ہے واسطے خاموشی کے (قدرت کے باوجود کلام نہ کرنا) اور واسطے آفت کے (۲)۔

اللہ کا کلام حروف اور آواز سے خالی ہے۔

شرح: اور وہ اللہ تعالیٰ کی آٹھ صفات، علم، قدرت، حیات، سمع، بصر، ارادہ، تکوین اور کلام ثابت ہیں چونکہ ارادہ تکوین اور کلام میں زیادہ اختلاف تھا اس لئے مصنف رحمہ اللہ نے ان کی تفصیل کو خصوصیات کے ساتھ دوبارہ ذکر فرمایا۔

چنانچہ علامہ سعد الدین تفتازانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لَمَّا كَانَ فِي الثَّلَاثَةِ الْاَخِيْرَةِ زِيَادَةُ نِزَاعٍ وَ خِفَاءٍ كَرَّرَ الْاِشَارَةَ اِلٰى اِثْبَاتِهَا وَ قِدَمِهَا فَصَّلَ الْكَلَامَ بِبَعْضِ التَّفْصِيْلِ. (شرح العقائد النسفیہ ۵۶-۵۵)

کہ جب کہ آخری تین صفتوں میں زیادہ اختلاف و جھگڑا اور خفا (پوشیدگی) تھی تو ان کے اثبات اور قدیم ہونے کی طرف مکرر اشارہ کیا اور بعض میں تفصیل سے کلام کیا ہے۔

صفت کلام کو پہلے اس لئے لائے تاکہ اس پر تفصیل زیادہ کی جائے۔

(۲) اللہ کے کلام کے دو معنی ہیں:

اللہ تعالیٰ کا کلام صفت ازلی ہے حروف آواز کی قسم سے نہیں ہے خاموشی اور کمزوری کے خلاف ہے کہ طاقت کے باوجود کلام نہ کرنا اور آفت سے مراد آلات کا تابعدار اور ساتھ نہ دینا ہے۔

اور کلام خدا کے دو معنی ہیں: ایک کلام نفسی قدیم ہیں یہ صفت ازل سے ابد تک اس کو حاصل ہے اس کے سبب سے جس سے چاہتا ہے کلام کرتا ہے جیسا کہ ہم کو صفت کلام حاصل ہے گو ہم کسی سے کلام نہ کریں پس یہ صفت بالاتفاق غیر مخلوق ہے اور اس کے ساتھ قائم ہے سو یہ کلام الٰہی اس سبب سے ہے کہ اس کی صفت ہے اور اس کے ساتھ قائم ہے۔

دوسرے یہ الفاظ اور عبارت قرآن کی جو کلام لفظی ہے اور حروف و اصوات سے مرکب ہے اس کو کلام الٰہی اس لئے کہتے ہیں کہ یہ سوائے خدا کے کسی اور کی تالیف اور تصنیف نہیں ہے بلکہ ان کو خاص اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے۔ پس اس وجہ سے یہ الفاظ اور عبارت قرآن مجید بھی کلام الٰہی ہے اور اس کا کلام الٰہی نہ کہنے والا بالاتفاق کافر ہے اور ان سے معارضہ بھی کفار کے ساتھ درست ہے مگر یہ کلام لفظی خدا کی صفت نہیں ہے بلکہ اس کی صفت پر دال ہے۔ قرآن کا اطلاق کلام نفسی اور کلام لفظی دونوں پر ہوتا ہے (شرح فقہ اکبر اردو ۱۰۲)

علامہ عبد العزیز پرہاروی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

مَذْهَبُ الْاَشَاعِرَةِ وَ هُوَ اَنَّ كَلَامَهُ سُبْحَانَهُ يُطْلَقُ عَلٰى صِفَةٍ قَائِمَةٍ بِذَاتِهٖ قَدِيْمَةٍ لَيْسَتْ مِنْهُ جِنْسُ الْحُرُوْفِ وَالْاَصْوَاتِ وَعَلَى النَّظْمِ الْحَادِثِ الْمُرَكَّبِ مِنَ الْحُرُوْفِ الدَّالِّ عَلٰى تِلْكَ الصِّفَةِ الْقَدِيْمَةِ وَالْاَوَّلُ يُسَمّٰى بِالْكَلَامِ النَّفْسِيِّ وَالثَّانِيْ بِاللَّفْظِيِّ وَ نِسْبَةُ الْاَوَّلِ اِلَى الثَّانِيْ كَنِسْبَةِ الْمَعْنٰى اِلَى اللَّفْظِ الْمُتَرْجَمِ عَنْهُ. (مرام الکلام:۲۲)

معلوم ہوا کہ ائمہ متکلمین، جس کو کلام نفسی کہتے ہیں وہ معانی مراد ہیں اور کلام لفظی سے مراد الفاظ ہیں اور علماء اصولیین نظم و معنی کو قرآن کہتے ہیں۔ جو آیات و احادیث کلام نفسی پر دال ہیں تو ان سے مراد کلام لفظی ہے۔

لہذا یہ جو صاحب بغیۃ الرائد فی شرح العقائد نسفی نے اللہ تعالیٰ کا کلام یعنی حروف و آواز کے ساتھ ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے کہ اللہ کے کلام میں حروف و آواز ہے وہ لا حاصل ہے کیونکہ جو آیات واحادیث پیش کی گئی ہیں ان سے مراد کلام نفسی ہے جن پر الفاظ و حروف دلالت کرتے ہیں۔

امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ ارشاد فرماتے ہیں:

پس دونوں قسم کے کلام اللہ ہی کے کلام ہیں۔ نفسی اور لفظی بھی اور کلام کا اطلاق ان دونوں قسموں پر بطریق حقیقت ہوتا ہے جیسا کہ ہمارے دونوں طرح کے کلام نفسی اور لفظی بطریق حقیقت ہمارے ہی کلام ہیں۔ (مکتوبات، دفتر دوم ۳:۶۴)

حرف ندارد صوت ہم اعراب دروے نی ہجا
دانی کلامش بیشکے از جنس خاطر ہم فکر

علامہ امجد علی اعظمی قادری برکاتی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

عقیدہ: اس کا کلام آواز سے پاک ہے اور یہ قرآن عظیم جس کو ہم اپنی زبان سے تلاوت کرتے، مصاحف میں لکھتے ہیں اسی کا کلام قدیم بلاصوت ہے اور یہ ہمارا پڑھنا لکھنا اور یہ آواز حادث یعنی ہمارا پڑھنا حادث ہے اور جو ہم نے پڑھا قدیم اور ہمارا لکھنا حادث ہے اور جو لکھا قدیم ہمارا سننا حادث ہے اور جو ہم نے سنا قدیم ہمارا حفظ کرنا حادث ہے اور جو ہم نے حفظ کیا قدیم یعنی متجلی قدیم ہے اور تجلی حادث۔ (بہار شریعت ۱:۱۲)

یہ تقسیم متکلمین کے نزدیک ہے، محدثین کے نزدیک یہ تقسیم نہیں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

وَاللّٰہُ تَعَالٰی مُتَکَلِّمٌ بِھَا آمِرٌ نَاہٍ مُخْبِرٌ

اللہ تعالیٰ اسی صفت کے ساتھ کلام کرنیوالا، حکم دینے والا، منع کرنیوالا اور خبر دینے والا ہے (۱)

شرح: (۱) قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

کلام او یک کلام بسیط است کہ تمام کتب منزلہ تفصیل اوست۔ (مالا بدمنہ ۷)

اللہ تعالیٰ کا ایک ہی کلام بسیط ہے کہ تمام نازل کردہ کتابیں اس کی تفصیل ہیں۔

گویا بدان حضرت خدا اندر ازل بر یک سخن
آمر بداں ناہی بدان صیغہ یکے جملہ خبر

اللہ تعالیٰ نے ازل میں ایک کلام فرمایا اسی کے ساتھ حکم کرنے والا روکنے والا اور خبر دینے والا ہے۔ یعنی کلام وصیغہ ایک ہی تھا مگر اختلاف متعلقات کے سبب کلام کے تین مضمون تھے

(۱) مامور بہ کی نسبت امر ہے۔ (۲) منہی عنہ کے لئے نہی ہے۔

(۳) اخبار قدیم کی خبر ہے۔

مگر صنف کلام فی نفسہ واحد ہے اور تعداد جو اس میں امر و نہی اور خبر کے اعتبار سے ہے یہ اختلاف متعلقات کے سبب سے ہے مراد مصنف کی یہ ہے کہ کلام فی نفسہ ایک صفت ہے اس کا تکثر بلحاظ امر، نہی اور خبر کے بسبب اختلاف تعلقات کے ہے اگر اس صفت کا تعلق طلب کے ساتھ پیدا ہو جائے تو امر کہلاتی ہے۔ اگر اس صفت کا روکنے اور منع کرنے کے ساتھ تعلق ہو جائے تو نہی کہلاتی ہے۔ اور اگر اس صفت کا حکایت کے ساتھ تعلق ہو جائے تو خبر کہلاتی ہے جیسے کہ علم اور قدرت دراصل صفت واحدہ قدیمہ ہیں اسی طرح کل صفات باری تعالیٰ واحد ہیں ان کا تکثر اور حدوث باعتبار تعلقات اور حدوث اضافات کے ہوا کرتا ہے۔ یہ اس وجہ سے کہ وحدت صفات کی وجہ کے ساتھ بہت لائق اور مناسب ہے۔ (صدر الشواھد ۸۴)

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ازل میں ایک ہی کلام فرمایا ہے اور تمام آسمانی کتابیں اسی کی تفصیل ہیں

وَالْقُرانُ كَلامُ اللّٰهِ تَعَالٰى غَيْرُ مَخْلُوقٍ وَهُوَ مَكْتُوبٌ فِيْ مَصَاحِفِنَا مَحْفُوظٌ فِيْ قُلُوْبِنَا مَقْرُوٌّ بِالْسِنَتِنَا مَسْمُوْعٌ بِآذَانِنَا غَيْرُ حَالٍ فِيْهَا

اور قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے مخلوق نہیں (۱) ہے اور وہ قرآن لکھا ہوا (۲) ہے ہمارے ورقوں، میں اور وہ قرآن محفوظ (۳) ہے ہمارے دلوں، میں پڑھا جاتا ہے ہماری زبانوں (٤) پر، سنا جاتا ہے ہمارے کانوں (٥) سے، نہیں حلول کرتا (٦) ان میں۔

قرآن غیر مخلوق ہے

شرح: (۱) کیونکہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور کلام اللہ تعالیٰ کی صفت ازلی غیر مخلوق ہے اس لئے قرآن غیر مخلوق ہے۔

امام ابو جعفر طحاوی حنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لَيْسَ بِمَخْلُوْقٍ كَكَلَامِ الْبَرِيَّةِ. (العقيدة الطحاوية ٦)

قرآن مجید اللہ کا کلام ہے مخلوق نہیں ہے جیسا کہ مخلوق کا کلام ہے۔

(۲) اور وہ قرآن مجید ہمارے ورقوں میں لکھا ہوا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَكِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ ۞ فِيْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ ۞﴾ [الطور ٥٢:٣-٢]

اور لکھی ہوئی کتاب کی۔ کشادہ ورق میں۔

﴿ اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ۞ فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ۞﴾ [الواقعه ٥٦:٧٨-٧٧]

بے شک یہ بڑی عزت والا قرآن ہے۔ محفوظ کتاب میں۔

﴿فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ۞ فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ۞ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ ۞ بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ ۞ كِرَامٍ ۢ بَرَرَةٍ ۞﴾ [عبس ٨٠:١٦-١٥-١٤-١٣-١٢]

تو جو چاہے اس (قرآن) کو یاد کرے۔ ان صحیفوں میں جو عزت والے ہیں۔ بلندی والے پاکی والے ہیں۔ ایسے کاتبوں کے ہاتھوں سے (لکھے ہوئے)۔ جو نہایت بزرگی والے (بہت) نیک ہیں۔

(۳) کہ وہ قرآن یاد کیا ہوا ہے ہمارے دلوں میں اگر مصنف رحمہ اللہ لفظ قلوب کی بجائے لفظ صدور لاتے تو بہت اچھا ہوتا کہ یہ قرآن ہمارے سینوں میں محفوظ ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ط ...... ﴾ [العنكبوت ٢٩:٤٩]

بلکہ یہ روشن آیتیں ہیں ان لوگوں کے سینوں میں جنہیں علم دیا گیا۔

حدیث میں ہے:

هُوَ اَشَدُّ تَفَصِّيًا مِنْ صُدُوْرِ الرِّجَالِ. (مشكوة المصابيح)

وہ بہت جلدی بھاگنے والا ہے مردوں کے سینوں سے۔

یعنی تلاوت قرآن مجید نہ کرنے کی صورت میں جلدی بھول جاتا ہے اور قرآن مجید کے فیوض و برکات میں سے ایک یہ بھی برکت ہے کہ لاکھوں مسلمان بچے، جوان، بوڑھے، مرد اور عورتوں کو قرآن مجید زبانی یاد ہوگا اور کسی کی کوئی طاقت نہیں ہے کہ ایک حرف کی بھی تبدیلی کر سکے یا اس میں کمی وزیادتی کرے۔ بخلاف تورات وغیرہ آسمانی کتابوں کے ان کے حفظ کی دولت رسولوں کے سوا کسی کو میسر نہ ہوسکی۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۞﴾ [القمر ٥٤:١٧]

اور بے شک ہم نے نصیحت قبول کرنے کے لئے قرآن کو آسان کیا تو ہے کوئی

نصیحت قبول کرنے والا؟

اسی لئے مسلمانوں نے ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں دنیا کی تمام قوموں اور ملکوں کے سامنے قرآن مجید کو زبانی سنا دیا اور یہ سلسلہ نزول قرآن سے لے کر اب تک جاری ہے اور قیامت تک جاری وساری رہے گا اور حفاظت قرآن مجید کے اسباب میں سے یہ بھی ایک عظیم سبب ہے۔

(۴) یعنی قرآن مجید ہماری زبانوں پر حروف ملفوظہ، مسموعہ کو بغیر کمی بیشی کے پڑھا گیا اور پڑھا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ۞ ﴾ [القیمة ۷۵:۱۸]

توجب ہم اسے پڑھ چکیں تو آپ اس پڑھے ہوئے کی اتباع کریں۔

(۵) یعنی ہمارے کانوں سے انہی الفاظ وحروف اور آواز کو سنا جاتا ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿......حَتّٰی یَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ۞ ﴾ [التوبہ ۹:۶]

یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سنے۔

یعنی اس کلام لفظی کو سنا جاتا ہے جو کلام نفسی پر دال ہے جیسا کہ عرف مین کہا جاتا ہے کہ میں نے فلاں کا علم سنا یعنی وہ جو کہ علم پر دلالت کرتا ہے میں نے سنا۔ اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بعینہ کلام اللہ کو نہیں سنا بلکہ اس آواز کو جو کہ کلام اللہ پر دال تھا اس کو سنا۔ یہی مسلک شیخ ابو منصور ماتریدی اور ابو اسحاق اسفرائنی رحمہما اللہ تعالیٰ کا ہے بہر حال ہمارے کانوں نے قرآن مجید سنا جس سے معلوم ہوا کہ اللہ کا کلام سنا جاتا ہے۔

ارشاد ربانی ہے:

﴿ وَ اِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَی الرَّسُوْلِ تَرٰۤی اَعْیُنَهُمْ تَفِیْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ج...... ﴾ (۱)

اور جب سنتے ہیں (قرآن) جو نازل کیا گیا رسول کی طرف آپ ان کی آنکھیں دیکھتے ہیں آنسوؤں سے بہتی ہوئی اس لئے کہ انہوں نے حق کو پہچان لیا۔

﴿......فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ۞ یَّهْدِیْٓ اِلَی الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ ط...... ﴾ (۲)

تو انہوں نے (اپنی قوم سے) کہا کہ بیشک ہم نے ایک عجیب قرآن سنا۔ جو ہدایت کرتا ہے سیدھی راہ کی طرف ہم اس پر ایمان لائے۔

﴿ وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۞ ﴾ (۳)

اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے کان لگا کر سنو اور خاموش رہو تا کہ تم رحم کیے جاؤ

﴿ وَ قَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ...... ﴾ (۴)

اور کہا ان لوگوں نے جنہوں نے کفر کیا اس قرآن کو ہر گز نہ سنو۔

(۶) یعنی وہ قرآن مجید ورقوں، دلوں، زبانوں اور کانوں میں داخل نہیں ہوتا بلکہ وہ تو قدیم معنی ہے جو بولا جاتا ہے، سنا جاتا ہے، لکھا جاتا ہے اور حفظ کیا جاتا ہے مگر ان امور سے اس کی حقیقت کے قدیم ہونے میں کسی قسم کی خرابی نہیں ہوتی مثلاً کہا جاتا ہے کہ آگ ایک جوہر ہے جو روشنی کرتا اور جلاتا ہے اب اس حقیقت کو تلفظ میں لایا جاتا ہے، قلم سے لکھا جاتا ہے اور سنا بھی جاتا ہے مگر اس سے حقیقت نار (آگ) میں فرق نہیں آتا کہ وہ صوت (آواز) یا حرف

(۱) [المائدہ ۵:۸۳] (۲) [الجن ۷۲:۱-۲]

(۳) [الانفال ۸:۲۰۴] (۴) [حمٓ السجدة ۴۱:۲۶]

بن جائے بلکہ وہ جوہر ہی ہے۔لہذا کلام کی حقیقت میں کوئی خلل یا نقص پیدا نہیں ہوسکتا۔کلام اللہ اسم مشترک ہے دونوں معنوں کے درمیان یعنی کلام نفسی قدیم اور کلام لفظی حادث دونوں کو کلام کہا جاتا ہے چونکہ احکام شرعیہ مثلاً نماز، روزہ، ایمان وغیرہ امور کا دارومدار اور دلیل صرف تلفظ ہی تھا معنی قدیم نہ تھا اس لئے ائمہ اصول نے اپنی دینی غرض وفائدہ کو مدنظر رکھتے ہوئے قرآن کی نظم اور معنی دونوں کے ساتھ تعریف کی ہے۔

صاحب حسامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فَالْقُرْآنُ الْمُنَزَّلُ عَلَى الرَّسُوْلِ، اَلْمَكْتُوْبُ فِى الْمَصَاحِفِ، اَلْمَنْقُوْلُ عَنْهُ نَقْلًا مُتَوَاتِرًا بِلَا شُبْهَةٍ ، وَ هُوَ اِسْمٌ لِلنَّظْمِ وَالْمَعْنٰى جَمِيْعًا فِىْ قَوْلِ عَامَّةِ الْعُلَمَاءِ وَ هُوَالصَّحِيْحُ مِنْ مَذْهَبِ اَبِىْ حَنِيْفَةَ. (۱)

قرآن مجید وہ کلام الٰہی ہے جو نازل کیا گیا رسول اللہ ﷺ پر، جولکھا ہوا ہے مصاحف میں، جو آنحضرت ﷺ سے نقل تواتر کے ساتھ بغیر کسی شبہ کے منقول ہے۔اور عامۃ العلماء کے قول کے مطابق وہ، نظم یعنی لفظ اور معنی دونوں کے مجموعے کا نام ہے۔اور یہی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا صحیح مذہب ہے۔

(۱) الحسامی: ٤

وَالتَّكْوِيْنُ صِفَةُ اللّٰهِ تَعَالٰى اَزَلِيَّةٌ وَهُوَ تَكْوِيْنُهُ لِلْعَالَمِ

اور تکوین (پیدا کرنا) اللہ تعالیٰ کی صفت ازلی (۱) ہے اور وہ اس کا عالم کو پیدا کرنا ہے۔

تکوین صفت الٰہی ہے۔

شرح:۱ کیونکہ پیدا کرنا صرف اللہ کا کام ہے اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے ہے اور اس کی صفتیں بھی ہمیشہ سے ہیں تو صفت تکوین بھی ازلی اور قدیم ہے۔ تَكْوِيْن باب تفعیل کا مصدر ہے اس کی ماضی كَوَّنَ ہے اور اس کا مضارع يُكَوِّنُ ہے۔تکوین کا معنی شئ معدوم کو موجود کرنا ہے۔

يُفَسَّرُ بِاِخْرَاجِ الْمَعْدُوْمِ مِنَ الْعَدَمِ اِلَى الْوُجُوْدِ. (۱)

اور اس صفت تکوین کی مختلف تعبیریں کی جاتی ہیں احداث، ایجاد، اختراع، تخلیق، خلق، فعل، احیا، اماتت اور ترزیق وغیرہ سب اس کی تعبیریں اور اس میں داخل ہیں۔ ماتریدیہ کے نزدیک صفات کمالیہ آٹھ ہیں اور آٹھویں صفت تکوین ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے اور صفت تکوین کو اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد كُنْ فَيَكُوْن سے نکالا گیا ہے جب اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے کہ ہوجاؤ، تو وہ ہوجاتی ہے۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

کہ امام (اشعری) نے چونکہ اللہ تعالیٰ کے فعل کی حقیقت سے اطلاع نہ پائی اس لئے تکوین کو حادث کہہ دیا اور حق تعالیٰ کے افعال کو بھی حادث جان لیا اور نہ جانا کہ یہ سب حق تعالیٰ کے ازلی فعل کے آثار ہیں نہ کہ حق تعالیٰ کے افعال۔(۲)

(۱) شرح العقائد النسفیہ: ٤

(۲) مکتوبات دفتر اول مکتوب نمبر ۲۹۹

وَلِكُلِّ جُزْءٍ مِّنْ اَجْزَائِهٖ لِوَقْتِ وُجُوْدِهٖ وَ هُوَ غَيْرُ الْمُكَوَّنِ عِنْدَنَا

اوراس کی ہر چیز کو پیدا کرنا ہے(۱)اس کے وجود کے وقت میں اور ہمارے نزدیک (تکوین) مکون کا غیر (۲) ہے۔

مکون اور تکوین میں فرق ہے۔

شرح: (۱)اس میں ان لوگوں کا رد کیا گیا ہے جو بعض اجزاء کو قدیم کہتے ہیں جیسے ہیولہ،نفس ناطقہ اور عقول۔اور یہ چیزیں ازل میں نہیں پیدا کی گئیں بلکہ ان کے موجود ہونے کے وقت پیدا ہوئی ہیں جو ان کے لئے معین کیا گیا تھا۔خلاصہ یہ ہے کہ تمام موجودات کو اللہ تعالیٰ نے از ل ہی میں پیدا نہیں کر دیا تھا بلکہ جو وقت جس کی پیدائش کا اس کے علم و ارادے میں تھا اس وقت پیدا کیا پس فعل ازل سے ابد تک باقی اور معمولات یعنی مخلوقات میں سے جس کے ساتھ فعل ازل سے ابد تک باقی اور معمولات یعنی مخلوقات میں سے جس کے ساتھ فعل کا تعلق حادث ہو گیا وہ موجود ہوتا گیا جس طرح اللہ تعالیٰ کی خالقیت و ربوبیت ازل سے ہے۔

وَ لَا يَلْزَمُ مِنْ قِدَمِ الصِّفَةِ قِدَمُ مُتَعَلَّقَاتِهَا كَمَا لَايَلْزَمُ مِنْ قِدَمِ الْقُدْرَةِ وَالسَّمْعِ وَالْبَصَرِ قِدَمُ الْمَقْدُوْرَاتِ وَالْمَسْمُوْعَاتِ وَالْمُبْصَرَاتِ (النبراس ۲۳۸)

صفت کے قدیم ہونے سے اس کے متعلقات کا قدیم ہونا لازم نہیں آتا جیسا کہ صفات قدرت وسمع وبصر کے قدیم ہونے سے مقدورات،مسموعات اور مبصرات کا قدیم ہونا لازم نہیں آتا۔

اور صفت تکوین امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے اس ارشاد سے ثابت ہے۔

وَالْفِعْلُ صِفَةٌ فِى الْاَزَلِ وَالْفَاعِلُ هُوَاللّٰهُ تَعَالٰى، وَالْفِعْلُ صِفَةٌ فِى الْاَزَلِ وَالْمَفْعُوْلُ مَخْلُوْقٌ، وَ فِعْلُ اللّٰهِ تَعَالٰى غَيْرُ مَخْلُوْقٍ. (شرح الفقه الاكبر ٤٦)

اور فعل ازل میں ایک صفت ہے اور فاعل اللہ تعالیٰ ہے۔اور فعل ازل میں ایک

صفت ہے اور مفعول مخلوق ہے۔اور اللہ تعالیٰ کا فعل غیر مخلوق ہے۔

لفظ فَعْل ف کی زبر عین کے سکون سے مصدر ہے بمعنی کرنا اور فِعل ف کی زیر سے بمعنی کام۔مگر بعض کہتے ہیں فِعل ف کی زیر سے بھی مصدر آتا ہے۔

یہاں فعل سے مراد صفت تکوین ہے جس سے ثابت ہوا کہ امام صاحب کے ارشاد سے صفت تکوین ثابت ہے اسی لئے علماء احناف ماتریدیہ کے نزدیک صفات کمالیہ میں سے ایک اہم صفت تکوین ہے۔

چنانچہ عَلَمُ الْھُدٰی امام ابو منصور محمد بن محمد ماتریدی سمرقندی (متوفی ۳۳۳ھ) نے اپنی مشہور کتاب، کتاب التوحید میں بارہ مقامات پر صفت تکوین کا ذکر ضمنی طور پر فرمایا ہے

(۲) یعنی صفت تکوین مکون (مخلوق) سے جدا ہے، عندنا یعنی ماتریدیہ کے نزدیک۔کہ علماء ماتریدی تکوین میں اور ان موجودات میں جن کو اس کے سبب سے وجود حاصل ہوا ہے اتحاد نہیں بتاتے اس واسطے کہ فعل اور مفعول میں بڑی مغائرت ہوتی ہے جیسے ضرب،مضروب سے غیر ہے۔

علامہ تفتازانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لِاَنَّ الْفِعْلَ يُغَايِرُ الْمَفْعُوْلَ بِالضُّرُوْرَةِ كَالضَّرْبِ مَعَ الْمَضْرُوْبِ وَالْاَكْلِ مَعَ الْمَأْكُوْلِ. (شرح العقائد النسفيه ٦٧)

اس لئے کہ فعل بداہۃً مفعول کے مغائر ہوتا ہے جیسے ضرب مضروب کے ساتھ اور اکل ماکول کے ساتھ۔

امام ابو جعفر طحاوی رحمہ اللہ (العقيدة الطحاوية ٤) میں لکھتے ہیں:

لَهٗ مَعْنَى الرُّبُوْبِيَّةِ وَ لَا مَرْبُوْب وَ مَعْنَى الْخَالِقِ وَ لَا مَخْلُوْق .

اس (اللہ) کے لئے پالنے والی صفت اس وقت بھی تھی جب کوئی پلنے (پروردہ) والا نہیں تھا اور اس کے خالق ہونے کی صفت اس وقت بھی تھی جب مخلوق نہیں تھی۔

وَالْاِرَادَةُ صِفَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی اَزَلِيَّةٌ قَائِمَةٌ بِذَاتِهٖ تَعَالٰی

اور ارادہ (۱) اللہ تعالیٰ کی صفت ازلی ہے قائم ہے اس کی ذات سے۔

ارادہ

شرح: (۱) چونکہ فلاسفہ فرقہ نجاریہ، فرقہ معتزلہ اور فرقہ کرامیہ کا اہل سنت سے اختلاف ہے اور وہ اس صفت ارادہ کے متعلق فاسد خیال رکھتے ہیں اس لئے مصنف رحمہ اللہ نے صفت ارادہ کا دوبارہ تاکید تحقیق کی بنا پر ذکر فرمایا ہے حالانکہ اس صفت کا ذکر صفات میں بیان ہو چکا ہے تو فرمایا کہ ارادہ اللہ تعالیٰ کی صفت ازلی ہے جو اس کی ذات سے قائم ہے اور اس میں ان کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ ارادہ صفت حادث ہے بلکہ یہ صفت بھی قدیم ہے۔

ارادہ کی دو قسمیں ہیں:

قرآن مجید میں ارادہ کی دو قسمیں بیان ہوئی ہیں (۱) ارادہ قدریہ، کونیہ، خلقیہ، کہ جمیع موجودات کو مشیت شامل ہے ارشاد گرامی ہے:

﴿فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ......﴾ (۱)

تو جسے اللہ ہدایت دینا چاہے اس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے اور جسے گمراہ کرنا چاہے اس کا سینہ خوب رکا ہوا تنگ کر دیتا ہے گویا وہ بہ تکلف آسمان پر چڑھ رہا ہے۔

﴿......مَنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يُضْلِلْهُ ؕ وَمَنْ يَّشَاْ يَجْعَلْهُ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۞﴾ (۲)

اللہ جسے چاہے اسے گمراہ کر دے اور جسے چاہے اسے سیدھی راہ پر لگا دے۔

﴿وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا......﴾ (۳)

(۱) [الانعام۶:۱۲۵] (۲) [الانعام۶: ۳۹] (۳) [السجدہ ۳۲:۱۳]

اور اگر ہم چاہتے تو ہر شخص کو اس کی ہدایت عطا فرما دیتے۔

نیز فرمان باری ہے:

﴿......وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً......﴾ (۱)

اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی امت کر دیتا۔

﴿......فَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۞﴾ (۲)

تو اگر اللہ چاہتا تو ضرور تم سب کو ہدایت فرماتا۔

﴿وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا......﴾ (۳)

اور جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں اس کے عیش پرستوں کو اپنے احکام بھیجتے ہیں پھر وہ ان احکام کی نافرمانی کرتے ہیں۔

﴿وَلَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِيْٓ اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ اِنْ كَانَ اللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يُّغْوِيَكُمْ ؕ......﴾ (۴)

اور اگر میں تمہاری خیر خواہی چاہوں تو میری خیر خواہی تمہیں نفع نہ دے گی اگر اللہ نے تمہیں گمراہ کرنے کا ارادہ کیا ہو۔

(۲) ارادہ شرعیہ دینیہ تکلیفیہ امریہ جس میں اللہ تعالیٰ کی رضا و محبت شامل ہے۔

چنانچہ اللہ فرماتا ہے۔

﴿......يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ز......﴾ (۵)

اللہ تم پر آسانی کا ارادہ فرماتا ہے اور تنگی کا ارادہ نہیں فرماتا۔

(۱) [المائدہ۵:۴۸] (۲) [الانعام۶:۱۴۹] (۳) [الاسراء۱۷:۱۶]

(۴) [ہود ۱۱:۳۴] (۵) [البقرہ۲: ۱۸۵]

﴿ يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَ يَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ يَتُوْبَ عَلَيْكُمْ ط وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۞ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْكُمْ قف وَ يُرِيْدُ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ اَنْ تَمِيْلُوْا مَيْلًا عَظِيْمًا ۞ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ ج وَ خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا ۞﴾ (۱)

اللہ چاہتا ہے کہ کھول کر بیان کر دے تمہارے لئے (اپنے احکام) اور تمہیں چلائے ان (نیک) لوگوں کی راہوں پر جو تم سے پہلے ہوئے اور تم پر رجوع برحمت ہو اور اللہ بہت جاننے والا بڑی حکمت والا ہے۔

اور اللہ چاہتا ہے کہ تم پر اپنی رحمت کے ساتھ رجوع فرمائے اور ارادہ کرتے ہیں وہ لوگ جو اپنی خواہشات کی پیروی کر رہے ہیں کہ تم (سیدھی راہ سے) منہ پھیر کر بہت دور ہو جاؤ

اللہ چاہتا ہے کہ تم سے بوجھ ہلکا کر دے اور پیدا کیا گیا انسان کمزور۔

﴿ ......مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۞﴾ (۲)

اللہ نہیں چاہتا کہ تم پر کوئی تنگی کرے لیکن اللہ چاہتا ہے کہ تمہیں خوب پاک کر دے اور تم پر اپنی نعمت کو پورا کر دے تا کہ تم شکر کرو۔

﴿ ......اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَ يُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ۞﴾ (۳)

اللہ یہی ارادہ فرماتا ہے کہ اے رسول کے گھر والو تم سے ہر قسم کی ناپاکی کو دور فرما دے اور تمہیں اچھی طرح پاک کر کے خوب پاکیزہ کر دے۔

---

(۱) [النساء ٤: ٢٨-٢٧-٢٦] (۲) [المائدہ ٥: ٦]

(۳) [الاحزاب ٣٣: ٣٣]

وَ رُؤْيَةُ اللّٰهِ تَعَالٰى جَائِزَةٌ فِي الْعَقْلِ وَ وَاجِبَةٌ بِالنَّقْلِ

اور اللہ کا دیدار جائز ہے عقل (۱) کے نزدیک ثابت ہے نقل (۲) سے۔

دیدار خداوندی

شرح: (۱) عقل میں جائز ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جب عقل، وہم اور دیگر شواغل سے فارغ اور خالی ہو جائے تو وہ امتناع رؤیت پر حکم نہیں دے گا تا آنکہ کوئی دلیل رؤیت باری کے ممتنع ہونے پر قائم نہ رہ سکے باوجودیکہ اصل تو عدم ہی ہے اور یہ بات بدیہی ہے کسی دلیل یا برہان کی محتاج نہیں جو رؤیت کو ممتنع قرار دے اس کو دلیل لانی چاہیے۔ (۱)

دیدار الٰہی عقلاً جائز کہنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے صاحب نبراس فرماتے ہیں:

اِنَّمَا احْتِيْجَ اِلٰى بَيَانِ جَوَازِهَا عَقْلًا لِيَجُوْزَ الْاِسْتِدْلَالُ بِالنُّصُوْصِ عَلٰى وُقُوْعِ الرُّؤْيَةِ وَ ذٰلِكَ لِاَنَّ النُّصُوْصَ النَّاطِقَةَ بِمَا يَسْتَحِيْلُهُ الْعَقْلُ مُؤَوَّلَةٌ غَيْرُ مَحْمُوْلَةٍ عَلٰى ظَاهِرِهَا. (۲)

دیدار الٰہی کے عقلاً جواز کے بیان کی ضرورت ہے تا کہ وقوع رؤیت پر ان نصوص کے ساتھ استدلال جائز ہو جائے یہ اس لئے کہ نصوص جو اس پر ناطق ہیں جسے عقل محال رکھے مؤول ہیں اپنے ظاہر پر محمول نہیں ہیں۔

(۲) یعنی رؤیت باری تعالیٰ نقل سے ثابت ہے کہ انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام نے دیدار خداوندی کا ہونا بیان فرمایا ہے اور یہاں واجبۃ بمعنی ای ثابتۃ واقعۃ ہے۔

---

(۱) شرح العقائد النسفیہ ۷۱) (۲) (النبراس ۲۴۸)

قَدْوَرَدَ الدَّلِيْلُ السَّمْعِيُّ بِاِيْجَابِ رُؤْيَةِ الْمُؤْمِنِيْنَ اللّٰهَ تَعَالٰى فِيْ دَارِ الْاٰخِرَةِ.

اور بیشک دار آخرت میں ایمان داروں کے لئے اللہ تعالیٰ کے دیدار کے اثبات کے بارے میں دلیل سمعی (نقلی) وارد ہوئی ہے۔(۱)

شرح: یعنی قرآن وحدیث اور اجماع سے یہ ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار ایمانداروں کو آخرت کے گھر میں ضرور ہوگا۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۞ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۞﴾ (۱)

کتنے ہی چہرے اس دن تروتازہ ہوں گے۔ اپنے رب کو دیکھتے ہوں گے۔

﴿كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ ۞﴾ (۲)

حق یہ ہے کہ بے شک وہ اس دن اپنے رب کے دیدار سے محروم ہوں گے۔ (جیسا کہ دنیا میں وہ اس کی توحید سے محروم رہے۔

﴿لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَ زِيَادَةٌ ط......﴾ (۳)

جن لوگوں نے نیک کام کئے ان کے لئے اچھی جزا ہے اور اس سے بھی زیادہ۔

یہاں زِيَادَةٌ سے مراد دیدار خداوندی ہے۔

حضرت جریر بن عبداللہ ﷺ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّكُمْ كَمَا تَرَوْنَ هٰذَا الْقَمَرَ لَا تُضَامُّوْنَ فِيْ رُؤْيَتِهٖ.(٤)

(۱) [القیامه ۷۵:۲۳ - ۲۲] (۲) [المطففین ۸۳:۱۵]

(۳) [یونس ۱۰:۲۶] (٤) تخریج اگلے صفحه پر

بے شک تم عنقریب اپنے رب کو دیکھو گے جیسے تم اس چاند کو دیکھتے ہو اور تم کوئی رکاوٹ اور پریشانی محسوس نہیں کرو گے۔

نیز رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم اپنے رب کو کھلی آنکھوں سے دیکھو گے۔

ارشاد الٰہی ہے:

﴿لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ز وَ هُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ج......﴾ [الانعام ٦:١٠٣]

نگاہیں اس کا احاطہ نہیں کر سکتیں اور وہ احاطہ کئے ہوئے ہے سب نگاہوں کا۔

اس آیت میں ادراک واحاطہ کی نفی سے رؤیت کا اثبات ہے۔ ادراک اور احاطہ اس چیز کا ہوتا ہے جو محدود اور کسی جہت میں ہو اور اللہ تعالیٰ جہت ومکان سے پاک ہے اس آیت میں ادراک احاطہ کی نفی ہے نہ کہ رؤیت باری تعالیٰ کی۔ **فافهم**

امام ابوجعفر طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

(٤) البخاری، کتاب مواقیت الصلوة، باب فضل صلاة العصر ح:٥٥٤

المسلم، کتاب المساجد و مواضع الصلوة، باب فضل صلاتی الصبح والعصر ح٦٣٣

ابو داود، کتاب السنة باب فی الرؤیة ح:٤٧١٤

الترمذی، ابواب صفة الجنة، باب ما جاء فی رؤیة الرب ح: ٢٦٧٥

ابن ماجة، المقدمة، باب فیما انکرت الجهمیة ح:١٧٧،١٧٨،١٧٩

مسند احمد، ٤:٤٤٠ ح:١٩٢١٣

الشریعة للامام الاجری، ٢٣١ ـ الطبرانی، ٢:١٠٠ تا ١٠٣

باب بیان کفر الجهمیة الضلال ح ٢١٨٠ تا ٢١٩٠

ابن منده فی الایمان ٧٩١،٧٩٢،٧٩٣،٧٩٤ ـ ابن خزیمة فی التوحید ص ١٦٨،١٦٩

اللالکائی ٨٢٥،٨٢٦،٨٢٧ ـ الحمیدی ٧٩٩ ـ

ابن ابی عاصم فی السنة ٤٤٣،٤٤٤،٤٤٥

وَالرُّؤْيَةُ حَقٌّ لِاَهْلِ الْجَنَّةِ ، بِغَيْرِ اِحَاطَةٍ وَ لَا كَيْفِيَّةٍ كَمَا نَطَقَ بِهٖ كِتَابُ رَبِّنَا ﴿وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۞ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۞﴾ [القیامه۷۵:۲۳-۲۲]

اور دیدار الٰہی جنتیوں کے لئے حق ہے بغیر احاطہ اور بغیر کیفیت کے جیسے کہ ہمارے رب کی کتاب اس پر ناطق ہے۔ کتنے ہی چہرے اس دن تروتازہ ہوں گے۔ اپنے رب کو دیکھتے ہوں گے۔ (العقیدۃ الطحاویة ۷)

يَرَاهُ الْمُؤْمِنُوْنَ بِغَيْرِ كَيْفٍ   وَ اِدْرَاكٍ وَّ ضَرْبٍ مِّنْ مَّثَالٍ

مومن اس کا دیدار بغیر کیفیت کریں گے اور بغیر ادراک اور مثال دینے کے۔

مومن خدا کو دیکھیں گے جنت میں خوش خصال
بے کیف و بے جہت بے شبہ و بے مثال

میدان حشر میں دیدار الٰہی:

آخرت میں رؤیت خداوندی کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) رؤیت عامہ (۲) رؤیت خاصہ۔

رؤیت عامہ یہ ہے کہ قیامت کے دن میدان حشر میں اللہ تعالیٰ کا دیدار سب کو ہوگا۔

علامہ شیخ ضیاء الدین خالد کردی فرماتے ہیں:

وَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِى الْحَشْرِ سَوْفَ تَجَلّٰى لِلْكَافِرِيْنَ وَالْمُسْلِمِيْنَ الْعُصَاةِ بِصِفَةِ الْجَلَالِ وَالْقَهْرِ وَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ بِصِفَةِ اللُّطْفِ وَالْجَلَالِ. (الاسلام والایمان ۲۰)

اور قیامت کے دن محشر میں اللہ تعالیٰ کفار اور گنہگار مسلمانوں کے لئے جلال اور قہر والی صفت کے ساتھ تجلی فرمائے گا اور مؤمنین کاملین کے لئے لطف وجلال سے دیدار ہوگا۔

میدان حشر میں رؤیت عامہ کا ثبوت صحیحین کی حدیث سے بھی ثابت ہے جو کہ

مشکوۃ باب الحساب والقصاص والمیزان میں درج ہے۔

حکیم الامت مفتی احمد یار خان علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ دیدار خداوندی قیامت میں بھی ہوگا اور جنت میں بھی۔ قیامت کو تو ہر کافر و مومن دیکھے گا۔ مگر کافر کو دیدار، غضب وقہر والا ہوگا۔ (مراۃ ۷:۳۸۹)

صاحب رسالہ ایمان کامل لکھتے ہیں:

ورنہ در وقت حساب وداد گاہ   ہر کسے بینند چہ مومن چہ تباہ
مومنش بینند باوصاف کمال   کافرش بینند باوصاف جلال

يَرَاهُ الْمُؤْمِنُ وَالْكَافِرُ وَالْبَارُّ وَالْفَاجِرُ ثُمَّ يَحْجِبُ الْكَافِرُوْنَ فَلَا يَرَوْنَهُ تَعَالٰى بَعْدَ ذٰلِكَ. (شرح عقیدۃ الواسطیه)

کہ حق تعالیٰ کو (میدان حشر میں) مومن، کافر، نیک وبد سب ہی دیکھیں گے پھر کافر پس پردہ ہو جائیں گے اور اس کے بعد کافر اللہ تعالیٰ کا دیدار نہیں کر سکیں گے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ النَّظْرَ اِلٰى وَجْهِكَ الْكَرِيْمِ.

اے اللہ بے شک میں تیری ذات کریم کے دیدار کا سوال کرتا ہوں۔

جنت میں دیدار الٰہی:

رؤیت خاصہ سے مراد جنت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار ہے کیونکہ یہ دیدار صرف اہل ایمان کو ہی حاصل ہوگا۔ کفار وغیرہ اس دیدار خاص سے محروم ہوں گے۔ وہ جنت میں نہیں جائیں گے کیونکہ ان کے پاس دولت ایمانی نہیں ہوگی اور جنت تو اہل ایمان کے لئے ہے۔

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے کفار کی محرومیت کا ذکر سورہ مطففین میں فرمایا ہے:

﴿كَلَّا اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ ۞﴾ [المطففین۸۳:۱۵]

حق یہ ہے کہ بے شک وہ اس دن اپنے رب کے دیدار سے محروم ہوں گے۔

اس آیت میں کافر مراد ہیں کہ وہ جنت میں دیدار خداوندی سے پس پردہ ہوں گے یہ بھی ان کے لئے بڑی سزا ہے۔ جنت میں ایمانداروں کے لئے بڑی نعمت دیدار خداوندی ہے اور دیدار محبوب حقیقی سے بڑھ کر اور کون سی نعمت ہوسکتی ہے۔ محبوب حقیقی کے دیدار میں جو لذت ہے وہ جنت کی کسی نعمت میں نہیں ہوگی اس لئے کہ محبّ کے نزدیک اصلی مقصد دیدار محبوب حقیقی ہے۔

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

جب تمام جنتی جنت میں جائیں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا اس سے زیادہ کچھ اور تم مجھ سے چاہتے ہو؟

جنتی عرض کریں گے:- کیا تو نے ہمارے چہروں کو روشن و منور نہیں کیا، کیا تو نے ہمیں جنت میں داخل نہیں کیا، کیا تو نے ہمیں دوزخ کی آگ سے نجات نہیں دی۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تب حجاب اٹھا دیا جائے گا اور جنتی ذات حق کی طرف دیکھیں گے اور اس وقت معلوم ہوگا کہ اہل جنت کو ایسی کوئی نعمت عطا نہیں ہوئی جو رب کریم کی طرف دیکھنے سے زیادہ بہتر و پسندیدہ ہو۔

پھر رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَ زِيَادَةٌ ط...... ﴾ [یونس ۱۰:۲۶]

جن لوگوں نے نیک کام کئے ان کے لئے اچھی جزا ہے اور اس سے بھی زیادہ۔

یعنی جنت اور مزید برآں دیدار خداوندی نصیب ہوگا۔

سورہ کہف میں ارشاد ربانی ہے:-

﴿ ......فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّ لَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ۞ ﴾ [الکہف ۱۹:۱۱۰]

تو جو اپنے رب کے حضور حاضری کی امید رکھتا ہو اسے چاہیئے کہ نیک عمل کرتا رہے اور اپنے رب کی عبادت میں (ہرگز) کسی کو شریک نہ کرے۔

لہذا سب سے بڑی نعمت دیدار الٰہی ہے مگر اس کے حصول کی خاطر خالص نیک عمل کرنے چاہیئے۔ جب جنتی دیدار خدا کریں گے تو سب نعمتیں بھول جائیں گے کیونکہ یہی تو بڑی نعمت ہے لذت دیدار محبوب کسی محبّ اور عاشق سے پوچھیئے۔ کسی نے کیا خوب کہا:

ہر کس بہ بہشت آرزوئے دارد
عاشق بجز ازیں دیدار نہ دارد

ہر شخص جنت میں کوئی آرزو رکھے گا مگر عاشق کی آرزو سوائے دیدار کے کچھ نہ ہوگی

بجز دیدار روئے تو نباشد در جہاں کامم
بجز در حلقہ زلفت نخواہم جائے آرامم

تیرے دیدار کے سوا میرا دنیا میں کوئی کام نہیں ہے تیری زلف کے علاوہ میں آرام کی کوئی جگہ نہیں چاہتا ہوں۔

کسی اُردو شاعر نے کیا خوب کہا:

جنت و دوزخ کو یارب کیا کروں
آرزو ہے میں تجھے دیکھا کروں

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ النَّظَرَ اِلٰى وَجْهِكَ الْكَرِيْمِ (آمِيْن)

یااللہ مجھے اپنے دیدار بے مثل کا شوق عطا فرما، فانی و عارضی چیزوں کے دیکھنے سے

بچنے کی توفیق عطا فرما۔ یا اللہ حصول دیدار کے اسباب مہیا کرنے کی سعادت نصیب فرما۔ یا اللہ جو تیرے دیدار میں لذت وسرور ہے وہ دنیا کی کسی چیز میں نہیں ہے۔ تیرا جمال وکمال باقی ہے اہل دنیا کے حسن وجمال فانی ہیں۔ یا اللہ مجھے فانی چیزوں کی خوبصورتی نے فریفتہ کر رکھا ہے یہ فریفتگی اپنے دیدار کی نصیب فرما۔ یا اللہ اپنے وجہ کریم کے دیدار کے شوق سے میری آنکھوں کو روشن فرما دے یا اللہ مجھے وہ دعا کرنے کی توفیق دے جو تیرے ہاں مقبول ومنظور ہو۔ یا اللہ اپنی ذات وصفات کے وسیلہ سے شوق دیدار عطا کر کے میرے غموں کو دور فرما۔ یا اللہ میں غمزدہ ہوں گناہوں کی وجہ سے شرمندہ ہوں۔ اپنے دیدار کا ذوق نصیب فرما کر سارے غم دور فرما اور گناہ معاف فرما دے۔ (آمین)

يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ يَا ذَاالْجَلَالِ وَالْاِ كْرَامِ اَسْئَلُكَ اَنْ تُحْيِيَ قَلْبِيْ بِنُوْرِ مَعْرِفَتِكَ اَبَدًا يَا اَللّٰهُ يَا اَللّٰهُ يَا اَللّٰهُ يَا بَدِيْعَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ.

(البريقة شرح الطريقة ١: ٢٢٧)

اے خود زندہ، اے دوسروں کو قائم رکھنے والے، اے بزرگی اور عزت والے! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ تو میرے دل کو اپنی معرفت کے نور سے ہمیشہ زندہ رکھ۔ اے اللہ! اے اللہ! اے اللہ! اے آسمانوں اور زمینوں کو بغیر مثال کے پیدا فرمانے والے!

دنیا میں دیدار خداوندی ممکن ہے:

مگر ہو نہیں سکتا کیونکہ اس کے دیدار کرنے کی طاقت اس دنیاوی آنکھ میں نہیں ہے کیونکہ آنکھ فانی ہے اور ذات باری تعالیٰ باقی ہے اور اس کے رسول ﷺ نے خبر دی ہے کہ دیدار قیامت کے دن ہوگا اور دنیا میں نہ تو دیدار کا وعدہ کیا گیا ہے اور نہ اس کی خبر دی گئی ہے۔ بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو طلب دیدار پر لَنْ تَرَانِیْ فرمایا تم ہرگز نہیں دیکھ سکو گے۔ معلوم ہوا

کہ دنیا میں دیدار ممکن ہے اسی لئے موسیٰ علیہ السلام نے دیدار کا سوال کیا تھا اگر ناممکن ہوتا تو وہ کبھی سوال نہ کرتے۔ اسی لئے مصنف علیہ الرحمہ نے فِیْ دَارِ الْاٰخِرَۃِ (آخرت کے گھر میں) فرمایا ہے۔ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ نہیں فرمایا۔ اور آخرت سے مراد موت کے بعد کے تمام حالات وواقعات ہیں کہ دار آخرت دار دنیا کے سواء ہے اور دار آخرت ان تمام احوال کو شامل ہے جو مرنے کے بعد پیش آتے ہیں اور وہ تین مواطن ہیں۔ عالم قبر (برزخ) عالم حشر اور عالم قرار جنت یا دوزخ یہ تینوں مواطن موت کے بعد پیش آتے ہیں۔

اور حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم اپنے رب کو ہرگز نہ دیکھ سکو گے یہاں تک کہ تم مرجاؤ۔ تو موت دنیا میں دیدار کی نفی کی غایت ہے جب موت آجائے گی تو دنیا میں رؤیت ممنوعہ کی نفی کے لئے انتہا ہو جائے گی اور دنیا کا حکم ختم ہو جائے گا اور آخرت کا حکم آئے گا۔ اور بعض مردوں پر اللہ احسان فرماتا ہے کہ ان کو موت کے وقت دیدار ہو جاتا ہے، بعض کو عالم برزخ میں دیدار سے نوازا جاتا ہے، بعض مرنے کے بعد قیامت تک دیدار نہیں کر سکتے، بعض جنت میں داخل ہونے کے بعد دیدار کریں گے اور بعض ہمیشہ نہیں دیکھیں گے جیسے کافر ہیں۔ (حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ)

علامہ ابو سعید خادمی قونوی متوفی ۱۱۷۶ھ دار آخرت کی شرح میں لکھتے ہیں:

ثُمَّ الرُّؤْيَةُ بِالْاٰخِرَةِ لَيْسَتْ مُخْتَصَّةً بِالْجَنَّةِ بَلْ فِي الْعَرَصَاتِ اَيْضًا كَمَا فِيْ تَذْكِرَةِ الْقُرْطُبِيِّ وَ قِيْلَ بَلْ فِي الْقَبْرِ وَ عِنْدَ نَزْعِ الرُّوْحِ ......

(البريقه شرح الطريقه ١: ٢٢٨، ٢٢٧)

پھر آخرت میں رؤیت باری تعالیٰ جنت میں خاص نہیں ہے بلکہ میدان قیامت میں بھی ہوگی جیسا کہ "تذکرہ قرطبی" میں ہے اور کہا گیا ہے بلکہ قبر میں اور روح نکلتے وقت بھی ہوگی۔

دنیا میں دعویٰ دیدار کفر ہے:

دنیا میں سر کی آنکھوں کے ساتھ دیدار خداوندی نبیوں کے سواء کسی اور کو ہرگز نہیں ہو سکتا اور انبیاء کرام کے سوا جو دنیا میں اللہ تعالیٰ کو آنکھ سے دیکھنے کا دعویٰ کرے وہ جھوٹا ہے۔

حضرت مفتی احمد یار خان رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

جو شخص دعویٰ ولایت کرتے ہوئے کہے کہ میں نے خدا تعالیٰ کو آنکھوں سے دیکھا ہے یا دیکھتا ہوں وہ کافر ہے کہ اپنے کو وہ نبیوں سے افضل کہتا ہے۔(مراة ٧:٥١٦)

اردبیلی نے کتاب ''انوار'' میں کہا ہے:

وَمَنْ قَالَ فِی الدُّنْیَا یَرَاہُ بِعَیْنِہٖ

فَذٰلِکَ زِنْدِیْقٌ طَغٰی وَتَمَرَّدَا

(تکمیل الایمان ٢٦)

یعنی جو شخص آنکھوں سے رؤیت الٰہیہ کا معتقد ہے پس وہ زندیق، گمراہ اور سرکش ہے۔یعنی کتاب اللہ اور رسول ﷺ کا کلیۃً مخالف ہے ہم اللہ تعالیٰ سے عافیت چاہتے ہیں۔

محدث شہیر حضرت علامہ علی قاری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

اِنَّ رُؤْیَۃَ الْعَیَانِ مُتَعَذِّرَۃٌ فِیْ ھٰذِہِ الدَّارِ لِاَنَّھَا دَارُ الْفَنَاءِ وَالْاٰخِرَۃُ ھِیَ دَارُ الْبَقَاءِ وَالْحَاصِلُ اَنَّ الْاُمَّۃَ قَدِ اتَّفَقَتْ عَلٰی اَنَّہٗ تَعَالٰی لَا یَرَاہُ اَحَدٌ فِی الدُّنْیَا بِعَیْنِہٖ وَلَمْ یَتَنَازَعُوْا فِیْ ذٰلِکَ اِلَّا لِنَبِیِّنَا ﷺ حَالَ عُرُوْجِہٖ عَلٰی صَرَّحَ بِہٖ فِیْ شَرْحِ عَقِیْدَۃِ الطَّحَاوِیَّۃِ. (شرح فقہ اکبر)

بے شک اس دنیا میں آنکھوں سے دیکھنا اللہ تعالیٰ کا مشکل ہے کیونکہ یہ دنیا فنا کا گھر ہے اور آخرت باقی رہنے والا گھر ہے۔خلاصہ یہ کہ امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ دنیا میں

کوئی بھی اپنے سر کی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھ سکتا اور اس میں کسی کو کوئی اختلاف نہیں ہے۔ ہمارے نبی ﷺ کے سوا کہ ان کو شب معراج کے موقعہ پر دیدار ہوا ہے جیسا کہ شرح عقیدہ طحاویہ میں تصریح کی گئی ہے۔

راقم السطور عرض کرتا ہے کہ دنیا میں نبی کریم ﷺ کو دیدار خداوندی ہوا ہے اور یہ آپ کی خصوصیات میں سے ہے کسی اور کے لئے جائز نہیں سمجھا گیا۔واللہ اعلم بالصواب

خواب میں رؤیت:

اور خواب میں اللہ تعالیٰ کی رؤیت کے بارے میں اختلاف ہے۔

وَفِی الْخُلَاصَۃِ وَفِی الْبَزَّازِیِّ جَوَّزَھَا رُکْنُ الْاِسْلَامِ الصَّفَّار وَاَکْثَرُ الْمُتَصَوِّفَۃِ وَلَمْ یُجَوِّزْھَا اَکْثَرُ مَشَایِخِ سَمَرْقَنْد وَمُحَقِّقِیْ بُخَارٰی حَتّٰی قَالَ اَبُوْ مَنْصُوْرٍ مُدَّعِیْھَا اَشَرُّ مِنْ عَابِدِ الْوَثَنِ اِذِ الْمَرْئِیُّ خَیَالٌ وَمِثَالٌ یَجِبُ تَنْزِیْھُہٗ تَعَالٰی عَنْہُ لٰکِنْ اَوَّلَ بَعْضُھُمْ فَجَعَلُوا الْقَوْلَیْنِ مُتَّحِدَیْنِ کَمَا سَبَقَ الْاِشَارَۃُ.

(البریقة شرح الطریقة ١:٢٢٧)

خلاصہ اور بزازی میں ہے کہ رکن الاسلام الصفار اور اکثر متصوفہ حضرات نے اسے (نزدیک بحالت نیند دیدار خداوندی) جائز رکھا ہے۔اور سمرقند کے اکثر مشائخ اور بخارا کے محققین کے نزدیک جائز نہیں ہے۔یہاں تک کہ امام ابو منصور نے فرمایا کہ بحالت نیند دیدار خداوندی کا دعویٰ کرنے والا بت پوجنے والے سے بھی بُرا ہے کیونکہ دیکھی ہوئی چیز ایک خیال و مثال ہے تو ان باتوں سے اللہ تعالیٰ کا تنزیہہ (پاک ہونا) ضروری و واجب ہے۔لیکن بعض حضرات نے ان کی مراد کی تاویل کی ہے اور دونوں قولوں کو ایک ہی قرار دیا ہے جیسا کہ اشارۃً پہلے گزرا۔

یعنی جو حضرات یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار خواب میں بحالت نیند جائز ہے ان کی مراد حقیقتاً رویت باری تعالیٰ نہیں ہے بلکہ ایک قسم کا دلی مشاہدہ ہے نہ کہ آنکھ سے دیکھنا اور جن مشائخ و محققین نے خواب میں دیدار خداوندی کو ناجائز قرار دیا ہے۔اس سے مراد حقیقتاً خواب میں اللہ تعالیٰ کو دیکھنا ہے اس لحاظ سے عدم مجوزین کے قول کی تاویل کی روشنی میں ایک ہی مراد ہے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب**

شرح عقائد کے بعض حواشی میں محمد بن علی ترمذی علیہ الرحمتہ سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا میں نے اپنے رب کو ایک ہزار مرتبہ خواب میں دیکھا ہے میں نے عرض کیا کہ میں ایمان کے زوال (ضائع) ہونے سے ڈرتا ہوں تو مجھے فجر کی سنتوں اور فرضوں کے درمیان ہر بار یہ تسبیح پڑھنے کا حکم دیا۔

یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ یَا ذَاالْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ اَسْأَلُکَ اَنْ تُحْیِیَ قَلْبِیْ بِنُوْرِ مَعْرِفَتِکَ اَبَدًا یَا اَللّٰہُ یَا اَللّٰہُ یَا اَللّٰہُ یَا بَدِیْعَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ.

(البریقة شرح الطریقة ۱:۲۲۷)

حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے سو مرتبہ خواب میں اللہ تعالیٰ کی زیارت کی ہے۔اسی طرح امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے بھی منقول ہے کہ وہ فرماتے تھے میں نے خواب میں اللہ تعالیٰ کو دیکھا تو دریافت کیا کہ وہ کون سا عمل ہے جو آپ کو پسند ہے فرمایا تلاوت قرآن کریم۔ پھر پوچھا کہ معانی و مطالب سمجھنے کے ساتھ یا اس کے بغیر فرمایا خواہ معانی سمجھنے کے ساتھ تلاوت کرے یا اس کے بغیر۔ (مظاہر حق ۵:۲۲۸)

فَعَنِ الْاِمَامِ الْاَعْظَمِ اَنَّہٗ رَأَی مِائَۃَ مَرَّۃٍ. وَ قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ سِیْرِیْنَ التَّابِعِیُّ اِمَامُ الْمُعَبِّرِیْنَ مَنْ رَأَی اللّٰہَ سُبْحَانَہٗ فِیْ مَنَامِہٖ دَخَلَ الْجَنَّۃَ وَ تَخَلَّصَ مِنَ

الْغُمُوْمِ وَ عَنِ الْاِمَامِ اَحْمَدَ قَالَ رَأَیْتُ اللّٰہَ سُبْحَانَہٗ فِی الْمَنَامِ فَسَأَلْتُہٗ عَنْ اَفْضَلِ الْعِبَادَاتِ فَقَالَ: تِلَاوَۃُ الْقُرْاٰنِ وَ عَنْ حَمْزَۃَ الْقَارِیِّ اَنَّہٗ قَرَءَ الْقُرْاٰنَ فِیْ مَنَامِہٖ عَلَی اللّٰہِ سُبْحَانَہٗ مِنْ اَوَّلِہٖ اِلٰی آخِرِہٖ . (النبراس ۲۶۱-۲۶۰)

امام اعظم رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ آپ نے ایک سو مرتبہ اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا۔

اور حضرت امام المعبرین محمد بن سیرین تابعی رحمہ اللہ نے فرمایا جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو اپنی خواب میں دیکھے گا وہ جنت میں داخل ہوگا اور تمام غموں سے خلاصی پائے گا۔

امام احمد رحمہ اللہ سے روایت ہے فرمایا کہ میں نے خواب میں اللہ سبحانہ کی زیارت کی تو سب سے افضل عبادت کے متعلق پوچھا، ارشاد فرمایا: تلاوت قرآن حکیم۔

حضرت امام حمزہ قاری سے منقول ہے کہ انہوں نے خواب میں اللہ تعالیٰ کے سامنے قرآن مجید اول سے لے کر آخر تک پڑھا۔

ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ خواب میں اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوسکتا ہے مگر قرآن و حدیث میں جو آیا ہے وہ یہی ہے کہ دار آخرت میں ہی دیدار ہوگا۔ **واللہ اعلم بالصواب**

علامہ تفتازانی لکھتے ہیں:

وَ لَا خِفَاءَ فِیْ اَنَّھَا نَوْعُ مُشَاھَدَۃٍ یَکُوْنُ بِالْقَلْبِ دُوْنَ الْعَیْنِ.

(شرح العقائد النسفیة ۷۶)

اور اس میں کوئی پوشیدگی نہیں کہ بے شک خواب میں دیدار الٰہی ایک قسم کا مشاہدہ ہے جو دل سے ہوتا ہے نہ کہ آنکھ سے۔

لہٰذا قلبی مشاہدہ (خواب میں اللہ کو دیکھنا) محال نہیں ہوگا۔

علامہ سید یوسف حسینی راجا رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

دیدن خدا درخواب ہم باشدروا اندرشرع

محکی است از جملہ سلف صدلک دریں وارداثر

(تحفہ نصائح ۱۱)

اللہ تعالیٰ کوخواب میں دیکھنا شریعت میں جائز ہے۔ پہلے تمام بزرگوں سے حکایت کی گئی ہے اس بارہ میں لاکھوں اثر وارد ہوئے ہیں۔

بعض حضرات نے خواب میں دیدار خداوندی کے اثبات میں اس حدیث سے استدلال کیا ہے جو حضرت عبدالرحمٰن بن عائش ﷛ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

رَأَيْتُ رَبِّيْ عَزَّ وَجَلَّ فِيْ اَحْسَنِ صُوْرَةٍ ...... (۱)

کہ میں نے اپنے پروردگار بزرگ و برتر کو (خواب میں) بہت اچھی صورت (صفت) میں دیکھا۔

اس حدیث کے دو مفہوم بیان کئے گئے ہیں۔ایک یہ کہ آپ نے خواب میں اپنے رب کو دیکھا اور دوسرا مفہوم یہ لیا گیا ہے کہ عالم بیداری میں دیکھا۔تو مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو اچھی صفت جمال وکمال میں دیکھا جو اس کی شان کے لائق ہے۔

ایک معنی کے لحاظ سے خواب میں دیدار خداوندی ثابت ہوا اور جو دیدار خداوندی خواب میں حاصل ہوتا ہے وہ اس دیدار خداوندی سے مختلف ہے جو میدان حشر اور جنت میں ہوگا۔

---

(۱)الدارمی ، کتاب الرؤیا ، باب فی رؤیة الرب تعالی فی النوم ۲:۱۰۶ ح:۲۱۴۹

مشکوٰة ، باب المساجد فصل الثانی ۶۹،۷۰

در منثور ، سورة الانعام آیت ۷۵ تا ۷۹ ۳:۴۴

مجمع الزوائد ، ۱:۲۳۷ ـ ۷:۱۷۶ کنز العمال ، ۱:۱۲۶ ح:۱۱۴۷

اللالی المصنوعة ، ۱:۳۴ شرح السنة البغوی ، ۴:۳۵

فَيُرٰى لَا فِيْ مَكَانٍ وَ لَاعَلٰى جِهَةٍ مِّنْ مُّقَابَلَةٍ اَوِ اتِّصَالِ شُعَاعٍ اَوْ ثُبُوْتِ مَسَافَةٍ بَيْنَ الرَّائِيِّ وَبَيْنَ اللّٰهِ تَعَالٰى

پس اللہ تعالیٰ دکھائی دے گا(۱) آخرت کے گھر میں دراں حالیکہ نہ وہ مکان میں ہونے کے ساتھ متصف ہے اور نہ سامنے کی جہت میں ہونے کے ساتھ (۲) یا شعاع کے اتصال کے ساتھ متصف ہے(۳) اور نہ رائی (دیکھنے والے) اور اللہ تعالیٰ کے درمیان (۴) مسافت کا ثبوت ہے۔

دیدار خداوندی بے کیف ہوگا۔

شرح: (۱) جو آدمی آج اللہ تعالیٰ کو بے کیف جانتا ہے کل بروز قیامت اسے بے کیف دیکھے گا۔عالم آخرت حقیقت کے ظہور کا محل ہے جو کچھ آج پوشیدہ ہے کل کو ظاہر ہو جائے گا اور جو کچھ آج غیب ہے کل وہ حضور اور شہود ہو جائیگا اور چونکہ شارع علیہ ﷺ نے اس کی خبر دی ہے اس لئے اس پر اعتقاد رکھنا واجب ہے جس کی کیفیت خدا تعالیٰ کے بغیر اور کوئی نہیں جانتا۔

(۲) یعنی اللہ تعالیٰ کو کسی جگہ میں نہیں دیکھا جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ مکان سے پاک ہے۔ وَلَا يَتَمَكَّنُ فِيْ مَكَانٍ کہ وہ کسی مکان میں نہیں ٹھہرتا اور غائب کا حاضر پر قیاس کرنا فاسد ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا دیدار ایسا نہیں ہوگا جیسا کہ ہم اجسام اور اعراض کو مکانوں میں دیکھتے ہیں۔

(۳) کہ نہ کسی طرف پر آمنے سامنے دیکھا جائے گا کیونکہ وہ چھ طرفوں سے پاک ہے یا اس کے ساتھ شعاع بصری متصل ہوتی ہوں یعنی ہم نہ اس کو اوپر نہ نیچے نہ آگے اور نہ پیچھے دیکھیں گے کیونکہ جہت لوازم حوادث سے ہے اور مقابلہ کی نفی سے مراد یہ ہے جیسا کہ ہم اپنے آپ کو آئینہ میں دیکھتے ہیں جب کہ وہ ہمارے مقابل ہوتا ہے۔

(۴) یا کوئی مسافت دیکھنے والے اور خدا کے درمیان ثابت کی جائے۔یہ غائب کا قیاس حاضر پر کرنا ناجائز اور فاسد ہے تو اللہ تعالیٰ کا دیدار ان تمام شرطوں کے بغیر بلا کیف ہوگا

اور بغیر دوری اور نزدیکی کے ہوگا کہ جس طرح آج ہم دل کی آنکھوں سے دیکھتے ہیں اسی طرح کل بروز قیامت سر کی آنکھوں سے دیکھیں گے۔

علامہ تفتازانی منکرین رؤیت باری تعالیٰ کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

فَإِنَّ الرُّؤْيَةَ عِنْدَنَا بِخَلْقِ اللّٰهِ تَعَالٰى فَلَا تَجِبُ عِنْدَ اِجْتِمَاعِ الشَّرَائِطِ.

(شرح العقائد النسفية ٧٥)

تو بے شک رؤیت ہمارے نزدیک اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے سے حاصل ہوگی تو شرطوں کے جمع ہونے کے وقت واجب نہیں ہے۔

فَلِذَا جَوَّزَ الْمَشَائِخُ اَنْ يَّرٰى اَعْمٰى بِالصِّيْنِ بَقَّةً تَطِيْرُ بِاَنْدُلُسَ مِنَ الْمَغْرِبِ نَعَمْ اَلْعَادَةُ الْاِلٰهِيَّةُ جَارِيَةٌ بِخَلْقِ الرُّؤْيَةِ عِنْدَ تَحَقُّقِ الْاَسْبَابِ الْمَذْكُوْرَةِ وَ بِعَدَمِ خَلْقِهَا عِنْدَ اِنْتِفَائِهَا وَ يَجُوْزُ اَنْ يَّخْرِقَهَا لِمَنْ شَاءَ فَاِنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَرٰى خَلْفَهُ كَمَا يَرٰى اَمَامَهُ بِلَا مُقَابَلَةِ الْمَرْئِيِّ. (النبراس ٢٥٧)

اسی وجہ سے مشائخ نے جائز رکھا ہے کہ اندھا چین میں بیٹھ کر دیکھ سکتا ہے کہ ایک مچھر اندلس میں اڑ رہا ہے ہاں عادۃ اللہ جاری ہے کہ اسباب مذکورہ کے متحقق ہونے کے وقت رؤیت پیدا کرتا ہے اور بوقت منتفی ہونے اسباب کے رؤیت کو پیدا نہیں کرتا ہے اور جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ خرق عادت کرے جس کے لئے چاہے کیونکہ نبی ﷺ اپنے پیچھے دیکھتے تھے جیسا کہ سامنے دیکھتے تھے بدون مقابلہ مرئی کے۔ (یعنی دکھائی جانے والی چیز کے سامنے ہوئے بغیر)

رؤیت نباشد در مکان نے در جہت نے متصل
کیفے ندارد ایں سخن نے درک و نے مثل دگر

(تحفة نصائح ١١)

وَاللّٰهُ تَعَالٰى خَالِقٌ لِاَفْعَالِ الْعِبَادِ مِنَ الْكُفْرِ وَالْاِيْمَانِ وَالطَّاعَةِ وَالْعِصْيَانِ

اور اللہ تعالیٰ بندوں کے افعال کفر (۱) ایمان، اطاعت اور معصیت کا پیدا کرنے والا ہے۔

افعال عباد کا خالق اللہ ہے:

شرح: (۱) جب مصنف رحمہ اللہ باری تعالیٰ کی ذات اور صفات کی تفصیل سے فارغ ہوئے تو اب افعال عباد کی بحث شروع فرمائی۔ معتزلہ کا عقیدہ ہے کہ بندہ اپنے افعال کا خود خالق ہے لہذا یہ کہہ کر ان پر رد کیا کہ ہمارا مسلک یہ ہے کہ خالق اللہ تعالیٰ ہے اگر بندہ اپنے افعال کا خالق ہوتو وہ ضرور اپنے افعال کی تفاصیل کا عالم ہوگا کیونکہ کسی چیز کو پیدا کرنا تب ہوسکتا ہے کہ جب اس کے متعلق تمام تفاصیل پیدا کرنے والے کو معلوم ہوں حالانکہ یہاں ایسا نہیں (اور افعال تو کیا) کم از کم بندہ کا ایک جگہ (مثلاً مسجد) دوسری جگہ (مثلاً گھر) جانا کئی حرکات اور سکنات پر مشتمل ہے کوئی حرکت تیز اور کوئی آہستہ ان حالات کے متعلق اس کو علم نہیں کہ میں نے کتنی حرکت کی، کتنا سکون کیا وغیرہ اور یہ اس وجہ سے نہیں کہ وہ جانتا ہو مگر بھول گیا نہیں بلکہ اس کو پوچھا بھی جائے تب بھی نہیں بتا سکے گا یہ تو افعال ظاہریہ کا حال ہے اسی طرح افعال خفیہ ،قہر، چلنے میں پٹھوں کی حرکت وغیرہ۔ دیگر افعال سے اس کا جاہل ہونا اس سے بھی زیادہ ظاہر ہے پس اگر بندہ اپنے افعال کا خالق ہوتا تو ضرور علم رکھتا۔ اس کا جہل بتلاتا ہے کہ وہ خالق الافعال نہیں ہے۔

اس دلیل عقلی کے بعد نقلی دلائل سے فرقہ معتزلہ کا رد ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَ مَا تَعْمَلُوْنَ ۞﴾ [الصفت۳۷:۹۶]

حالانکہ تمہیں اور تمہارے سب کاموں کو اللہ ہی نے پیدا کیا۔

﴿ اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ ز...... ﴾ [الزمر۳۹:۶۲]

اللہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے۔

﴿ اَفَمَنْ یَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا یَخْلُقُ ط...... ﴾ [النحل۱۶:۱۷]

تو کیا جو پیدا کرے وہ اس کی طرح ہے جو (کچھ) پیدا نہ کر سکے۔

یعنی خالق اور غیر خالق برابر نہیں ہو سکتے۔ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ بندوں اور ان کے اعمال و افعال کا خالق ہے اسی طرح کفر و ایمان اور اطاعت کا پیدا کرنے والا ہے۔

سوال: معتزلہ کا استدلال اس آیت قرآنی سے ہے:

﴿...... فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِیْنَ ۞﴾ [المومنون۲۳:۱۴]

تو بڑی برکت والا ہے اللہ جو سب سے بہتر بنانے والا ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ خالق اللہ تعالیٰ کے سواء اور بھی ہیں مگر اللہ تعالیٰ ان سب سے بہتر ہے۔ دوسری آیات

﴿...... وَ اِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّیْنِ ...... ﴾ [المائدہ۵:۱۱۰]

اور جب تم بناتے تھے مٹی سے۔

یہ خطاب سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ہے جس سے معلوم ہوا کہ خالق اللہ تعالیٰ کے بغیر اور بھی ہو سکتے ہیں پس ثابت ہوا کہ بندہ اپنے افعال کا خالق ہے۔

جواب: یہاں خلق کا لغوی معنی مراد ہے جو تقدیر کے معنی میں ہے جس کا مطلب اندازہ کرنے کا آتا ہے لہذا یہ استدلال درست نہ ہوا۔

وَ هِیَ كُلُّهَا بِاِرَادَتِهٖ وَمَشِیَّتِهٖ وَحُكْمِهٖ وَقَضِیَّتِهٖ وَتَقْدِیْرِهٖ

اور بندوں کے اللہ تعالیٰ کے ارادہ اور اس کی مشیت کے سبب موجود ہیں۔ اس کے حکم، اس کی قضا اور اس کی تقدیر سے ہوتے ہیں۔

قضاء و قدر

شرح: تقدیر: اور یہ تمام کام اللہ تعالیٰ کے ارادہ اور اس کے چاہنے اور اس کے حکم اور فیصلہ تقدیر سے ہوتے ہیں اور پوری کائنات میں جو کچھ ہوتا ہے یا ہو رہا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر کے مطابق ہے۔

ارشاد خداوندی ہے۔

﴿ اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَیْئًا اَنْ یَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ۞﴾ [یٰس۳۶:۸۲]

اس کا حکم یہی ہے جب وہ کسی چیز کا ارادہ فرمائے تو اس سے کہے ہو جا تو وہ (فوراً) ہو جاتی ہے۔

﴿ وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكُوْا...... ﴾ [الانعام۶:۱۰۷]

اور اگر اللہ چاہتا تو وہ شرک نہ کرتے۔

﴿ وَ مَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ ط...... ﴾ [الدھر۷۶:۳۰]

اور تم نہیں چاہ سکتے جب تک اللہ نہ چاہے۔

﴿...... مَنْ یَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ج وَ مَنْ یُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِیًّا مُّرْشِدًا ۞﴾

[الکھف۱۸:۱۷]

جسے اللہ ہدایت دے وہی ہدایت یافتہ ہے اور جسے گمراہ کرے تو ہرگز اس کے لئے کوئی مددگار ہدایت کرنے والا تو نہ پائے گا۔

اورایمان کی صفتوں میں مسئلہ تقدیر کو یوں ذکر فرمایا گیا ہے۔

وَالْقَدْرِ خَیْرِهٖ وَ شَرِّهٖ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰی ۔

(میں ایمان لایا) تقدیر پر کہ اس کی اچھائی اور برائی اللہ کی طرف سے ہے۔ (یعنی پیدا کرنے والا ہے)

ایمان کی چھٹی شرط تقدیر اور قضاوقدر پر یقین رکھنا ہے اس کی اہمیت کو ظاہر کرنے کی خاطر رسول اللہ ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو فرمایا:

اَنْ تُؤْمِنَ بِالْقَدْرِ خَیْرِهٖ وَ شَرِّهٖ

کہ تو تقدیر کی اچھائی اور برائی پر ایمان لائے۔

تقدیر پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ خیر وشر کا پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے اور ساری دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے اس کے اندازہ اور تقدیر سے ہو رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآن مجید فرقان حمید میں ارشاد فرماتا ہے:

﴿ اِنَّا کُلَّ شَیْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ ۝ ﴾ [القمر ٥٤:٤٩]

بے شک ہم نے ہر چیز ایک (خاص) اندازہ پر بنائی۔

﴿اللّٰهُ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ ز......﴾ [الزمر ٣٩:٦٢]

اللہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے۔

﴿......هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَیْرُ اللّٰهِ......﴾ [فاطر ٣٥:٣]

کیا اللہ کے سوا کوئی اور خالق ہے؟ (نہیں)

لفظ شئی سے مراد ہر موجود چیز اس کی طرف سے ہے یعنی رنج وغم، راحت وآرام، اذیت تونگری وفقیری وغیرہ۔

﴿ قُلْ کُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ط......﴾ [النساء٤:٧٨]

فرمادیجئے سب اللہ کی طرف سے ہے۔

خیر وشر صحت وتندرستی اور بیماری سب اس کی پیدا کردہ ہے مگر ادب کا لحاظ کرتے ہوئے صرف شر کی نسبت خدا کی طرف نہ کرے بلکہ خیر کی کرے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿مَآ اَصَابَکَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ز وَ مَآ اَصَابَکَ مِنْ سَیِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِکَ ط......﴾ [النساء ٤:٧٩]

(اے مخاطب) تجھے جو بھلائی پہنچے وہ اللہ کی طرف سے ہے اور جو برائی تجھے پہنچے تو وہ تیرے (ہی) نفس (کی وجہ) سے ہے۔

امام ابوجعفر طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَ اَصْلُ الْقَدْرِ سِرُّ اللّٰهِ تَعَالٰی فِیْ خَلْقِهٖ ، لَمْ یَطَّلِعْ عَلٰی ذٰلِکَ مَلَکٌ مُقَرَّبٌ وَ لَا نَبِیٌّ مُرْسَلٌ وَالتَّعَمُّقُ وَالنَّظْرُ فِیْ ذٰلِکَ ذَرِیْعَةُ الْخُذْلَانِ وَ سُلَّمُ الْحِرْمَانِ وَ دَرَجَةُ الطُّغْیَانِ .(العقیده الطحاویه ٩)

اور تقدیر کی اصل یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا اس کی مخلوق میں ایک راز ہے اس راز پر نہ کوئی مقرب فرشتہ اور نہ کوئی نبی مرسل مطلع (خبردار) ہوا ہے اور اس میں زیادہ غور وفکر کرنا رسوائی ومحرومی کا ذریعہ اور سرکشی ہے۔

ارشاد باری ہے:

﴿لَا یُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَ هُمْ یُسْئَلُوْنَ ۝﴾ [الانبیاء ٢١:٢٣]

اللہ سے نہیں پوچھا جاسکتا ان کاموں کے متعلق جو وہ کرتا ہے اور ان سب سے

بازپرس کی جائے گی۔

﴿......وَ خَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا﴾ [الفرقان ۲۵: ۲]

اوراس نے ہر چیز کو پیدا کیا اور پھر اسے ایک مقرر کئے ہوئے اندازے پر رکھا۔

﴿......كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ﴾ [الرحمن ۵۵: ۲۹]

وہ ہر آن نئی شان میں ہے۔

﴿يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَ يُثْبِتُ ۚ وَ عِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتٰبِ﴾ [الرعد ۱۳: ۳۹]

اللہ مٹاتا ہے جو چاہے اور ثابت کرتا ہے (جو چاہے) اور اصل کتاب (لوح محفوظ) اسی کے پاس ہے۔

خیال رہے کہ مصنف رحمہ اللہ یہاں متعدد الفاظ مترادف المعنی لائے ہیں حالانکہ وہ ایک دوسرے سے مستغنی کرتے ہیں ان کے لانے کا فائدہ تاکید کرنا ہے۔ ارادہ اور مشیت دونوں کا ایک معنی ہے دونوں کے لانے کی وجہ یہ ہے کہ فرقہ کرامیہ صفت مشیت کو قدیم اور صفت ارادہ کو حادث کہتا ہے حالانکہ دونوں ہم معنی اور قدیم ہیں۔

خِلَافًا لِلْكَرَّامِيَّةِ زَعَمُوْا اَنَّ الْمَشِيَّةَ قَدِيْمَةٌ وَالْاِرَادَةَ حَادِثَةٌ. (۱)

حُكْمِهٖ: اوراس کے حکم سے بندوں کے فعل سرزد ہوتے ہیں ممکن ہے کہ حکم سے مراد خطاب تکوین ہو۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْئًا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ﴾ [یس ۳۶: ۸۲]

اس کا حکم یہی ہے جب وہ کسی چیز کا ارادہ فرمائے تو اس سے کہے ہوجا تو وہ (فوراً)

(۱) النبراس: ۲۶۷

ہوجاتی ہے۔

یعنی جب وہ کسی چیز کو موجود کرنے اور پیدا کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو حکم دیتا ہے اور اس کے حکم سے وہ شی پیدا ہوجاتی ہے۔

وَ قَضِيَّتِهٖ: اوراس کے فیصلہ وقضاء سے مراد فعل (کرنا) ہے کہ زیادہ مضبوطی کے ساتھ ہوں جو زوال کا احتمال نہ رکھے اور کسی میں اس کے بدلنے کی قوت نہ ہو اور حقیقت میں قضا تکوین ہے اور لفظ قضا کے متعدد معانی آتے ہیں۔

(۱) ارادہ کرنا

جیسے ارشاد خداوندی ہے:

﴿فَقَضٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ فِيْ يَوْمَيْنِ ......﴾ [الفصلت ۴۱: ۱۲]

توانہیں پورے سات آسمان بنادیا۔

(۲) لازم واجب کرنا

جیسے فرمان باری ہے:

﴿وَ قَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ......﴾ [بنی اسراء یل ۱۷: ۲۳]

اور آپ کے رب نے حکم فرمایا کہ (اے لوگو) اس (اللہ) کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو

(۳) ظاہر وآگاہ کرنا

﴿وَ قَضَيْنَآ اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ فِي الْكِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِي الْاَرْضِ مَرَّتَيْنِ......﴾

اور ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب میں قطعی بات بتادی کہ البتہ ضرور تم زمین میں دو بار فساد برپا کروگے۔

علامہ سعدالدین تفتازانی فرماتے ہیں:

لا يُقَالُ لَوْ كَانَ الْكُفْرُ بِقَضَاءِ اللّٰهِ تَعَالٰى لَوَجَبَ الرِّضَاءُ بِهٖ لِاَنَّ الرِّضَاءَ بِالْقَضَاءِ وَاجِبٌ وَّالَّلازِمُ بَاطِلٌ لِاَنَّ الرِّضَاءَ بِالْكُفْرِ كُفْرٌ لِاَنَّا نَقُوْلُ الْكُفْرُ مُقْضٰى لَا قَضَاءَ وَالرِّضَاءُ اِنَّمَا يَجِبُ بِالْقَضَاءِ دُوْنَ الْمُقْضٰى. (شرح العقائد النسفية ٨٠)

یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ اگر کفر بھی اللہ تعالیٰ کی قضاء سے ہے تو اس رضا واجب ہے کیونکہ کسی چیز کی قضا کے ساتھ رضا ضروری ہے اور لازم باطل ہے کیونکہ کفر پر راضی ہونا کفر ہے (مطلب یہ نکلا کہ بندوں کے افعال میں اللہ تعالیٰ کی قضاء نہیں ہے) ہم کہیں گے کفر قضاء شدہ ہے نہ کہ قضاء اور رضامندی تو صرف قضاء کے ساتھ واجب ہوتی ہے نہ کہ قضاء شدہ کے ساتھ۔

قضاء کفر اور چیز ہے اور رضاء کفر اور۔ دونوں میں فرق ہے کیونکہ قضاء تکوین ہے اور تکوین مکون سے جدا ہوتی ہے اور رضا صرف تکوین (پیدا کرنے) کے ساتھ ہے نہ مکون کے ساتھ) وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ

وَ تَقْدِيْرِهٖ: اس کے اندازہ کرنے سے ہوتا ہے اندازہ سے مراد ہر مخلوق کا تعین اس حد کے ساتھ کرنا جو اس کے حسن و قبح، نفع و ضرر، زمان و مکان اور اس سے ثمر مرتبہ ثواب و عذاب کو معین کرے۔ مصنف کا مقصد اس عبارت سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور ارادہ عام ہے کیونکہ وہاں جبر و اکراہ کو کسی طرح سے دخل نہیں ہے۔

امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ (العقيدة الطحاوية ١٧) میں فرماتے ہیں:

وَ كُلُّ شَيْءٍ يَجْرِيْ بِمَشِيْئَةِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَ عِلْمِهٖ وَ قَضَائِهٖ وَ قَدَرِهٖ.

اور ہر چیز چلتی ہے اللہ کے چاہنے، اس کے علم، اس کے فیصلے اور اس کے اندازہ کرنے سے۔

وَ لِلْعِبَادِ اَفْعَالٌ اِخْتِيَارِيَّةٌ يُثَابُوْنَ بِهَا وَيُعَاقَبُوْنَ عَلَيْهَا

اور بندوں کے لئے اختیار والے کام ہیں (۱) ثواب دیئے جاتے ہیں اور عذاب دیئے جاتے ہیں ان پر۔

بندوں کے اختیاری افعال

شرح: (۱) یعنی بندوں کو اللہ تعالیٰ نے اختیار دیا ہے کہ وہ اپنے ارادہ سے کام کریں۔ اگر اچھے کریں گے تو وہ مستحق ثواب ہیں اور اگر وہ گناہ و نافرمانی کریں گے تو لائق عذاب ہوں گے لہذا بندے پتھروں کی طرح مجبور نہیں ہیں جیسا کہ فرقہ جبریہ کا زعم ہے۔

اللہ تعالیٰ بندوں کے اختیارات کا ذکر یوں فرماتا ہے

﴿......فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّ مَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ......﴾ [الكهف١٨:٢٩]

تو جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے۔

﴿وَ هَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ۞﴾ [البلد٩٠:١٠]

اور ہم نے اسے (نیکی اور بدی) کے دونوں واضح راستے دکھا دیئے۔

اس کے لئے فائدہ ہے جو اس نے نیکی کی اور اس کے لئے نقصان ہے جس نے برائی کمائی۔

﴿......جَزَآءً بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۞﴾ [السجدة٣٢:١٧]

بدلہ اس کا جو وہ (نیک) کام کرتے تھے۔

﴿......فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ۞﴾ [المزمل٧٣:١٩]

تو جو چاہے اپنے رب کی طرف راستہ اختیار کرلے۔

ثواب و عقاب کا مدار بندہ کے اختیار پر ہے اس سے معلوم ہوا کہ کفر و ایمان اور دیگر

افعال کی نسبت بندوں کی طرف کی جاسکتی ہے جو کہ بندوں کے بااختیار ہونے کی دلیل ہے دلائل نقلیہ قطعیہ کے علاوہ دلائل عقلیہ سے بھی ثابت ہے کہ بندوں کو اختیار ہے۔

(۱) ہم قوت سے پکڑنے کی حرکت اور لرزنے کی حرکت میں فرق کرتے ہیں اور یہ بداہۃً ثابت ہے کہ پہلی حرکت تو بالاختیار ہے اور دوسری حرکت بلاقصد وارادہ کے ہے۔

(۲) نیز اگر بندوں کے لئے کسی کام کے کرنے کا اختیار نہ ہوتا تو ان کو مکلف کرنا صحیح نہ ہوتا اور نہ ان کے کاموں پر ثواب وعذاب مرتب ہوتا۔ ثواب وعذاب کا ترتب بندوں کے اختیار کی دلیل ہے۔

(۳) نیز افعال جو کہ اپنے ہونے سے پہلے بندوں کے ارادہ کو ضروری کرتے ہیں اس کی نسبت بندوں کی طرف درست نہ ہوتی اور وہ حقیقی معنی میں بندوں کے فعل شمار نہ ہوتے مثلاً کہا جاتا ہے کہ زید نے نماز پڑھی، روزہ رکھا اور خط لکھا یہ تمام کام ارادہ سابقہ کے محتاج ہیں اگر ارادہ نہ ہو تو لکھنا، روزہ رکھنا اور نماز پڑھنا کس طرح ہوسکتا ہے۔

حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ایں کہ فردا آں کنم یا ایں کنم ... ایں دلیل اختیار است اے صنم
جملہ قرآن امر و نہی است و وعید ... امر کردن سنگ مرمر را کہ دید

اور یہ بات بالبداہت ثابت ہے کہ بندہ کی قدرت کو بعض افعال میں پورا دخل ہے مثلاً حرکت بطش (پکڑنا) میں۔ بعض افعال میں اس کی قدرت اور طاقت کو ذرا بھی دخل نہیں جیسا کہ لرزنے والے کی حرکت۔ اسی مشکل سے نکلنے اور باسلامت بچنے کے لئے یہ راہ اختیار کر لی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ خالق ہے اور بندہ کاسب ہے کہ بندہ کا اپنے ارادہ اور طاقت کو کسی فعل کی طرف پھیرنا کسب ہے اور اللہ تعالیٰ کا اس فعل کو موجود فرما دینا اس ارادہ کے بعد

خلق ہے کسب اور خلق کے معنی میں چند طرح کا فرق کیا گیا ہے۔

(۱) کسب کا وقوع آلہ سے ہوا کرتا ہے (مثلاً ہاتھ وغیرہ سے) اور خلق کا واقع ہونا بلا آلہ۔

(۲) کسب ایسا مقدور ہے جو کہ اپنے قدرت کے محل میں واقع ہو اور خلق وہ جو کہ محل قدرت میں واقع نہ ہو۔

(۳) کسب میں قادر کا انفراد درست نہیں اور خلق میں درست ہے بلکہ کاسب اس کی خلق کا محتاج ہو جایا کرتا ہے۔ (۱)

سوال: جب سب اشیاء اسی کے پیدا کرنے سے پیدا ہوتی ہیں حتی کہ کفر اور ایمان طاعت اور عصیان تو پھر برائی بھلائی کہاں رہی؟

جواب: بھائی خلق اور شے ہے اور حکم اور شے، برائی بھلائی اشیاء کی اسی کے حکم سے ثابت ہوئی نہ خلق سے، پس بُری شے کا پیدا کرنا ہرگز برا نہیں۔ (۲)

---

(۱) شرح العقائد النسفية مختصراً ۸۲تا۸۴

(۲) توضیح العقائد

وَالْحَسَنُ مِنْهَا بِرَضَاءِ اللّٰهِ تَعَالٰی وَالْقَبِيْحُ مِنْهَا لَيْسَ بِرَضَائِهٖ

اور اچھے کام (۱) ان میں سے اللہ تعالیٰ کی رضا سے ہیں اور برے کام ان میں اس کی رضا سے نہیں ہیں۔

اللہ کی رضا اور ناراضی

شرح: (۱) یعنی بندوں کے افعال اختیار یہ وہ جو اچھے کام کریں اللہ کی رضامندی کے موافق ہوتے ہیں اور اچھے کام دنیا میں مستحق مدح وتعریف ہیں اور پس مرگ ثواب کے قابل ہوں۔

علامہ سعدالدین تفتازانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَ هُوَ مَا يَكُوْنُ مُتَعَلَّقَ الْمَدْحِ فِي الْعَاجِلِ وَالثَّوَابِ فِي الْاٰجِلِ. (۱)

اور قبیح وہ فعل ہے جو دنیا میں قابل مذمت و ملامت ہو اور آخرت میں عذاب کا سبب ہو۔ اللہ تعالیٰ خیر وشر، کفر ایمان کا خالق ہے مگر کفر سے راضی نہیں۔

چنانچہ ارشاد باری ہے:

﴿......وَ لَا يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ ج......﴾ [الزمر۳۹:۷]

اور وہ اپنے بندوں کے لئے کفر کو پسند نہیں کرتا۔

علامہ تفتازانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

يَعْنِي اَنَّ الْاِرَادَةَ وَالْمَشِيَّةَ وَالتَّقْدِيْرَ يَتَعَلَّقُ بِالْكُلِّ وَالرِّضَا وَالْمَحَبَّةُ وَالْاَمْرُ لَا يَتَعَلَّقُ اِلَّا بِالْحُسْنِ دُوْنَ الْقَبِيْحِ . (۲)

یعنی ارادہ، مشیت اور تقدیر ہر ایک کے ساتھ متعلق ہوتے ہیں اور رضا ومحبت اور امر ہر ایک حسن کے ساتھ متعلق ہے نہ کہ قبیح کے ساتھ۔

(۱) شرح العقائد النسفية :۸۶ (۲) شرح العقائد النسفية :۸۶

کیونکہ ارادہ ایک چیز ہے اور رضا دوسری چیز۔ اللہ تعالیٰ بندوں سے کفر کو پسند نہیں رکھتا کہ وہ کفر کریں شکر کو پسند کرتا ہے۔

﴿......وَ اِنْ تَشْكُرُوْا يَرْضَهُ لَكُمْ ط......﴾ [الزمر۳۹:۷]

اور اگر تم شکر کرو تو وہ اسے پسند فرماتا ہے تمہارے لئے۔

نیز اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَ اِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَ يَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ج......﴾ [النحل۱۶:۹۰]

بیشک اللہ حکم فرماتا ہے عدل کرنے اور نیکی کرنے کا اور قرابت والوں کو دینے کا اور منع فرماتا ہے بے حیائی اور برائی اور سرکشی سے۔

سوال: جب کہ صدور کفر بقضائے الٰہی اور رضا بکفر واجب ہے حالانکہ رضا بکفر کفر ہے۔

جواب: کفر اگرچہ قضاء سے صادر ہوتا ہے مگر یہ نہیں ہے کہ کفر اور قضاء ایک چیز ہیں چونکہ قضاء اللہ کا فعل ہے اس لئے اس سے رضا واجب ہے اور کفر چونکہ بندے کا فعل ہے اس لئے اس سے رضا متعلق نہیں ہے بلکہ وہ ناپسندیدہ ہے خواہش کرنا اور پیدا کرنا اور ہے اور راضی ہونا اور۔ رضا یہ ہے کہ حکم دے کہ کرو اور اکثر ہوتا ہے کہ حکم کرتا ہے اور نہیں چاہتا ہے کہ واقع ہو کسی مصلحت کی وجہ سے جس کو سوائے خدا تعالیٰ کے دوسرا نہیں جانتا جیسے بیمار دوائے تلخ اپنے ارادہ سے کھا لیتا ہے مگر رضا اس کی کڑوی دوا کھانے میں نہیں ہوتی اسی طرح اللہ تعالیٰ کی رضا اچھے کاموں کے واسطے ہوتی ہے برے کاموں کے واسطے نہیں۔

حسن وقبح عقلی ہے یا شرعی:

علماء ماتریدیہ کے نزدیک اشیاء میں حسن وقبح شرع سے نہیں آتا بلکہ یہ باتیں ان میں فی نفسہ موجود ہوتی ہیں عقل ان کا ادراک کر لیتی ہے ہاں شرع ان کو ظاہر کر دیتی ہے یعنی اشیاء کا حسن وقبح ذاتی ہے اور عقل اس کا ادراک کر سکتی ہے اور ان کے نزدیک اشیاء کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) وہ اشیاء جن کے حسن کا ادراک عقلِ انسانی کر سکتی ہے۔

(۲) وہ اشیاء جن کے حسن وقبح کا ادراک عقل کے ذریعہ نہیں بلکہ شارع سے معلوم کیا جاتا ہے۔

(۳) وہ اشیاء جن کی قباحت معلوم کرنا بنابر عقل ممکن ہے۔ (۱)

علماء اشعریہ کے نزدیک چیزوں میں حسن وقبح شرعی ہے۔

فَالْحَسَنُ مَاحَسَّنَهُ الشَّرْعُ وَالْقُبْحُ مَا قَبُحَ بِالشَّرْعِ.

پس اچھا کام وہ ہے جسے شریعت اچھا کہے اور قبیح وہ ہے جو از روئے شرع برا ہو۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اچھا کام وہ ہے جسے شارع علیہ الصلوۃ والسلام نے اچھا کہا اور برا وہ ہے جس سے شارع علیہ الصلوۃ والسلام نے منع کیا۔ بذات خود نہ کوئی کام اچھا ہے نہ برا۔ کیونکہ اچھے اور برے کے نتائج تو آخرت کے عذاب وثواب پر مرتب ہوتے ہیں۔ اور یہ بات عقل کی رسائی سے باہر ہے۔ ہاں کسی کام کا پسندیدہ یا ناپسندیدہ ہونا عقل کی حدود میں آ سکتا ہے عدل کو اچھا جاننا، ظلم کو ناپسند کرنا، علم کو صفت کمال یا جہالت کو صفت نقصان خیال کرنا عقل کے اختیار میں ہے۔ (۱)

(۱) اسلامی مذاہب ۳۰۳-۳۰۲ (۲) تکمیل الایمان :۲۸

العقیدہ الحسنة میں ہے:

فَلَيْسَ لِلْعَقْلِ حُكْمٌ فِي حُسْنِ الْاَشْيَاءِ وَ قُبْحِهَا وَ كَوْنِ الْفِعْلِ سَبَبًا لِلثَّوَابِ وَالْعِقَابِ وَ اِنَّمَا حُسْنُ الْاَشْيَاءِ وَ قُبْحُهَا بِقَضَاءِ اللّٰهِ وَ حُكْمِهِ. (۱)

تو عقل کے لئے چیزوں کے حسن وقبح میں کوئی دخل نہیں ہے جیسا کہ معتزلہ وغیرہ کہتے ہیں کہ اشیاء کا حسن وقبح عقلی ہے اسی طرح کسی فعل کے ثواب وعقاب کے سبب ہونے میں بھی عقل کا دخل نہیں ہے اشیاء کا حسن وقبح اللہ تعالیٰ کا فیصلہ اور اس کے حکم سے ہوتا ہے۔

شیخ محمد ابوزہرہ مصری لکھتے ہیں:

...... معتزلہ کے نزدیک جو چیز عقلاً حسن ہو وہ واجب الفعل ہوتی ہے اور جو قبیح ہو وہ حرام ہوتی ہے مگر ماتریدیہ اس حد تک تجاوز نہیں کرتے بلکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی اتباع میں یہ کہتے ہیں کہ اگرچہ عقلاً اشیاء کے حسن وقبح کا ادراک ممکن ہے مگر آدمی اس وقت تک مکلف و مأمور نہیں ہوتا جب تک شارع حکم نہ دے اس لئے کہ عقل بالاستقلال، دینی احکام صادر نہیں کر سکتی بلکہ احکام صادر کرنا صرف ذات باری تعالیٰ کو زیب دیتا ہے۔ (۲)

(۱) العقیدہ الحسنة :۸٤ (۲) اسلامی مذاہب :۳۰۳

وَالْاِسْتِطَاعَةُ مَعَ الفِعْلِ وَ هِیَ حَقِیقَةُ القُدْرَةِ الَّتِی یَکُوْنُ بِهَاالْفِعْلُ

اوراستطاعت(۱)فعل کے ساتھ ہےاوروہی قدرت کی حقیقت ہے کہ جس کے ذریعےفعل کا وجودہوتا ہے۔

استطاعت

شرح: مولوی محمد نجم الغنی خاں رامپوری لکھتے ہیں: استطاعت فعل کے ساتھ ہوتی ہے اور استطاعت کے دومعنی ہیں ایک قدرت حقیقی کو کہتے ہیں جو فعل کے موجود کر دینے کے لئے کافی ہوتی ہے دوسرے اسباب وآلات واعضاء کی صحت وسلامتی کا نام ہے اور تکلیف شرعی کا مدار پچھلی قسم کی استطاعت پر ہے اسی لئے بچہ اور مجنون ایمان کے ساتھ مکلّف نہیں اور گونگا اقرار زبانی کے ساتھ مکلف نہیں اور مریض کھڑے ہوکر نماز پڑھنے کے واسطے مکلّف نہیں کیونکہ ایسے لوگوں کے اعضاء صحیح وسالم نہیں اس لئے استطاعت ان میں مفقود ہے۔ (مذاهب الاسلام ۹۹-۹۸)

امام جعفر طحاوی رحمہ اللہ (العقيدة الطحاوية ۱٦) میں فرماتے ہیں:

وَالْاِسْتِطَاعَةُ الَّتِیْ یَجِبُ بِهَاالْفِعْلُ ، مِنْ نَحْوِالتَّوْفِیْقِ الَّذِیْ لَا یَجُوْزُ اَنْ یُوْصَفَ الْمَخْلُوْقُ بِهٖ فَهِیَ مَعَ الْفِعْلِ ،وَ اَمَّاالْاِسْتِطَاعَةُ مِنْ جِهَةِ الصِّحَّةِ وَالْوُسْعِ وَالتَّمَکُّنِ وَ سَلَامَةِ الْآلَاتِ فَهِیَ قَبْلَ الْفِعْلِ وَ بِهَا یَتَعَلَّقُ الْخِطَابُ ، وَ هُوَ کَمَا قَالَ تَعَالٰی: ﴿لَا یُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا......﴾ [البقرة۲: ۲۸٦]

(ترجمہ۱۵۴پرملاحظہ فرمائیں)

اہل سنت کا مذہب تو یہ ہے کہ قدرت فعل کے ساتھ ہوتی ہے اور اکثر معتزلہ کا مذہب یہ ہے کہ فعل سے قبل ہوا کرتی ہے اس لئے کہ اگر قدرت فعل سے قبل ہو تو فعل کی صحت اپنے وجود سے قبل لازم آئے گی حالانکہ شے کا تقدم اس کے وجود ذات پر محال ہے۔

وَ یَقَعُ هٰذَاالْاِسْمُ عَلٰی سَلَامَةِ الْاَسْبَابِ وَالْاٰلَاتِ وَالْجَوَارِحِ. وَصِحَّةُ التَّکْلِیْفِ تَعْتَمِدُ عَلٰی هٰذِهِ الْاِسْتِطَاعَةِ.

اور واقع ہوتا ہے یہ نام (۱) (قدرت واستطاعت کا) اسباب کی سلامتی اور کام کرنے کی چیزوں کی درستگی اور ہاتھ پاؤں کی سلامتی پر بھی اور تکلیف شرعیہ کا دارومدار اسی استطاعت پر ہوتا ہے۔

شرح: اور جو استطاعت سلامت آلات واسباب کے معنی میں ہے اس پر صحت تکلیف کا مدار ہے دوسرے معنی لفظ استطاعت کے، سلامت ہونا آلات واسباب کا ہے سو اس استطاعت کے بموجب اللہ تعالیٰ بندے کو تکلیف دیتا ہے جو شخص جس چیز کے لئے آلات واسباب نہیں رکھتا اس کو اس کام کی استطاعت نہیں سو اللہ اس کے کرنے کا حکم نہیں دیتا۔ اور جس چیز کے آلات واسباب رکھتا ہوگا اس کو اس کام کی استطاعت ہے سو اس کے کرنے کی اللہ بندے کو تکلیف دیتا ہے

جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿......وَ لِلّٰهِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْهِ سَبِیْلًا ط......﴾ (۱)

اور اللہ کا حق ہے لوگوں پر اس کے گھر کا حج کرنا جو اس کے راستے کی طاقت رکھتا ہو

اس جگہ استطاعت سے مراد قدرت فعل نہیں ہے بلکہ زادراہ اور راحلہ مراد ہے

مطلب یہ ہے کہ لفظ استطاعت مشترک ہے اس کے دو معنی ہیں۔

(۱)قدرت حقیقی (۲)اسباب وآلات

اعضاء کی سلامتی اور صحت تکلیف کا دارومدار اسی دوسرے معنی پر موقوف ہے۔

(۱) [آل عمران۳: ۹۷]

وَ لَا يُكَلَّفُ الْعَبْدُ بِمَا لَيْسَ فِيْ وُسْعِهٖ.

اورنہیں تکلیف (۱) دی جاتی بندہ کو جواس کی طاقت میں نہ ہو۔

انسان بلا استطاعت مکلّف نہیں

شرح: ۱ لہذا جس کام کی بندہ استطاعت نہیں رکھتا اس کے کرنے کا حکم نہیں دیتا۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا......﴾ [البقرہ۲: ۲۸۶]

اللہ کسی کو تکلیف نہیں دیتا مگر اس کی طاقت کے موافق۔

پس جو چیز بندے کی طاقت سے باہر ہو عام ہے کہ فی نفسہ ممتنع ہو جیسا ضدین کا جمع کرنا یا فی نفسہ ممکن ہو لیکن بندے سے نہ ہو سکے جیسا کہ پیدا کرنا۔

(۱۵۲ کا بقیہ)

وہ استطاعت جس کے ساتھ فعل واجب ہوتا ہے اس کی توفیق سے ہے جائز نہیں کہ مخلوق کو اس کے ساتھ موصوف کیا جائے پس یہ استطاعت فعل کے ساتھ ملی ہوتی ہے۔ ہاں وہ استطاعت جو صحت، وسعت، قدرت اور اعضاء کی سلامتی کے ساتھ ہے وہ فعل سے پہلے ہے اور اسی استطاعت کے ساتھ خطاب متعلق ہے۔

اللہ کسی کو تکلیف نہیں دیتا مگر اس کی طاقت کے موافق۔

وَمَا يُوْجَدُ مِنَ الْاَلَمِ فِى الْمَضْرُوْبِ عَقِيْبَ ضَرْبِ اِنْسَانٍ وَمِنَ الْاِنْكِسَارِ فِى الزُّجَاجِ عَقِيْبَ كَسْرِ اِنْسَانٍ وَمَا اَشْبَهَهٗ كُلُّ ذٰلِكَ مَخْلُوْقُ اللّٰهِ تَعَالٰى لَا صُنْعَ لِلْعَبْدِ فِىْ تَخْلِيْقِهٖ.

اور جو درد شخص مضروب میں کسی انسان کے مارنے کے نتیجہ میں ہو اور شیشے کی شکستگی کسی انسان کے اس کو توڑنے کے نتیجہ میں پائی جائے اور جو چیزیں اس کے مشابہ ہیں یہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں کسی کی تخلیق میں بندہ کو کوئی دخل نہیں ۱۔

افعال تولید

شرح: و ما اشبهه : اور جو اس کے مشابہ کام ہیں کہ قتل کرنے کے بعد موت کا واقع ہونا۔

(۱) **معتزلہ:** کہتے ہیں جو فعل بطور مباشرت یا بطور تولید کے ہوں ان کا بندہ خالق ہے مگر ہمارے نزدیک دونوں اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں جو چیزیں بطور مباشرت کے اور بطور تولید کے ہیں وہ بھی اللہ کے پیدا کرنے سے ہوتی ہیں تو انسان کو ان میں کچھ دخل نہیں ہے۔ اسی لئے مصنف رحمہ اللہ افعال تولید کا بیان خصوصیت سے فرماتے ہیں۔ تولید کے معنی ہیں کہ فاعل کے ایک فعل اختیاری سے دوسرا فعل واجب ہو جائے۔ جیسے درد کا ہونا جو چوٹ سے پیدا ہوتا ہے اور توڑنے سے کانچ و شیشے کا ٹوٹنا پیدا ہوتا ہے اور مار ڈالنے سے موت پیدا ہو جاتی ہے یہ افعال تولید ہیں۔ مارنا، توڑنا اور مار ڈالنا یہ سب افعال مباشرت ہیں۔ افعال تولید میں یہ ضروری نہیں کہ فاعل نے ان کا قصد کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ صدور ان کا مارنے اور توڑنے اور قتل کرنے کے بعد واجب ہے۔ اہل سنت کے نزدیک ان سب کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ (تہذیب العقائد)

یعنی خالق تمام چیزوں اور کاموں کا اللہ تعالیٰ ہے اور تمام ممکنات اسی کی طرف بلا واسطہ منسوب اور مستند ہیں، معتزلہ چونکہ بعض افعال کو غیر اللہ کی طرف منسوب کرتے اور کہتے ہیں کہ اگر

فعل فاعل سے بلاواسطہ کسی دوسرے فعل سے صادر ہوتو یہ بطریق مباشرت (اسباب) ہوا۔ اور اگر اس کے صدور میں کسی دوسرے کے فعل کا واسطہ آجائے تو یہ بطریق تولید ہے۔ تولید کا معنی (جیسے پہلے گزر چکا ہے) فعل اپنے فاعل کے لئے کسی دوسرے فعل کو واجب کردے جیسا کہ ہاتھ کی حرکت کنجی کی حرکت کو واجب کرتی ہے پس اس تفصیل کے زیر اثر وہ درد جو ضرب سے پیدا ہوا اور ٹوٹنا جو توڑنے سے پیدا ہوا اللہ کی مخلوق نہ ہوئے۔ مگر ہمارے نزدیک یہ سب افعال خواہ مباشرت یا تولید سے ہوں اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں لہذا اس مسئلہ کو لانے سے غرض مصنف کی تردید معتزلہ ہے۔

قرآن مجید میں فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ ز......﴾ [الزمر۳۹:۶۲]

اللہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے۔

سوال: اثر فعل کا خالق کون ہے یعنی جب کسی نے تلوار ماری یا لکڑی تو اس مارنے کا تو کاسِب بندہ ٹھہرا اگر بعد میں جو اس تلوار سے سر جدا ہو گیا یا لکڑی سے درد پیدا ہوا تو اس کا خالق خدا ہے یا بندہ؟

جواب: اس درد اور موت کا خالق بھی وہی مالک الملک ہے اسی کے ارادہ اور خلق سے ایسا ہوا اگر وہ چاہتا تو نہ اس کا سر جدا ہوتا اور نہ درد پیدا ہوتا۔ بندہ کا اس میں اتنا بھی دخل نہیں جتنا مارنے کے اندر تھا مارنے کے وقت تو یہ کاسِب بھی تھا اس کے اندر نہ کاسب ہے نہ خالق کیونکہ بعد مارنے کے اس کو طاقت نہیں کہ درد کو روک دے یا موت کو۔ (۱)

خیال رہے کہ افعال تولید میں بندے کا مؤاخذہ (پکڑ) اس لئے ہوتا ہے کہ وہ فعل جس سے یہ پیدا ہوتا ہے اس کے اختیار میں تھا تو اختیار کو خلاف شرع استعمال کرنے کی سزا دی جاتی ہے۔

(۱) توضیح العقائد

وَالْمَقْتُوْلُ مَیِّتٌ بِاَجَلِهٖ

اور مقتول مرتا ہے اپنے وقت پر (۱)۔

موت کا وقت مقرر ہے:

شرح: اجل سے وہ وقت مراد ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں اس کی موت کے لئے مقرر کیا گیا ہے اگر یہ قتل واقع نہ ہوتا تب بھی اس کی موت جائز تھی یہی حال اس شخص کا ہے جسے سانپ وغیرہ زہریلا جانور کاٹ کھائے یا کوئی اور چیز ایذا دے اور وہ مر جائے بعض معتزلہ اس مسئلہ میں مخالف ہیں اور وہ یہ کہتے ہیں کہ قاتل نے مقتول پر اجل کو قطع کر دیا ہے اگر قتل واقع نہ ہوتا تو یہ مدت معینہ تک زندہ رہتا۔ مگر یہ استدلال غلط ہے اس لئے کہ موت کا وقت مقرر ہے اس میں تغیر و تبدل تقدیم و تاخیر قاتل کی وجہ سے نہیں ہو سکتی۔

چنانچہ فرمان الٰہی ہے:

﴿فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّ لَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ۝﴾ [النحل۱۶:۶۱]

تو جب ان کا مقرر وقت آجائیگا تو نہ ایک گھڑی پیچھے ہٹیں گے اور نہ آگے بڑھیں گے

﴿وَ لَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَاط......﴾ [منافقون۶۳:۱۱]

اور اللہ کسی شخص کو ہرگز مہلت نہ دے گا جب اس کی مقرر کی ہوئی مدت آجائے۔

(یہاں سے معلوم ہوا کہ موت کا وقت مقرر ہے) اور قاتل پر قصاص عائد ہونا اور اس کو عذاب الٰہی پہنچنا یہ امر شرعی ہے۔ شرع نے رفع تنازع اور انسداد فساد اور انتظام کے لئے یہ سزائیں مقرر کر رکھی ہیں۔ بندہ اگر چہ فعل قتل کا خالق نہیں مگر کاسب تو ضرور ہے جب وہ اپنے نامشروع فعل کے کسب کا ارادہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ موافق عادت کے اس کے فعل کے بعد مقتول کی موت پیدا کر دیتا ہے۔ (مولوی محمد نجم الغنی، مذاہب الاسلام ۹۹)

وَالْمَوْتُ قَائِمٌ بِالْمَيِّتِ مَخْلُوْقُ اللّٰهِ تَعَالٰی .

اور موت مردہ کے ساتھ قائم ہے اللہ تعالیٰ کی مخلوق (۱) ہے۔

شرح: یعنی بندہ کو اس میں کوئی اختیار نہیں نہ پیدا کرنے میں اور نہ کسب کرنے میں کیونکہ موت کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں ارشاد فرماتا ہے:

﴿الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ط......﴾ (۱)

جس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تا کہ تمہاری آزمائش فرمائے کہ تم میں کون بہترین ہے عمل میں۔

معلوم ہوا کہ موت وحیات دونوں وجودی چیزیں اور مخلوق ہیں اور دونوں یقینی ہیں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ط......﴾ (۲)

ہر شخص موت کا مزا چکھنے والا ہے۔

﴿......وَ مَا تَدْرِیْ نَفْسٌ م بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ط......﴾ (۳)

اور کوئی نہیں جانتا وہ کہاں مرے گا۔

﴿قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِیْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِیْکُمْ......﴾ (٤)

(اے محبوب) آپ فرما دیں بیشک جس موت سے تم بھاگتے ہو وہ ضرور تمہیں پیش آنی ہے۔

(۱) [الملك ٦٧ :٢] (۲) [آل عمران ۳:۱۸۵]
(۳) [لقمان ۳۲ :۳٤] (٤) [الجمعه ٦٢ :٨]

﴿فَلَوْ لَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ ۞ وَ اَنْتُمْ حِیْنَئِذٍ تَنْظُرُوْنَ ۞﴾ [الواقعه ٥٦ : ٨٤]

تو کیوں نہیں (موت کو ٹال دیتے) جب روح حلق تک آپہنچتی ہے۔ اور تم اس وقت دیکھتے رہتے ہو۔

﴿کَلَّآ اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِیَ ۞ وَ قِیْلَ مَنْ سکہ رَاقٍ ۞ وَ ظَنَّ اَنَّهُ الْفِرَاقُ ۞ وَ الْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ ۞ اِلٰی رَبِّکَ یَوْمَئِذِ نِ الْمَسَاقُ ۞﴾ [القیامه ٧٥:٢٦ تا ٣٠]

یقیناً جب (حلقوم کے قریب) ہنسلی کی ہڈیوں تک جان پہنچ جائے گی۔ اور کہا جائے گا ہے کوئی جھاڑ پھونک کرنے والا؟۔ اور وہ سمجھ لے گا یہ جدائی کی گھڑی ہے۔ اور پنڈلی پنڈلی سے لپٹ جائے گی۔ آپ کے رب کی طرف اس دن چلنا ہے۔

موت کی سختی: چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَ جَآءَ تْ سَکْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ط ذٰلِکَ مَا کُنْتَ مِنْهُ تَحِیْدُ ۞﴾ [ق ٥٠:١٩]

اور آپہنچی موت کی بے ہوشی سچائی کے ساتھ یہ ہے جس سے تو کنارہ کشی کرتا تھا۔

حضرت عائشہ صدیقہ بنت صدیق اکبر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ بے شک رسول اللہ ﷺ کے سامنے (مرض وصال کے وقت) پیالہ یا کونڈا رکھا ہوا تھا جس میں پانی تھا (اس میں راوی کو شک ہے) چنانچہ آپ ﷺ پانی میں اپنے ہاتھوں کو داخل کرتے اور پھر انہیں چہرہ انور پر ملتے اور فرماتے۔ **لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اِنَّ لِلْمَوْتِ سَکَرَات** کہ نہیں ہے کوئی معبود سوائے اللہ کے بے شک موت میں تکلیفیں ہوتی ہیں۔ پھر دست مبارک کھڑا کر کے فرماتے **فِی الرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی** (مجھ کو رفیق اعلیٰ میں شامل فرما) یہاں تک کہ آپ کی روح قبض کر لی گئی اور دست مبارک جھک گیا۔ (۱)

(۱) صحیح البخاری، کتاب الرقاق، باب سکرات الموت : ٦٥١٠

ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

اَللّٰهُمَّ اَعِنِّىْ عَلٰى مُنْكَرَاتِ الْمَوْتِ اَوْ سَكَرَاتِ الْمَوْتِ. (١)

اے اللہ موت کی سختی دور کرنے کے ساتھ میری مدد فرما، یا ''موت کی سختی کی جگہ شدت'' فرمایا۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ اَحَبَّ لِقَاءَ اللّٰهِ اَحَبَّ اللّٰهُ لِقَاءَهٗ وَمَنْ كَرِهَ لِقَاءَ اللّٰهِ كَرِهَ اللّٰهُ لِقَاءَهٗ.(٢)

جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملنے کو عزیز رکھتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اسے ملنے کو عزیز رکھتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ سے ملنے کو برا جانتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اسے برا جانتا ہے۔

یہ سن کر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا یا رسول اللہ ﷺ کی کسی دوسری زوجہ مطہرہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہم تو موت کو برا سمجھتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ مطلب نہیں مطلب یہ ہے کہ جب مؤمن کی موت کا وقت آتا ہے تو اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے

(١) جامع الترمذی، كتاب الجنائز، باب ما جاء فی التشديد عند الموت ٩٧٨

سنن ابن ماجه، كتاب الجنائز، باب ٦٤ ما جاء فی ذكر مرض رسول الله ١٦٢٣

المشكوة، كتاب الجنائز، باب عيادة المريض، الفصل الثانی : ١٣٦

مسند ابو يعلى، ٩/٨ رقم ١٥٤ ...... ٤٥١٠

(٢) صحيح البخاری، كتاب الرقاق، باب من احب لقاء الله : ٦٥٠٨ـ ٦٥٠٧

صحيح المسلم، باب من احب لقاء الله، حديث ١٤ تا ١٨

جامع الترمذی، ابواب الزهد، باب من احب لقاء الله احب الله لقاءه : ٢٣٠٩

شرح السنة للبغوی، باب من احب لقاء الله ٣:١٩٩ حديث: ١٤٤٣

كنز العمال، ١٥:٢٩٥ حديث ٤٢٧٩٢

رضامندی اور بزرگی کی بشارت دی جاتی ہے لہذا اس کو اس سے جو اس کے آگے ہے (خدا کا دیدار) اور کوئی چیز اچھی معلوم نہیں ہوتی۔ اب وہ اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو محبوب رکھتا ہے اور خدا تعالیٰ اس کی ملاقات کو محبوب رکھتا ہے۔ اور جب کافر کی موت کا وقت آتا ہے تو اس کو خدا کے عذاب اور عقوبت کی خبر دی جاتی ہے پس جو کچھ اس کے آگے ہے یعنی عذاب تو اس سے زیادہ اس کو کوئی چیز بری معلوم نہیں ہوتی۔ اور وہ خدا سے ملنے کو برا سمجھتا ہے اور خدا تعالیٰ اس سے ملاقات کو ناپسند فرماتا ہے۔

تو جب بندہ مؤمن اللہ تعالیٰ کی ملاقات و دیدار چاہتا ہے تو اس کے لئے موت کی تکلیفوں کی وجہ سے جو کراہت و ناپسندیدگی ہوتی ہے اللہ تعالیٰ اس کو دور فرما دیتا ہے اور اس کا مرنا دیدار الٰہی کے لئے آسان ہو جاتا ہے اور موت کے وقت فرشتے اس کو خوشخبری دیتے ہیں

﴿ يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۞ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ۞ فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ ۞ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ ۞﴾ [الفجر ٨٩: ٣٠ـ٢٩ـ٢٨ـ٢٧]

اے نفس مطمئنہ۔ لوٹ اپنے رب کی طرف اس حال میں کہ تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی۔ پھر میرے (خاص) بندوں میں شامل ہو۔ اور میری جنت میں داخل ہو جا۔

موت ہی دائمی نعمتوں تک پہنچنے کا ذریعہ ہے جس کو بوجہ زیادہ تکلیفوں کے ہر شخص پسند نہیں کرتا۔ مگر موت کا آنا ضروری ہے اس لئے اس کو بار بار یاد رکھنے کی تلقین فرمائی ہے۔

یا الٰہ العلمین! بندہ ضعیف اثیم پر نزع، قبر اور حشر کی منزلیں آسان فرما۔ اپنے دیدار و ملاقات کا شوق پیدا فرما کر ہر آنے والی منزل آسان فرما۔

وَالْاَجَلُ وَاحِدٌ

اور موت کا وقت ایک (۱) ہے۔

شرح: (۱) کہ موتیں متعدد نہیں ہیں جیسا کہ بعض کا خیال ہے کہ مقتول کے لئے اَجلین (دو موتیں) ہیں ایک تو قتل دوسری موت۔ اگر یہ قتل نہ ہوتا تو دوسری موت تک زندہ رہتا اور بعض فلاسفہ کا قول ہے کہ ہر جاندار کی دو موتیں ہیں ایک تو طبعی ہیں جو رطوبت کے تحلل اور اس کی حرارت غریزیہ کے بجھ جانے کی وجہ سے واقع ہوتی ہے اور دوسری اخترامی ہے کہ آفات اور امراض کی وجہ سے لاحق ہوا کرتی ہے مگر مصنف رحمہ اللہ نے ان دونوں مذہبوں پر وَالْاَجَلُ وَاحِدٌ سے رد فرمایا ہے کہ موت ایک ہی ہے

﴿لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا الْمَوْتَ اِلَّا الْمَوْتَةَ الْاُوْلٰى ج......﴾ [الدخان ٤٤:٥٦]

جنت میں وہ موت کا مزہ نہ چکھیں گے (اس) پہلی موت کے سوا۔

اور موت دینے پر فرشتہ مقرر ہے اور اس پر ایمان لانا ضروری ہے۔

امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ (العقیدۃ الطحاویۃ ١٥) میں فرماتے ہیں:

وَ نُؤْمِنُ بِمَلَكِ الْمَوْتِ، الْمُوَكَّلِ بِقَبْضِ اَرْوَاحِ الْعٰلَمِيْنَ.

اور ہم ایمان لاتے ہیں موت کے فرشتے پر جو عالمین کی ارواح قبض کرنے پر مقرر ہے

حق تعالیٰ [السجدہ ٣٢:١١] میں فرماتا ہے:

﴿قُلْ يَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ۝﴾

فرما دیجئے تمہیں موت کا فرشتہ وفات دیتا ہے جو تم پر مقرر کیا گیا پھر تم اپنے رب کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

﴿......حَتّٰى اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَ هُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ۝﴾

یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کو موت آجائے تو اسے قبض کرتے ہیں ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے اور وہ کوتاہی نہیں کرتے۔ [الانعام ٦:٦١]

وَالْحَرَامُ رِزْقٌ وَكُلٌّ يَسْتَوْفِيْ رِزْقَ نَفْسِهٖ حَلَالًا كَانَ اَوْحَرَامًا وَلَا يُتَصَوَّرُ اَنْ لَّا يَاْكُلَ رِزْقَهٗ اَوْ يَاْكُلَ غَيْرُهٗ رِزْقَهٗ.

اور حرام بھی رزق (۱) ہے اور ہر ایک (جاندار) اپنی روزی کو پورا کرتا ہے حلال ہو یا حرام اور نہیں تصور کیا جاتا کہ انسان اپنا رزق نہیں کھاتا (۲) یا غیر (دوسرا) اس کی روزی کھالیتا ہے۔

رزق حرام

شرح: علماء اہل سنت وجماعت کے نزدیک رزق اسے کہتے ہیں جس سے جاندار منتفع ہو (فائدہ حاصل کرے) وہ مباح ہو یا حرام۔ معتزلہ کا یہ مذہب ہے کہ حرام رزق نہیں ہوتا اس لئے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا رزق حرام بھی ہوتا ہے۔

رب تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَ مَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا......﴾ [هود ١١:٦]

اور زمین پر کوئی چلنے والا (جاندار) نہیں مگر اللہ (کے ذمۂ کرم) پر اس کا رزق ہے۔

اللہ تعالیٰ حلال روزی کی قید لگا کر حرام کو پاکیزہ چیزوں سے خارج کر دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ......﴾ [البقرہ ٢:١٧٢]

اے ایمان والو کھاؤ پاکیزہ چیزوں سے جو ہم نے تمہیں دیں۔

لہٰذا اگر حرام رزق نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ کو طیبات کی قید لگانے کی ضرورت نہ پڑتی یعنی وہ حلال کی قید نہ لگاتا۔

کتاب العقیدہ میں ہے:

اَلْحَرَامُ رِزْقٌ لِاَنَّہٗ یَقَعُ عَلَی الْغِذَاءِ اَوْلِمِلْکٍ لِاَنَّ بَعْضَھُمْ یَاْکُلُوْنَ جَمِیْعَ عُمْرِ ھِمِ الْحَرَامَ وَ مِنَ الْمُحَالِ اَنْ یُّقَالَ خَرَجَ مِنَ الدُّنْیَا وَ لَمْ یَاْکُلْ رِزْقَہٗ. (العقیدہ قلمی ۱۰)

۲ یعنی ہر جاندار اپنی روزی پوری کرتا ہے حلال ہو یا حرام کوئی شخص غیر آدمی کی روزی جو اللہ تعالیٰ نے اُس کے لئے اپنے علم اور قسمت ازلی کے ذریعہ مقدر کر رکھی ہے نہیں کھا سکتا کیونکہ تقدیر الٰہی کے خلاف ہونا ممتنع ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

﴿...... نَحْنُ قَسَمْنَا بَیْنَھُمْ مَّعِیْشَتَھُمْ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا ......﴾ [الزخرف ۴۳:۳۲]

ہم نے ان کی روزی ان کی دنیاوی زندگی میں ان کے درمیان تقسیم فرمادی۔

جیسے کہا جاتا ہے:

لَنْ تَمُوْتَ نَفْسٌ حَتّٰی تَسْتَکْمِلَ رِزْقَھَا.

کہ اس وقت تک ہرگز نہیں مرے گا کوئی شخص جب تک کہ وہ اپنی روزی نہ پوری کرلے۔

وَاللّٰہُ تَعَالٰی یُضِلُّ مَنْ یَّشَآءُ وَ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ

اور اللہ گمراہ کرتا(۱) ہے جسے چاہتا ہے اور ہدایت دیتا ہے جسے چاہتا ہے۔

ہدایت وضلالت

شرح: ۱ سورۃ مدثر میں ہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿...... کَذٰلِکَ یُضِلُّ اللّٰہُ مَنْ یَّشَآءُ وَ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ ط ......﴾ [المدثر ۷۴:۳۱]

اسی طرح اللہ گمراہ کرتا ہے جسے چاہے اور راہ دکھاتا ہے جسے چاہے۔

یعنی اللہ تعالیٰ ضلالت وہدایت کو پیدا فرماتا ہے اور ہدایت کے دو معنی ہے۔

(۱) طریق حق کو بیان کرنا اور اس قول باری تعالیٰ میں یہی مراد ہے۔

﴿...... وَ اِنَّکَ لَتَھْدِیْٓ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴾ [الشوری ۴۲:۵۲]

اور (اے حبیب) بے شک آپ ضرور سیدھی راہ کی طرف ہدایت فرماتے ہیں۔

﴿اِنَّ ھٰذَا الْقُرْاٰنَ یَھْدِیْ لِلَّتِیْ ھِیَ اَقْوَمُ ......﴾ [بنی اسرائیل ۱۷:۹]

بے شک یہ قرآن وہ راہ دکھاتا ہے جو بالکل سیدھی ہے۔

﴿...... ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ ۝﴾ [البقرہ ۲:۲]

پرہیزگاروں کے لئے ہدایت ہے۔

(۲) دوسرا معنی ہدایت کا اس کو پیدا کرنا ہے اور حق تک پہنچانا اور اس ارشاد خداوندی میں یہی مراد ہے۔

﴿اِنَّکَ لَا تَھْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ ......﴾ [القصص ۲۸:۵۶]

بے شک آپ (اے) ہدایت یافتہ نہیں کرتے جس کا ہدایت یافتہ ہونا آپ کو پسند ہو اور جس طرح ہدایت کا پیدا کرنا اللہ تعالیٰ ہی کا کام ہے اسی طرح توفیق وہدایت

دینا بھی اسی کا کام ہے نبی کریم ﷺ اور قرآن مجید کی طرف ہدایت دینے کی نسبت مجازی ہے کیونکہ یہ ہدایت کا سبب ہیں۔ ہدایت کا پیدا کرنا اور توفیق ہدایت دینا اللہ ہی کا کام ہے۔

ضلالت کو بھی اللہ ہی پیدا کرتا ہے اور جو توفیق ہدایت سے محروم رہا گمراہ ہو گیا شیطان، کفار اور بتوں کی طرف ضلالت اور اضلال کی نسبت بھی مجازاً کی جاتی ہے کیونکہ یہ گمراہی اور گمراہ کرنے کا سبب ہیں۔

سوال: جب سب کچھ اسی کی طرف سے ہے تو پھر ہدایت کی نسبت انبیاء، اولیاء اور علماء کی طرف اور ضلالت وگمراہی کی نسبت نفس اور شیطان کی طرف کیسے ہے؟

جواب: یہ نسبت مجازاً ہے عرف میں جو چیز جس کا سبب ہوتی ہے اس کی طرف اس کام کو مجازاً نسبت کرتے ہیں مثلاً دوا نے شفا دی، پانی نے سیر کر دیا، آگ نے جلا دیا وغیرہ حالانکہ شفاء کا خالق وہی ہے جو دوا کا خالق ہے اگر وہ چاہتا تو دوا کے بعد شفا نہ دیتا۔ جیسے اکثر ہوتا ہے مگر مجازاً شفاء کو دوا کی طرف، جلانے کو آگ کی طرف، سیرابی کو پانی کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ پس مشرک اور موحد میں فرق یہی ہے کہ موحد دوا کو شفا کا سبب، آگ کو جلانے کا سبب اور پانی کو سیر کرنے کا سبب جانتا ہے۔ اور مشرک خود ان چیزوں کو۔

بہ بیں تفاوت راہ از کجاست تا بکجا۔ (توضیح العقائد)

قرآن مجید میں مجازی نسبتوں کا ذکر موجود ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْبِتُ الْأَرْضُ ......﴾ [البقرہ ۲:۶۱]

وہ (من وسلویٰ کی بجائے) ہمارے لئے زمین سے اُگنے والی چیزیں پیدا کرے۔

﴿...... كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ﴾ [البقرہ ۲:۲۶۱]

(راہ خدا میں خرچ کرنے والوں کی مثال) اس دانے کی سی ہے جس نے سات بالیں اگائیں

وَمَا هُوَ اَصْلَحُ لِلْعَبْدِ فَلَيْسَ ذٰلِكَ بِوَاجِبٍ عَلَى اللّٰهِ تَعَالٰى

اور جو چیز بندے کے لئے زیادہ لائق اور زیادہ اچھی ہے وہ اللہ تعالیٰ پر دینا واجب نہیں ہے۔

خدا پر رعایت اصلح للعباد واجب نہیں

شرح: ۱ اس میں حضرت مصنف رحمۃ اللہ علیہ معتزلہ کا رد فرماتے ہیں:

اَلْاَصْلَحُ هُوَ الْاَحْسَنُ لِلْعَبْدِ وہ کام جو زیادہ اچھا ہو بندے کے لئے

لَيْسَ بِوَاجِبٍ اَیْ لَيْسَ مُلْزَمًا بِفِعْلِهٖ وَ لَا مَذْمُوْمًا عَلٰى تَرْكِهٖ

کہ نہیں ہے ضروری یعنی اس پر اس کا کرنا لازم نہیں ہے اور نہ اس کے ترک کرنے اور چھوڑ دینے پر مذمت کی جاتی ہے۔

اہل حق فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز ہرگز واجب نہیں ہے کیونکہ وجوب احکام میں سے ایک حکم ہے اور حکم کا ثبوت بغیر شرع کے نہیں ہوتا اور اللہ تعالیٰ پر کوئی حکم نہیں ہے کیونکہ اس پر کوئی حاکم نہیں لہذا اس پر کوئی چیز واجب نہیں ہے۔ بندوں کو جو بھی ظاہری اور باطنی نعمتیں عطا فرماتا ہے وہ سب اس کا احسان ہے اور اگر وہ روک لے تو اس کا عدل وحکمت ہے لہذا جس طرح بندوں وغیرہ پر عبادت فرض وواجب ہے اس طرح اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز واجب نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر احسان فرماتا ہے:

﴿......بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰكُمْ لِلْاِيْمَانِ ......﴾ (۱)

بلکہ اللہ تم پر احسان رکھتا ہے کہ اس نے تمہیں ایمان کی طرف ہدایت فرمائی۔

﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ ......﴾ (۲)

(۱) [الحجرات ۴۹:۱۷] (۲) [ال عمران ۳:۱۶۴]

بے شک اللہ نے بڑا احسان کیا ایمان والوں پر جب اس نے ان میں عظمت والا رسول بھیجا ان ہی میں سے۔

اور اللہ تعالیٰ نے فضل وکرم سے وعدہ اور ایفاء عہد فرمایا ہے:

چنانچہ ارشاد گرامی ہے:

﴿ کَتَبَ عَلٰی نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ط ﴾ (۱)

اس نے (محض اپنے کرم سے) اپنی ذات پر رحمت لازم کرلی ہے۔

اور حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَ لَا یَجِبُ عَلَیْهِ شَیْءٌ. (۲)

اور اس پر کوئی چیز واجب نہیں ہے۔

وَ مَا اِنْ فِعْلُ ن اَصْلَحُ ذَا افْتِرَاضٍ

عَلَی الْهَادِی الْمُقَدَّسِ ذِی التَّعَالِی (۳)

اور امر اصلح کا کرنا (خداوند) ہادی پاک ذات بلند شان پر فرض نہیں۔

اس شعر میں اس عقیدہ کا بیان ہے کہ خداوند جل جلالہ کے ذمے کوئی فرض نہیں کہ کوئی اس سے مطالبہ کر سکے۔ اور اس میں معتزلہ پر رد ہے وہ کہتے ہیں امر اصلح کی رعایت خداوند سبحانہ وتعالیٰ پر واجب ہے یعنی خداوند سبحانہ وتعالیٰ کو اس سے چارہ نہیں کہ جو امر اصلح ہو اس کی رعایت کرے اور ان کا قول مردود ہے اگر یہ امر خدا تعالیٰ پر واجب ہوتا تو دنیا میں کوئی کافر گمراہ نہ ہوتا۔ (۴)

(۱) [الانعام ۶:۱۲] (۲) تکمیل الایمان مترجم ۲۶

(۳) قصیدہ بدء الامالی: ۶ (۴) عقیدہ اهل المعالی ۶ حاشیہ ۳:

وَعَذَابُ الْقَبْرِ لِلْكَافِرِيْنَ وَ لِبَعْضِ عُصَاةِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ تَنْعِيْمُ اَهْلِ الطَّاعَةِ فِي الْقَبْرِ بِمَا يَعْلَمُهُ اللّٰهُ تَعَالٰى وَيُرِيْدُهُ وَسُؤَالُ مُنْكَرٍ وَّنَكِيْرٍ ثَابِتٌ بِالدَّلَائِلِ السَّمْعِيَّةِ .

اور کافروں اور بعض گناہ گار ایمانداروں کو قبر میں عذاب ہونا (۱) اور اہل طاعت کو وہ نعمتیں دیا جانا جسے اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ دینا چاہے گا اور منکر ونکیر کا سوال کرنا دلائل سمعیہ سے ثابت ہے۔

عذاب قبر

شرح: (۱) "عذاب القبر" مبتدا ہے اور "ثابت" خبر اور عذاب القبر میں اضافت بمعنی "فی" ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اصل میں عذاب اهل بقر ہے مضاعف کے حذف ہونے کی صورت میں اور مراد اس سے وہ عذاب ہے جو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے سے پہلے ہوتا ہے خواہ میت دفن کی گئی ہو یا نہ۔ قبر کی طرف عذاب کی نسبت اس لئے ہے کہ اکثر مردوں کو قبر میں دفن کیا جاتا ہے۔ (۱)

لِلْكَافِرِيْنَ ،صحیح یہ ہے کہ کافروں کا عذاب قیامت تک ختم نہیں ہوتا جیسا کہ اس پر حدیثیں ناطق ہیں۔ علامہ نسفی نے بحر الکلام میں لکھا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی برکت سے کافروں کا عذاب جمعہ کے دن، اس کی رات کو اور تمام ماہ رمضان میں اٹھالیا جاتا ہے۔ (۱)

وَلِبَعْضِ عُصَاةِ الْمُؤْمِنِيْنَ یعنی بعض گنہگار ایمانداروں کو عذاب قبر ہوگا۔

یہاں ایمانداروں کے لئے بعض کہہ کر تخصیص کردی کہ سب ایمانداروں کو عذاب

(۱) النبراس: ۳۱۴ (۲) النبراس: ۳۱۴ ـ حاشیہ شرح العقائد النسفیۃ: ۹۹

قبر نہیں ہوگا بلکہ بعض گنہگاروں کو ہوگا۔ جیسا کہ حدیث رسول ﷺ میں ہے کہ مؤذن، شہید، جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات کو فوت ہونے والا عذاب قبر سے محفوظ ہوگا۔

صاحب نبراس علامہ عبدالعزیز پرہاروی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

قَالَ النَّسَفِيُّ فِيْ بَحْرِ الْكَلَامِ اَلْمُؤْمِنُ الْعَاصِيُّ يُعَذَّبُ فِيْ قَبْرِهٖ لٰكِنْ يُنْقَطَعُ عَنْهُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَلَيْلَهَا ثُمَّ لَا يَعُوْدُ اِلَيْهِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ اِنْتَهٰى وَ قَالَ اَلْاَسْيُوْطِيُّ هٰذَا يَحْتَاجُ اِلٰى دَلِيْلٍ قُلْتُ: اَلسَّيُوْطِيُّ اَعْرَفُ مِنَ النَّسَفِيِّ بِالْاَحَادِيْثِ وَالْاٰثَارِ. (۱)

نسفی نے بحر الکلام میں فرمایا: گنہگار مومن کو اس کی قبر میں عذاب دیا جائے گا لیکن اس سے جمعہ کے دن اور اس کی رات منقطع کر دیا جائے گا پھر قیامت کے دن تک عذاب اس کی طرف نہیں لوٹے گا۔ اور امام سیوطی نے فرمایا کہ یہ بات دلیل کی محتاج ہے۔ میں کہتا ہوں کہ سیوطی (رحمہ اللہ تعالیٰ) احادیث اور آثار نسفی سے زیادہ پہچانتے ہیں۔

وَ تَنْعِيْمُ اَهْلِ الطَّاعَةِ فِي الْقَبْرِ : اور آرام و آسائش قبر میں فرمانبرداری کرنے والوں کے لئے اس لئے کہ جس کو اللہ تعالیٰ جانتا ہے عذاب و آسائش سے اور جس کا وہ ارادہ کرتا ہے۔ قبر سے مراد عالم برزخ ہے جو کہ دنیا اور آخرت کے درمیان ایک واسطہ ہے کہ ایماندار وہاں آرام میں ہوتے ہیں اور نافرمان کافر لوگ عذاب میں۔

چنانچہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اِنَّمَا الْقَبْرُ رَوْضَةٌ مِّنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ ، اَوْحُفْرَةٌ مِّنْ حُفَرِ النَّارِ. (۲)

(۱) النبراس: ۳۱۵،۳۱۴

(۲) الجامع الترمذی، ابواب صفة القيامة، باب ۱٤: ۲۵۷۸

كنز العمال، ۱۵: ۲۹۵ حديث: ٤۲۷۹۰

قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یا دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔

معلوم ہوا کہ قبر آرام اور آسائش کی جگہ بھی ہے اور مصائب و عذاب کا مقام بھی ہے ایک موقع پر رسول ﷺ نے فرمایا: کہ قبر روزانہ پکارتی ہے اور یوں کہتی ہے:

اَنَا بَيْتُ الْغُرْبَةِ وَ اَنَا بَيْتُ الْوَحْدَةِ وَ اَنَا بَيْتُ التُّرَابِ وَ اَنَا بَيْتُ الدُّوْدِ. (۱)

میں غربت کا گھر ہوں، میں تنہائی کا گھر ہوں، میں مٹی کا گھر ہوں اور کیڑوں مکوڑوں کا گھر ہوں۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَا رَأَيْتُ مَنْظَرً قَطُّ اِلَّا وَالْقَبْرُ اَفْظَعُ مِنْهُ. (۲)

کہ میں نے کبھی کوئی منظر قبر سے زیادہ سخت نہیں دیکھا۔

کیونکہ یہ قبر انتہائی غربت و تنہائی اور تاریکی کی جگہ ہے اور وہاں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کے سوا کوئی سہارا اور وسیلہ نہیں ہے۔

(۱) الجامع الترمذی، ابواب صفة القيامة، باب ۱٤: ۲۵۷۸

كنز العمال، ۱۵: ۲۹۵ حديث: ٤۲۷۹۰

(۲) جامع الترمذی، ابواب الزهد، باب ۳: ۲٤۱۰

سنن ابن ماجه، كتاب الزهد، باب ۳۲ ذكر القبر والبلى: ٤۲٦۷

المستدرك للحاكم، كتاب الجنائز، ۱: ۵۲٦ حديث: ۱۳۷۳

السنن الكبرى للبيهقي، كتاب الجنائز، باب ما يقال بعد الدفن ٤: ۹۳ حديث: ۷۰٦٤

شرح السنة للبغوی، ۵: ٤۱۸

المشكوة المصابيح، باب اثبات القبر الفصل الثانی ۲٦

اَللّٰھُمَّ احْفَظْنَا مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ بِحُرْمَةِ النَّبِیِّ ﷺ۔

عالمِ قبر (برزخ) قیامت کی پہلی منزل ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:

﴿......وَ مِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴾ [المومنون ۲۳ : ۱۰۰]

اوران کے آگے ایک حجاب ہے اس دن تک کہ وہ اٹھائے جائیں۔

برزخ، وقتِ موت سے وقتِ بعثت تک کی مدت کو کہتے ہیں۔(خزائن العرفان ۱۵۹)

قرآن مجید میں مقابر، قبور احداث، مرقد اور قبر سے مراد عالم برزخ ہی ہے اور یہی عالم برزخ قیامت کی پہلی منزل ہے۔ اوراس کا ثبوت قرآن کی متعدد آیات سے ملتا ہے یعنی قبروں کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿......سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ ﴾ [التوبہ ۹ : ۱۰۱]

عنقریب ہم انہیں دو مرتبہ عذاب دیں گے پھر وہ بڑے عذاب کی طرف لوٹائے جائیں گے۔

اس آیت میں عذاب کی تین صورتیں اور تین منزلیں بیان کی گئی ہیں۔

(۱) عالم دنیا کا عذاب

(۲) عالم برزخ کا عذاب

(۳) عالم آخرت کا بڑا عذاب

اور زیادہ مشہور بڑے تین عالم ہیں۔ دنیا، برزخ، عالم آخرت

دنیا اور آخرت کی درمیانی منزل کو مجازاً قبر اور حقیقتاً عالم برزخ کہتے ہیں اور مرنے

کے بعد قیامت سے پہلے یہی منزل آتی ہے۔

رب تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ﴿ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ﴾ [التکاثر ۱۰۲ : ۱-۲]

تمہیں غافل کر دیا کثیر مال جمع کرنے کی حرص نے۔ یہاں تک کہ تم (مرکر) قبروں میں پہنچ گئے۔

﴿......قَدْ يَئِسُوْا مِنَ الْاٰخِرَةِ كَمَا يَئِسَ الْكُفَّارُ مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ ﴾

[الممتحنہ ۶۰ : ۱۴]

بے شک وہ آخرت سے مایوس ہو چکے۔ جیسے کفر کرنے والے قبروں والوں سے مایوس ہو چکے ہیں۔

یعنی کفار دوبارہ زندہ ہونے سے مایوس ہو گئے تھے کیونکہ وہ آخرت کے منکر تھے۔

﴿......وَ اَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِى الْقُبُوْرِ ﴾ [الحج ۲۲ : ۷]

اور یہ کہ اٹھائے گا ان سب کو جو قبروں میں ہیں۔

اس آیت میں ایک تو قبروں کا ذکر ہے اور دوسرا دوبارہ زندہ کئے جانے کا۔

﴿وَ نُفِخَ فِى الصُّوْرِ فَاِذَا هُمْ مِّنَ الْاَجْدَاثِ اِلٰى رَبِّهِمْ يَنْسِلُوْنَ ﴿ قَالُوْا يٰوَيْلَنَا مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا ......﴾ [یٰس ۳۶ : ۵۱، ۵۲]

اور صور پھونکا دیا جائے گا تو اچانک وہ قبروں سے اپنے رب کی طرف تیزی سے چلنے لگیں گے۔ کہیں گے ہائے ہماری تباہی ہماری خواب گاہ سے ہمیں کس نے اٹھا دیا۔

﴿......وَ لَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ؕ......﴾ [التوبہ ۹ : ۸۴]

اور نہ (کبھی) ان میں سے کسی کی قبر پر کھڑے ہوں۔

یعنی اے رسول معظم اس منافق کی قبر پر بھی نہ کھڑے ہوں کیونکہ آپ کی رسالت کا منکر ہے ان آیات کریمہ سے قبروں (عالم برزخ) کا ثبوت روز روشن کی طرح ثابت ہے اور جو شخص قبروں کا انکار کرتا ہے وہ بے دین ہے۔

عذاب قبر کا ثبوت:

جس طرح عالم برزخ کا ثبوت قرآن کریم میں ہے اسی طرح عذاب قبر بھی قرآن مجید سے ثابت ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿......وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ الْعَذَابِ ۞ اَلنَّارُ یُعْرَضُوْنَ عَلَیْهَا غُدُوًّا وَّ عَشِیًّا ۚ وَ یَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ۟ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ ۞﴾ (۱)

اور فرعون والوں کو برے عذاب نے (ہر طرف سے) گھیر لیا۔ جہنم کی آگ کہ اس پر انہیں صبح اور شام پیش کیا جاتا ہے اور جس دن قیامت قائم ہوگی (حکم ہوگا) فرعون والوں کو سخت ترین عذاب میں ڈال دو۔

اس آیت میں عذاب قبر اور دوزخ کا ذکر ہے۔

﴿وَ لَنُذِیْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰی دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَکْبَرِ ......﴾ (۲)

اور ضرور ہم انہیں کچھ نزدیک کا عذاب (دنیا میں) چکھائیں گے بڑے عذاب کے سوا

اس آیت میں عذاب ادنیٰ سے مراد عذاب قبر ہے اور عذاب اکبر سے مراد عذاب قیامت ہے۔

﴿مِمَّا خَطِیْٓــٰٔتِهِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا ۙ......﴾ (۳)

(۱) [المومن ۴۰: ۴۶-۴۵] (۲) [ال سجدہ ۳۲: ۲۱] (۳) [نوح ۷۱: ۲۵]

(تو) وہ اپنے عظیم گناہوں کے سبب غرق کیے گئے پھر آگ میں ڈالے گئے۔

﴿یُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَ فِی الْاٰخِرَةِ ۚ وَ یُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِیْنَ ۙ۫ وَ یَفْعَلُ اللّٰهُ مَا یَشَآءُ ﴾ (۱)

اللہ مضبوط رکھتا ہے ایمان والوں کو مضبوط بات کے ساتھ دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں (بھی) اور اللہ بھٹکا دیتا ہے ظالموں کو اور اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

یہ آیت عذاب قبر ہی کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

اس آیت میں "فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا" سے مراد، دنیاوی زندگی ہے اور "فِی الْاٰخِرَةِ" سے مراد برزخ یعنی قبر کا عذاب مراد ہے۔ اسی طرح بکثرت احادیث مبارکہ میں عذاب قبر کا ذکر آیا ہے اور عذاب سے پناہ مانگنے کی تعلیم دی گئی ہے۔

﴿وَ مَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِیْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِیْشَةً ضَنْكًا وَّ نَحْشُرُهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اَعْمٰی ۞﴾ (۲)

اور جس نے میرے ذکر سے روگردانی کی تو یقیناً اس کی زندگی بڑی تنگی میں گزرے گی اور قیامت کے دن ہم اسے اندھا اٹھائیں گے۔

یہاں مَعِیْشَةً ضَنْكًا سے مراد عذاب قبر ہے۔ (۳)

نبی ﷺ نے بحالت نماز یہ دعا کرنے کی تاکید فرمائی۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ عَذَابِ جَهَنَّمَ وَ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِیْحِ الدَّجَّالِ وَ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْیَا وَالْمَمَاتِ (۴)

(۱) [ابراھیم ۱۴: ۲۷] (۲) [طٰہ ۲۰: ۱۲۴]

(۳) اثبات عذاب القبر، امام بیہقی: ۷۱

(۴) تخریج اگلے صفحہ پر

اے اللہ میں تیری پناہ چاہتا ہوں دوزخ کے عذاب سے اور میں تیری پناہ چاہتا ہوں قبر کے عذاب سے اور میں تیری پناہ چاہتا ہوں مسیح دجال کے فتنہ سے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا دو قبروں سے گزر ہوا آپ ﷺ نے فرمایا ان قبر والوں کو عذاب ہو رہا ہے یہ عذاب کسی ایسی (بڑی وجہ) سے نہیں ہو رہا جس سے بچنا دشوار ہے ان میں سے ایک شخص چغلی کھایا کرتا تھا اور دوسرا پیشاب سے بچنے میں احتیاط نہیں کرتا تھا۔ پھر آپ نے ایک سبز شاخ طلب فرمائی اور اس کے دو ٹکڑے کئے اور ایک ٹکڑا ایک قبر پر ڈال دیا اور دوسرا دوسری قبر پر پھر فرمایا جب تک یہ ٹہنیاں خشک نہیں ہوں گی ان کے عذاب میں تخفیف رہے گی۔ (۱)

(صفحہ گزشتہ کی تخریج)

سنن ابن ماجہ ، کتاب الدعاء باب ۳ ما تعوذ منہ رسول اللہ ﷺ: ۳۸۴۰

صحیح المسلم، کتاب المساجد و مواضع الصلاة ، باب الاستعاذہ بہ فیالصلاة رقم ۱۳۴

سنن ابو داود ، کتاب الصلاة ، باب ۱۸۲ ما یقول بعد التشهد ۹۸۰

سنن ابو داود ، تفریع ابواب الوتر ، باب۳۶۳ باب فی الاستعاذہ حدیث: ۱۵۳۹

الجامع الترمذی ، ابواب الدعوات ، باب ۷۷ : ۳۷۲۳

سنن النسائی ، کتاب السهو ، ٦٣ باب التعوذ فی الصلوة: ۱۳۱۰

الموطا ۱:۲۱۵ ، کتاب القرآن ، ۸ باب ما جاء فی الدعاء ۳۳

مسند احمد بن حنبل ، ۱:۳۱۸، حدیث ۲۸۴۲-۲۳۴٦-۲۱۷۲

(۱) صحیح المسلم ، کتاب الطهارت

سنن النسائی ، کتاب الطهارة ، التنزه عن البول ، ۳۱

الشریعة للآجری، باب التصدیق والایمان بعذاب القبر : ۳۲۱

مسند احمد ، ۲:۴۷۵-۴۴۰-۴۰۸

اس حیثیت سے معلوم ہوا کہ پیشاب کے قطروں سے نہ بچنا اور چغلی کھانا کبیرہ گناہ ہے نیز جس طرح نگاہ مصطفیٰ ﷺ سے دنیا میں رہتے ہوئے عالم (قبر) کے حالات مخفی نہیں تھے اسی طرح عالم برزخ میں جا کر دنیاوی حالات نگاہ پاک سے مخفی نہیں ہو سکتے کیونکہ آپ ﷺ زندہ ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ﷺ نے فرمایا:

اِسْتَنْزِهُوا مِنَ الْبَوْلِ، فَاِنَّ عَامَّةَ عَذَابِ الْقَبْرِ مِنْهُ. (۱)

بیشک عموماً عذاب قبر پیشاب کی وجہ سے ہوتا ہے پس پیشاب سے بچو۔

قرضہ ادا نہ کرنے کی وجہ سے مقروض کو عذاب قبر ہوتا ہے۔

ایک روایت میں ہے:

نَفْسُ الْمُؤْمِنِ مُعَلَّقَةٌ بِدَيْنِهِ حَتّٰى يُقْضٰى عَنْهُ. (۲)

مومن کی جان معلق رہتی ہے جب تک اس پر قرض ہو۔

ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مقروض کی نماز جنازہ نہیں پڑھائی تھی تا کہ لوگ

---

(۱) سنن الدار قطنی، کتاب الطهارت، باب ٤٩ نجاسة البول والامر بالتنزه منه

۱:۱۳٦ حدیث ٤٦٠-٤٥٩-٤٥٨-٤٥٣

المستدرک للحاکم ، ۱:۲۹۳، حدیث ٦٥٤-٦٥٣

المصنف ابن ابی شیبہ ، ۱:٤٤

الشریعة للآجری ، باب التصدیق والایمان بعذاب القبر: ۳۲۲

مسند احمد ،۲:٤۳۷ حدیث :۸۳۵۲/۲:۵۱۳ : حدیث ۹۰۵٦/۲:۵۱۵ ح: ۹۰۸۲

(۲) سنن ابن ماجہ ، کتاب الصدقات، باب تشدید فی الدین : ۲٤۱۳

سنن الدارمی ، کتاب البیوع ، باب۵۲ ما جاء فی التشدید فی الدین ، حدیث :۲۵۹۱

بلاضرورت قرض نہ لیں۔ (اثبات عذاب القبر ۱۲۸)

خیانت کرنے سے عذاب قبر ہوتا ہے خواہ مال غنیمت میں کرے یا کسی اور طریقہ سے اسی طرح دیگر گناہوں کی وجہ سے عذاب قبر ہوتا ہے۔ نیک اعمال قبر میں روشنی اور کشادگی کا سبب ہیں مثلاً نماز، روزہ، زکوۃ، صدقہ، صلہ رحمی، اسلامی ملک کی حفاظت کرنا، راہ حق میں شہید ہونا، رات کے وقت سورہ ملک کی تلاوت کرنا، پیٹ کی بیماری سے مرنے والا، جمعہ کی رات کو مرنے والا۔

حدیث میں ہے:

مَنْ مَّاتَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ اَوْ لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ وُقِيَ فِتْنَةَ الْقَبْرِ . (۱)

جو مسلمان جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات کو مر جائے وہ فتنہ قبر سے محفوظ رہے گا۔

یا اللہ راقم السطور ان دعاؤں کے ساتھ تیری بارگاہ میں عرض کرتا ہے جن کی تعلیم تیرے حبیب ﷺ نے ہمیں دی ہے تو اپنی رحمت سے عذاب قبر اور فتنہ برزخ سے محفوظ فرما۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ فِتْنَةِ النَّارِ وَ عَذَابِ النَّارِ وَ مِنْ فِتْنَةِ الْقَبْرِ وَ عَذَابِ الْقَبْرِ وَ مِنْ شَرِّ فِتْنَةِ الْغِنٰی وَ مِنْ شَرِّ فِتْنَةِ الْفَقْرِ وَ مِنْ شَرِّ فِتْنَةِ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ، اَللّٰهُمَّ اغْسِلْ خَطَايَایَ بِمَاءِ الثَّلْجِ وَالْبَرَدِ وَ نَقِّ قَلْبِیْ مِنَ الْخَطَايَا كَمَا نَقَّيْتَ الثَّوْبَ الْاَبْيَضَ مِنَ الدَّنَسِ وَ بَاعِدْ بَيْنِیْ وَ بَيْنَ خَطَايَایَ كَمَا بَاعَدْتَ بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ، اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنَ الْكَسَلِ وَالْهَرَمِ وَالْمَاْثَمِ وَالْمَغْرَمِ . (۲)

---

(۱) اثبات عذاب قبر: ۱۴۲

(۲) صحیح البخاری، کتاب الدعوات، باب ۳۹ التعوذ من الماثم والمغرم: ۶۳۶۸

باقی تخریج اگلے صفحہ پر.........

اے اللہ میں جہنم کے فتنے اور جہنم کے عذاب سے، قبر کے فتنے اور قبر کے عذاب سے، مالداری کے فتنے کے شر سے محتاجی کے فتنے کے شر سے، اور مسیح دجال کے فتنے کے شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ اے اللہ تو میرے گناہوں کو برف اور اولوں کے پانی سے دھو دے اور تو میرے دل کو گناہوں سے ستھرا کر دے جیسے تو نے میلے کپڑے کو میل سے ستھرا کیا۔ اور مجھ میں اور میرے گناہوں میں اتنی دوری کر دے جتنی مشرق اور مغرب میں ہے۔ اے اللہ میں سستی، زیادہ بڑھاپے، گناہ اور قرض سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ اپنے صحابہ کو یہ دعا اس طرح سکھاتے جیسا کہ سورہ سکھایا کرتے تھے اور فرماتے کہ یہ دعا اس طرح پڑھو:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ عَذَابِ جَهَنَّمَ وَ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ وَ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ

اے اللہ میں عذاب قبر، عذاب جہنم سے تیری پناہ مانگتا ہوں اور کانے دجال کے فتنہ سے تیری پناہ مانگتا ہوں اور زندگی و موت کے فتنہ سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں۔

صفحہ گزشتہ سے

صحیح المسلم، کتاب الذکر والدعاء والتوبہ، باب التعوذ من شر الفتن ۴۹

سنن ابن ماجه، کتاب الدعاء، باب ۳ ما تعوذ منه رسول الله ﷺ: ۳۸۳۸

سنن ابو داود، کتاب الصلاة ۳۶۷ باب الدعوات باب فی الاستعاذه: ۱۵۴۴_۱۵۴۰

الجامع الترمذی، ابواب الدعوات، باب ۷۷: ۳۷۲۴

سنن النسائی، کتاب الطهارة، باب الوضوء بالثلج، ۶۰

مسند احمد بن حنبل، ۶:۶۵ حدیث ۲۴۳۵۵

سنن الدارمی، کتاب الصلاة، باب السکتتین ۳۷ : ۱:۲۰۰ حدیث ۱۲۴۴

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنَ الْبُخْلِ وَ اَعُوْذُ بِکَ مِنَ الْجُبْنِ وَ اَعُوْذُ بِکَ اَنْ اُرَدَّ اِلٰی اَرْذَلِ الْعُمُرِ ، وَ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ فِتْنَةِ الدُّنْیَا ، وَ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ . (۱)

اے اللہ میں تیری پناہ مانگتا ہوں کنجوسی سے اور تیری پناہ مانگتا ہوں بزدلی سے اور تیری پناہ چاہتا ہوں اس سے کہ میں لوٹایا جاؤں نکمی عمر تک اور تیری پناہ مانگتا ہوں دنیا کے فتنہ سے اور میں تیری پناہ مانگتا ہوں قبر کے عذاب سے۔

سوال منکر ونکیر:

لفظ ''منکر'' ک کے زبر سے اسم مفعول کا صیغہ ہے باب افعال سے اور منکر اس کو کہتے ہیں جس کو کوئی نہ پہچانے اور لفظ نکیر بر وزن فعیل مفعول کے معنی میں ہے یعنی وہ جو نہیں پہچانا جاتا۔

چنانچہ علامہ پرہاروی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

مُنْکَرٌ بِفَتْحِ الْکَافِ کَمَا فِی الْقَامُوْسِ اِسْمُ مَفْعُوْلٍ مَنْ اَنْکَرَهٗ اِذَا لَمْ یَعْرِفْهُ وَ نَکِیْرٌ فَعِیْلٌ بِمَعْنٰی مَفْعُوْلٍ اَیْ مَنْ لَّا یُعْرَفُ. (النبراس ۳۱۵)

منکر اور نکیر ان کو اس لئے کہا جاتا ہے کہ مردہ ان کو بالکل نہیں پہچانتا۔

اور ان دونوں کو مبشر اور بشیر بھی کہا جاتا ہے جو قبر میں ہر مردہ سے سوال کرتے ہیں تو قبر میں تین باتیں ہوتی ہیں۔

(۱) قبر میں عذاب کا ہونا (۲) آرام و آسائش کا پایا جانا

(۳) منکر ونکیر کا سوال کرنا۔

(۱) صحیح البخاری ، کتاب الدعوات ، باب ۴۱ التعوذ من البخل : ۶۳۷۰

فقہ اکبر میں ہے:

وَ اِعَادَةُ الرُّوْحِ اِلٰی جَسَدِ الْعَبْدِ فِیْ قَبْرِهٖ حَقٌّ. (شرح فقہ اکبر ۱۷۱)

اور روح کا میت کے جسم کی طرف اس کی قبر میں لوٹانا حق ہے۔

اور حدیث شریف میں ہے:

فَتُعَادُ رُوْحُهٗ فِیْ جَسَدِهٖ. (المرقاة ـ ۴:۲۵)

کہ روح اس مردہ کے بدن میں لوٹادی جاتی ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بندہ مومن کو جب قبر میں دفن کر دیا جاتا ہے اور اس کے اصحاب پھر کر واپس جانے لگتے ہیں۔

حَتّٰی اَنَّهٗ یَسْمَعُ قَرْعَ نِعَالِهِمْ ...... (۱)

یہاں تک وہ مردہ ان کے جوتوں کی آواز کو سنتا ہے پھر اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں یہ اسے بٹھا کر پوچھتے ہیں: تو اس شخص (محمد ﷺ) کی بابت کیا کہتا تھا؟ تو اگر وہ کہتا ہے کہ میں گواہ ہوں کہ وہ خدا کے بندے اور اس کے پیغمبر ہیں تو اس سے کہا جاتا ہے اپنے دوزخی مقام کو دیکھ اس کے عوض اللہ تعالیٰ نے تجھے کیا مقام عطا کیا ہے۔ حضور علیہ السلام فرماتے تھے کہ وہ دونوں مقامات کو دیکھتا ہے لیکن کافر یا منافق کا یہ جواب ہوتا ہے کہ میں کچھ نہیں جانتا جو اور لوگ کہتے تھے وہی میں بھی کہتا تھا مگر پھر اس سے کہا جائے گا نہ تو نے عقل سے پوچھا اور نہ نقل سے۔ پھر لوہے کے ہتھوڑے سے ایک ضرب اس کے کانوں کے درمیان ایسی لگائی جاتی ہے کہ وہ ایک چیخ مارتا ہے جس کو جن وانسان کے علاوہ اس کے آس پاس کی چیزیں سنتی ہیں

(۱) صحیح البخاری ، کتاب الجنائز ، باب المیت یسمع خفق النعال ، ۱۳۳۸

صحیح المسلم ، کتاب الجنة ، باب عرض مقعد المیت من الجنة او النار علیه ، ح : ۷۰

المشکوة ، باب اثبات عذاب القبر ، الفصل الاول ۲۵-۲۴

دوسری حدیث میں ہے کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ مردہ سے کہا جاتا ہے کہ تیرا رب کون ہے؟ تیرا دین کیا ہے؟ تیرے نبی کون ہیں تو میت (مؤمن) کہتا ہے میرا رب اللہ تعالیٰ ہے، میرا دین اسلام ہے، میرے نبی حضرت محمد ﷺ ہیں۔(۱)

بعض علماء فرماتے ہیں کہ مردہ کو قبر میں حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کا دیدار کرایا جاتا ہے لہذا مردہ کے لئے دیدار رسول ﷺ سے مشرف ہونا بڑی سعادت و نیک بختی ہے اور بے دلوں کے لئے دیدار محبوب کی بشارت ہے۔

شب عاشقان بیدل چہ قدر دراز شد　　تو بیا کہ اول شب در صبح باز باشد

اس میں اختلاف ہے کہ حضور ﷺ کا دیدار میت کو کیسے کرایا جاتا ہے اور یہ جو هٰذَا الرَّجُل سے اشارہ کیا جاتا ہے اس سے کیا مراد ہے؟

صاحب نبراس علامہ عبدالعزیز پرہاروی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

اَلْاِشَارَةُ اِمَّا لِحُضُوْرِ النَّبِيِّ ﷺ فِی الْاَذْهَانِ اَوْ لِاَنَّهٗ يَنْكَشِفُ صُوْرَتُهٗ عَلَى الْمَيِّتِ وَالْاَوَّلُ مُخْتَارُ شَيْخِ الْاِسْلَامِ ابْنِ الْحَجَرِ الْعَسْقَلَانِيِّ.(۲)

اشارہ یا تو نبی ﷺ کا ذہنوں میں حاضر ہونے کی وجہ سے کیا جاتا ہے یا اس لئے کہ حضور ﷺ کی صورت بے مثل کو میت پر ظاہر کیا جاتا ہے۔ شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانی نے پہلی بات کو پسند کیا ہے۔

حاشیہ مشکوٰۃ میں ہے:

قِيْلَ يُكْشَفُ لِلْمَيِّتِ حَتّٰى يَرَى النَّبِيَّ ﷺ وَ هِيَ بُشْرٰى عَظِيْمَةٌ لِلْمُؤْمِنِ اِنْ اَصَحَّ ذٰلِكَ.(۳)

(۱) شرح العقائد النسفية: ۱۰۰　(۲) النبراس: ۳۱۹　(۳) المشكوة: ۲۴ حاشیہ ۱۵

کہا جاتا ہے کہ میت کے آگے سے حجاب دور کیا جاتا ہے یہاں تک کہ وہ نبی ﷺ کو دیکھ لیتا ہے اور یہ تو مؤمن کے لئے خوشخبری ہے اگر صحیح ہو۔

راقم السطور عرض کرتا ہے کہ سورج جب طلوع ہوتا ہے تو جو شخص جہاں کہیں ہو وہ اس کو اپنے سر پر دیکھتا ہے تو اسی طرح آفتاب رسالت ﷺ اپنی قبر شریف میں جلوہ افروز ہوتے ہیں تو ہر مردہ پردہ دور ہونے کی بنا پر سرکار کو اپنی جگہ سے دیکھ لیتا ہے اور یہ ممکن ہے لہذا خوش ہونا چاہیے۔

اے اللہ ہمیں اپنے رسول کریم ﷺ کی زیارت سے مشرف فرما۔ آمین۔

خیال رہے کہ قبر سے مراد عالم برزخ ہے لہذا پانی میں غرق ہو یا حیوانات کے پیٹ میں کھایا ہوا ہو یا جو ہوا میں سولی دیا گیا ہو اس کو بھی عذاب دیا جاتا ہے اگرچہ ہم اس پر مطلع نہ ہوسکیں کیونکہ ہم عالم برزخ کے حالات کا مشاہدہ نہیں کرسکتے۔

جو میت صندوق وغیرہ میں رکھ کر ایک جگہ سے دوسری جگہ تک لے جائی جاتی ہے اس سے سوال دفن کرنے کے بعد ہوں گے یا پہلے؟ اس بارہ میں علماء کی مختلف آراء ہیں۔

حضرت امام سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

بِاَنَّ الْمَيِّتَ اِذَا نُقِلَ لَا يُسْئَلُ حَتّٰى يُدْفَنَ. (حاشیہ قواعد العقائد ٦٤)

کہ جو میت ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کی جائے تو سوال نہیں کئے جائیں گے یہاں تک کہ وہ دفن کیا جائے۔

تکمیل الایمان اور توضیح العقائد وغیرہ میں ہے کہ جہاں میت کو دفن کر کے آدمیوں کی غیبوبت ہوگی وہاں سوال منکر ونکیر ہوگا اس سے پہلے نہ ہوگا۔

صاحب خلاصہ اور بزازی نے اپنے فتاویٰ میں تصریح کردی ہے کہ سوال، دفن کے

بعدنہیں غیبوبت کے بعد ہوں گے۔ (انتھی)

حاشیہ شرح عقائد میں ہے۔

وَ لَوْ مَاتَ رَجُلٌ فِی الْقَرْیَةِ فَجَعَلُوْهُ فِی التَّابُوْتِ لِیَحْمِلُوْهُ اِلٰی بَلَدٍ اٰخَرَ مَتٰی یُسْأَلُ فِی الْقَبْرِ اَمْ فِی التَّابُوْتِ قَالَ الْفَقِیْهُ اَبُوْ جَعْفَرَ الْبَلْخِیُّ یُسْأَلُ فِی التَّابُوْتِ لِاَنَّهٗ کَالْقَبْرِ وَ قَالَ اَبُوْ بَکْرِ الْاَعْمَشُ لَا یُسْأَلُ مَالَمْ یُدْفَنْ لِاَنَّ الْاٰثَارَ وَرَدَتْ فِیْ سُؤَالِ الْمُنْکَرِ وَالنَّکِیْرِ فِی الْقَبْرِ. (حاشیة شرح العقائد النسفیة ٩٩)

اور اگر کوئی شخص گاؤں میں مرجائے اور لوگ اسے کسی اور شہر میں لے جانے کے لئے تابوت میں رکھیں تو اس سے قبر میں یا تابوت میں کب سوال ہوگا؟ فقیہ ابوجعفر بلخی نے فرمایا اس سے تابوت میں سوال ہوگا کیونکہ وہ قبر کی طرح ہے اور ابوبکر اعمش نے فرمایا کہ اس سے اس وقت تک سوال نہ ہوگا جب تک اسے دفن نہ کیا جائے کیونکہ آثار، قبر میں منکر اور نکیر کے سوال میں وارد ہوئے ہیں۔

جسم سے روح کا تعلق:

مرنے کے بعد بھی روح کا تعلق بدن انسانی اور جسم سے باقی رہتا ہے اگر چہ روح بدن سے جدا ہوگئی مگر بدن پر جو کچھ گزرے گی روح ضرور اس پر آگاہ اور متاثر ہوگی جس طرح حیات دنیا میں ہوتی ہے بلکہ اس سے زائد روح بدن سے نکل جانے کے بعد آزاد ہو جاتی ہے چنانچہ علامہ علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اِنَّ النُّفُوْسَ الزَّکِیَّةَ الْقُدْسِیَّةَ اِذَا تَجَرَّدَتْ عَنِ الْعَلَائِقِ الْبَدَنِیَّةِ عَرَجَتْ وَاتَّصَلَتْ بِالْمَلَاءِ الْاَعْلٰی وَ لَمْ یَبْقَ لَهَا حِجَابٌ فَتَرَی الْکُلَّ کَالْمُشَاهِدِ بِنَفْسِهَا اَوْ بِاِخْبَارِ لِلْمَلَکِ لَهَا. (المرقاة ٢:٣٤٢)

بے شک پاک جانیں جب علائق بدن سے جدا ہوتی ہیں تو چڑھ جاتی ہیں اور عالم بالا سے مل جاتی ہیں اور ان کے لئے کوئی پردہ نہیں رہتا تو دیکھتی ہیں بذات خود حاضر کی طرح یا فرشتے کے خبر دینے سے کہ ان کو خبر دی ہے۔

یعنی روح کی قوت زیادہ ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ بدن کی قید سے آزاد ہو جاتی ہے اور اس کے قرب وبعد کا مسئلہ نہیں رہتا ہے۔ روح زائر کو کہتی ہے۔

مرازنده پندار چون خویشتن
من آیم بجان گر تو آئی بتن

علامہ ابن قیم (متوفی ۷۵۱ھ) کتاب الروح میں جسم سے روح کے تعلقات کے بارے میں لکھتے ہیں کہ روح کے جسم سے پانچ قسم کے تعلقات ہیں اور ہر تعلقات کا جداگانہ حکم ہے۔

(١) رحم میں بھی روح کا جسم سے تعلق ہو جاتا ہے۔

(٢) دوسرا تعلق دنیا میں آنے کے بعد ہوتا ہے۔

(٣) تیسرا تعلق نیند کی حالت میں ہوتا ہے کہ جسم سے ایک صورت سے تعلق بھی ہے اور ایک صورت سے مفارقت بھی۔

(٤) چوتھا تعلق برزخ میں ہوتا ہے کیونکہ اگر چہ مرنے کے بعد روح جسم سے علیحدہ ہوکر آزاد ہو جاتی ہے مگر ایسی علیحدگی نہیں ہوتی ہے کہ ذرا سا بھی تعلق باقی نہ رہے۔

(٥) پانچواں تعلق زندگی بعد الموت ہوگا وہ سب سے گہرا اور مکمل تعلق ہوگا۔ (١)

(١) کتاب الروح اردو :٩٩

وَالبَعثُ حَقٌّ. وَالوَزنُ حَقٌّ وَالكِتَابُ حَقٌّ. وَالسُّؤَالُ حَقٌّ. وَ الحَوضُ حَقٌّ. وَالصِّرَاطُ حَقٌّ.

اورمرنے کے بعد زندہ ہونا حق ہے اور نامہ اعمال کا وزن حق ہے اور نامہ اعمال کا ہاتھوں میں دیا جانا حق ہے اور سوال حق ہے اور حوض کوثر حق ہے اور پل صراط سے گزرنا حق (۱) ہے۔

احوال محشر

شرح: حضرت مصنف رحمۃ اللہ علیہ احوال برزخ (قبر) کے بیان کرنے کے بعد احوال محشر اور منازل محشر کا ذکر فرماتے ہیں۔

چنانچہ علامہ سعد الدین تفتازانی عالم قبر اور عالم حشر کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں

وَاعلَم اَنَّهُ لَمَّا كَانَ اَحوَالُ القَبرِ مِمَّا هُوَ مُتَوَسِّطٌ بَينَ اُمُورِ الدُّنيَا وَالاٰخِرَةِ اَفرَدَهَا بِالذِّكرِ ثُمَّ اشتَغَلَ بِبَيَانِ حَقِيقَةِ الحَشرِ وَ تَفَاصِيلِ مَا يَتَعَلَّقُ بِاُمُورِ الاٰخِرَةِ وَ دَلِيلُ الكُلِّ اَنَّهَا اُمُورٌ مُمكِنَةٌ اَخبَرَ بِهَا الصَّادِقُ وَ نَطَقَ بِهَا الكِتَابُ وَالسُّنَّةُ فَتَكُونُ ثَابِتَةً وَ صَرَّحَ بِحَقِّيَةِ كُلٍّ مِنهَا تَحقِيقًا وَ تَاكِيدًا وَ اِعتِنَاءً بِشَانِهِ. (شرح العقائد النسفیه ۱۰۲،۱۰۱)

اور جاننا چاہیے کہ جب قبر کے احوال امور دنیا اور آخرت کے متوسط (درمیان) تھے اسی لئے ان کو احوال برزخ کہا جاتا ہے تو مصنف نے ان کا ذکر حشر سے الگ وجدا کیا ہے پھر اس کے بعد حشر کے برحق ہونے اور ان باتوں کی تفاصیل کا بیان شروع کیا ہے جن کا تعلق آخرت کے کاموں سے ہے اور ہر ایک کی دلیل یہ ہے کہ وہ تمام امور ممکن ہیں کہ ان سب کی خبر صادق ﷺ نے دی ہے اور کتاب وسنت ان کے ساتھ ہیں (احوال کا ذکر قرآن و حدیث میں آ گیا ہے) تو وہ سب امور ثابت ہیں اور مصنف نے ان میں سے ہر ایک کے حق

ہونے کی تحقیق اور تاکیدی طور پر تصریح اور ان کے لائق توجہ ہونے کی صراحت کی ہے۔

تو فرمایا: والبعث حق اور مرنے کے بعد جی اٹھنا حق (ثابت) ہے کہ قیامت کے دن سب مردوں کو قبروں سے ان کے تمام اجزاء اصلیہ کے ساتھ مع ارواح اٹھایا جائے گا اور اپنے اجساد واجسام کے زندہ ہونا ہی حشر جسمانی ہے انسان دنیا میں جس روح وبدن کے ساتھ تھا اسی روح بدن کے ساتھ میدان حشر میں آئے گا کسی اور بدن میں نہیں ہوگا۔

حضرت امام غزالی رحمہ اللہ تعالی نے حشر جسمانی کے منکر کو کافر قرار دیا ہے۔(۱)

علامہ سعد الدین تفتازانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَ هُوَ اَن يَّبعَثَ اللّٰهُ تَعَالٰى المَوتٰى مِنَ القُبُورِ بِاَن يَّجمَعَ اَجزَاءَهُمُ الاَصلِيَّةَ وَ يُعِيدَ الاَروَاحَ اِلَيهَا. (۲)

اور بعث یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مردوں کو قبروں سے با ایں طور ان کے اجزاء اصلیہ کے ساتھ جمع فرمائے گا اور روحوں کو جسموں کے طرف لوٹا دے گا اور یہ حق ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ثُمَّ اِنَّكُم يَومَ القِيٰمَةِ تُبعَثُونَ﴾ (۳)

پھر قیامت کے دن تم یقیناً اٹھائے جاؤ گے۔

اب تمام امور آخرت اور احوال محشر کو باہتمام الگ الگ اختصاراً بیان کیا جاتا ہے تاکہ امور آخرت کی تصویر سامنے آ جائے۔

چنانچہ فرمان خداوندی ہے:

﴿وَ اَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّا رَيبَ فِيهَا وَ اَنَّ اللّٰهَ يَبعَثُ مَن فِي القُبُورِ﴾ (۴)

(۱) المنقذ من الضلال (۲) شرح العقائد النسفیه: ۱۰۲

(۳) [المومنون ۲۳:۱۶] (۴) [الحج ۲۲:۷]

اوراس لئے کہ قیامت آنے والی ہے اس میں کوئی شک نہیں اور یہ کہ اللہ اٹھائے گا ان سب کو جو قبروں میں ہیں۔

﴿......اَنَّ وَعْدَاللّٰهِ حَقٌّ وَّ اَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيْهَا ج ......﴾ [الکھف ۱۸: ۲۱]

کہ اللہ کا وعدہ حق ہے اور قیامت میں کوئی شک نہیں۔

پہلی بار صور میں پھونکا جائے گا:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں کیسے خوشی کروں حالانکہ صور والا فرشتہ ہاتھ میں صور لئے ہوئے اپنے کان حکم خداوندی کی طرف لگائے ہوئے ہے اور اپنی پیشانی جھکائے ہوئے ہیں اور انتظار کررہے ہیں کہ کب پھونکنے کا حکم دیا جاتا ہے لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ (ﷺ) ہم کو آپ کیا حکم دیتے ہیں؟ فرمایا:

حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيْل. (۱)

ہمیں اللہ کافی ہے اور کیا ہی اچھا کارساز ہے۔

﴿وَ نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ط......﴾ [زمر ۳۹: ۶۸]

اور صور پھونکا جائے گا تو سب بیہوش ہوجائیں گے جو آسمانوں میں اور جو زمینوں میں ہیں مگر جسے اللہ چاہے۔

جب پہلی مرتبہ صور میں پھونکا جائے گا تو سب پر بیہوشی طاری ہوجائے گی اور سب فنا ہوجائیں گے۔

(۱) الترمذیٰ، ابواب صفۃ القیامۃ، باب ما جاء فی الصور، ح: ۲

المشکوۃ المصابیح، باب النفخ فی الصور، الفصل الثانی ص: ۴۸۲

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿...... كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ ط......﴾ (۱)

اس کی ذات کے سوا ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے۔

﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۞ وَّ يَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ۞﴾ (۲)

جو بھی زمین پر ہے سب کو فنا ہے۔ اور باقی ہے آپ کے رب کی ذات جو عظمت اور بزرگی والا ہے۔

عمدۃ الاسلام میں شرح امالی کے حوالہ سے مرقوم ہے کہ جنت، دوزخ، عرش، کرسی، لوح، قلم اور ارواح فنا نہیں ہونگی۔

اور حدیث میں ہے کہ انسان کے بدن میں ایک ہڈی ہے جس کو عجب الذنب کہتے ہیں وہ فنا نہیں ہوتی بلکہ سلامت رہتی ہے۔ اور اسی سے دوبارہ انسان ترکیب دیا جائے گا وہی انسان کے اصلی اجزاء ہیں۔

نفخہ ثانیہ برائے احیاء:

جب دوسری مرتبہ صور پھونکا جائے گا تو مردے قبروں سے زندہ ہوکر میدان حشر کی طرف جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿...... ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ ۞ وَ اَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا وَوُضِعَ الْكِتٰبُ وَ جِاْيْٓءَ بِالنَّبِيّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ وَ قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَ هُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۞﴾ (۳)

(۱) [القصص ۲۸: ۸۸] (۲) [الرحمٰن ۵۵: ۲۷-۲۶] (۳) [الزمر ۳۹: ۶۹-۶۸]

پھر دوبارہ صور پھونکا جائے گا تو اچانک وہ کھڑے ہوں گے دیکھتے ہوئے۔ اور چمک اٹھے گی زمین اپنے رب کے نور سے اور کتاب رکھ دی جائے گی اور لایا جائے گا (تمام) نبیوں اور (سب) گواہوں کو اور لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا اور ان پر کچھ ظلم نہ کیا جائے گا۔

ارشاد خداوندی ہے:۔

﴿وَ نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَإِذَا هُمْ مِنَ الْاَجْدَاثِ اِلٰى رَبِّهِمْ يَنْسِلُوْنَ ۞ قَالُوْا يٰوَيْلَنَا مَنْ م بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا م هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَ صَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ ۞ اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ ۞﴾ (۱)

اور صور پھونک دیا جائے گا تو اچانک وہ قبروں سے اپنے رب کی طرف تیزی سے چلنے لگیں گے۔ کہیں گے ہائے ہماری تباہی ہماری خواب گاہ سے ہمیں کس نے اٹھا دیا ہے یہ ہے جس کا وعدہ فرمایا رحمٰن نے اور رسولوں نے سچ فرمایا۔ وہ نہ ہو گی مگر ایک سخت آواز تو اسی وقت وہ سب ہمارے پاس حاضر کر دیئے جائیں گے۔

حدیث نبویؐ میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ان دونوں صوروں کے درمیان چالیس سال کا فاصلہ ہوگا۔ (۲)

میدان حشر میں لوگ ننگے بدن ہوں گے:

حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا تمہیں قیامت کے دن اس حال میں اٹھایا جائے گا کہ تم ننگے پاؤں، ننگے بدن اور بے ختنہ ہو گے اس کے بعد بطور دلیل یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔

(۱) [یٰس ۳۶: ۵۱-۵۲-۵۳] (۲) قرطبی، ۱۹: ۱۹۵

﴿كَمَا بَدَاْنَاۤ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ ؕ وَعْدًا عَلَيْنَا ؕ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ ۞﴾ (۱)

جیسے پہلے ہم نے آفرینش کی ابتداء کی تھی (اسی طرح) ہم پھر اس کا اعادہ کریں گے ہم پر یہ وعدہ ہے ہم اسے ضرور پورا کرنے والے ہیں۔

پھر آپ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن ان لوگوں میں سب سے پہلے جس شخص کو لباس پہنایا جائے گا وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ (۲)

یعنی رسول اللہ ﷺ کے علاوہ سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لباس پہنایا جائے گا یہ اولیت حقیقی نہیں ہے بلکہ اضافی ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ قیامت کے دن لوگوں کو ننگے پاؤں اور ننگے بدن جمع کیا جائے گا۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا مرد عورت سب کا یہی حال ہوگا وہ آپس میں ایک دوسرے کو دیکھیں گے؟ فرمایا: اے عائشہ اس دن کا معاملہ اس سے کہیں زیادہ سخت ہولناک ہوگا کہ کوئی کسی کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھے۔ (۳)

معلوم ہوا کہ میدان حشر میں لوگ ننگے ہونے کے باوجود ایک دوسرے کی نگاہ سے

(۱) [الانبیاء ۲۱: ۱۰۴]

(۲) صحیح البخاری، کتاب الانبیاء، باب قول الله تعالی واتخذوا ابراهیم خلیلا، ح: ۱

صحیح للمسلم، کتاب الجنة و صفة نعیمها، باب فناء الدنیا ح: ٥

المشکوة، باب الحشر، الفصل الاول: ٤٨٣

(۳) صحیح البخاری، کتاب الرقاق، باب الحشر، ح: ٦

صحیح للمسلم، کتاب الجنة و صفة نعیمها، باب فناء الدنیا، ح: ۲

المشکوة، باب الحشر، الفصل الاول، ص: ٤٨٣

بے ستر نہیں ہوں گے پھر معاملہ آخرت کا ہے دنیا کا نہیں ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

كُلُّ ابنِ آدَمَ يَأكُلُهُ التُّرَابُ اِلَّا عَجبَ الذَّنَبِ ، مِنهُ خُلِقَ وَ فِيهِ يُرَكَّبُ (۱)

ابن آدم کو مٹی کھا جاتی ہے سوائے عجب الذنب کے کہ اس سے انسان کو پیدا کیا گیا اور اسی میں ترکیب دیا جائے گا۔ (آخرت میں ترکیب دیا جائے گا)

وَ لَيسَ مِنَ الاِنسَانِ شَیْءٌ اِلَّا يَبلٰی ، اِلَّا عَظمًا وَاحِدًا وَ هُوَ عَجبُ الذَّنَبِ ، وَ مِنهُ يُرَكَّبُ الخَلقُ يَومَ القِيَامَةِ . (۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ انسان کے بدن وجسم کی کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو پرانی اور بوسیدہ نہ ہو جاتی ہو (یعنی گل سڑ کر ختم نہ ہو جاتی ہو) علاوہ ایک ہڈی کے جس کو عجب الذنب کہتے ہیں اور قیامت کے دن ہر انسان کو اسی ہڈی سے مرکب کیا جائے گا۔

اس حدیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ انسان کے اجزاء اصلیہ ختم نہیں ہوتے پھر دوبارہ انہیں اجزاء سے پیدا ہوگا۔

شرح عقائد میں ہے:

لِاَنَّ الـمَعَادَ اِنَّمَا هُوَالاَجزَاءُ الاَصلِيَّةُ البَاقِيَةُ مِن اَوَّلِ العُمُرِ اِلٰی آخِرِهِ وَالاَجزَاءُ المَاْكُولَةُ فُضلَةٌ فِي الآكِلِ لا اَصلِيَّةٌ . (شرح العقائد النسفیہ: ۱۰۳)

(۱) صحیح للمسلم ، کتاب الفتن ، باب ما بین النفختین ، ح : ۲

ابو داوٗد ، کتاب السنة ، باب ذکر البعث والصور ، ح : ۲

(۲) صحیح البخاری ، کتاب التفسیر ، سورہ عم عم یتساء لون (النبا) ، ح : ۱

صحیح للمسلم ، کتاب الفتن ، باب ما بین النفختین ، ح : ۱

یہ اس لئے کہ جن کو لوٹایا جائے گا وہ اجزاء اصلیہ ہوں گے جو اول عمر سے آخر عمر تک باقی رہیں گے اور اجزاء ماکولہ آکل میں زائد ہیں اصلی نہیں۔

میزان عدل:

اور وزن (تولنا) حق ہے یعنی قیامت کے دن میدان حشر میں وزن اعمال حق ہے چنانچہ ارشاد خداوندی ہے:

﴿وَالوَزنُ يَومَئِذِ نِ الحَقُّ ج فَمَن ثَقُلَت مَوَازِينُهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ المُفلِحُونَ ۞ وَمَن خَفَّت مَوَازِينُهُ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوٓا اَنفُسَهُم بِمَا كَانُوا بِاٰيٰتِنَا يَظلِمُونَ ۞﴾ (۱)

اور اس دن اعمال کا وزن کرنا حق ہے پھر جن کے (نیکی کے) پلڑے بھاری ہوئے تو وہی کامیاب ہیں۔ اور جن کے (نیکی کے) پلڑے ہلکے ہوئے تو وہی ہیں جنہوں نے اپنی جانوں کو خسارے میں ڈالا اس وجہ سے کہ وہ ہماری آیتوں کے ساتھ ظلم کرتے تھے۔

﴿فَمَن ثَقُلَت مَوَازِينُهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ المُفلِحُونَ ۞ وَمَن خَفَّت مَوَازِينُهُ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوٓا اَنفُسَهُم فِي جَهَنَّمَ خٰلِدُونَ ۞﴾ (۲)

تو جن (کی ترازو) کے پلے بھاری ہوئے وہی فلاح پانے والے ہوں گے۔ اور جن (کی ترازو) کے پلے ہلکے ہوئے تو وہی ہوں گے جنہوں نے اپنی جانوں کو نقصان میں ڈالا وہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔

﴿وَنَضَعُ المَوَازِينَ القِسطَ لِيَومِ القِيٰمَةِ فَلَا تُظلَمُ نَفسٌ شَيئًا ط وَاِن كَانَ مِثقَالَ حَبَّةٍ مِّن خَردَلٍ اَتَينَا بِهَا ط وَكَفٰی بِنَا حٰسِبِينَ ۞﴾ (۳)

(۱) [الاعراف ۷:۸-۹] (۲) [المؤمنون ۲۳:۱۰۲-۱۰۳] (۳) [الانبیاء ۲۱:۴۷]

اور قیامت کے دن ہم انصاف کی ترازوئیں رکھیں گے تو کسی شخص پر کچھ ظلم نہ ہوگا اور اگر (کسی کا عمل) رائی کے دانہ کے برابر ہوتو ہم اسے (بھی) لے آئیں گے۔ اور ہم کافی ہیں حساب لینے والے۔

﴿فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ ۞ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ۞ وَ اَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ ۞ فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ ۞﴾ (۱)

توجس (کی نیکی) کے پلڑے بھاری ہوں گے۔ تو وہ پسندیدہ عیش میں ہوگا۔ اور جس (کی نیکی) کے پلڑے ہلکے ہوں گے۔ تو اس کا ٹھکانہ ہاویہ ہوگا۔

اعمال نامہ:

اور نامہ عمل حق ہے اور یہاں کتاب سے مراد وہ عمل کا دفتر اور رجسٹر ہے جس میں فرشتے بندوں کی نیکی اور بدی کو لکھتے رہتے ہیں یعنی نامہ اعمال میں سب کچھ درج ہوگا ہر شخص کو دیا جائے گا اور اس کو پڑھے گا ان پڑھ بھی پڑھ لے گا اور جو کچھ نیکی اور بدی اس میں ہوگی وہ معصوم فرشتوں کی تحریر ہوگی۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَ اِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ ۞ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ ۞ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ۞﴾ (۲)

اور بے شک تم پر ضرور نگہبان (مقرر) ہیں۔ معزز (فرشتے) لکھنے والے۔ وہ جانتے ہیں جو تم کرتے ہو۔

﴿مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ ۞﴾ [ق ۵۰:۱۸]

وہ زبان سے کوئی بات نہیں کہتا مگر اس کے پاس (اس کا) نگہبان لکھنے کے لئے تیار

(۱) [القارعہ ۱۰۱: ۹-۸-۷-۶]　(۲) [الانفطار ۸۲: ۱۲-۱۱-۱۰]

ہوتا ہے۔

لہذا جو کچھ دنیا میں فرشتے لکھتے رہے وہ نامہ اعمال حق ہے اور اس کو میدان حشر میں پیش کیا جائے گا۔

اور اس کا ثبوت قرآن کریم میں ہے:

﴿وَ كُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ ؕ وَ نُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰهُ مَنْشُوْرًا ۞ اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ؕ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا ۞﴾ (۱)

اور ہر انسان کی قسمت کا لکھا ہم نے اس کی گردن میں ڈال دیا اور ہم اس کے لئے قیامت کے دن ایک نوشتہ نکالیں گے جسے وہ کھلا ہوا پائے گا۔ اپنا نامہ اعمال پڑھ لے آج تو خود ہی اپنا حساب کرنے کے لئے کافی ہے۔

﴿وَ وُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَ يَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّ لَا كَبِيْرَةً اِلَّا اَحْصٰىهَا ۚ وَ وَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ؕ وَ لَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ۞﴾ (۲)

اور نامہ اعمال رکھ دیا جائے گا تو (اے محبوب) آپ دیکھیں گے کہ مجرم اس سے ڈر رہے ہوں گے جو اس میں ہے اور کہیں گے ہائے کم بختی ہماری اس نوشتۂ اعمال کو کیا ہوا کہ نہ اس نے کوئی چھوٹا (گناہ) چھوڑا اور نہ بڑا مگر سب کو گھیر لیا اور جو کچھ انہوں نے کیا تھا (سب کچھ) اپنے سامنے موجود پائیں گے اور آپ کا رب کسی پر ظلم نہیں کرتا۔

نامہ اعمال کا ملنا:

﴿فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ ۞ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا ۞ وَّ يَنْقَلِبُ

(۱) [الاسراء ۱۷: ۱۴-۱۳]　(۲) [الکہف ۱۸: ۴۹]

اِلٰی اَھْلِہٖ مَسْرُوْرًا ۞ وَ اَمَّا مَنْ اُوْتِیَ کِتٰبَہٗ وَرَآءَ ظَھْرِہٖ ۞ فَسَوْفَ یَدْعُوْا ثُبُوْرًا ۞ وَّ یَصْلٰی سَعِیْرًا ۞﴾ [الانشقاق ۸۴:۱۲-۱۱-۱۰-۹-۸-۷]

پھر جس کا اعمال نامہ اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے۔ تو اس سے عنقریب بہت آسان حساب لیا جائے گا۔ اور وہ اپنے کنبے والے (مؤمنین) کی طرف خوشی خوشی واپس آئے گا۔ اور جس کا اعمال نامہ اس کی پیٹھ کے پیچھے سے دیا جائے گا۔ تو عنقریب وہ اپنی ہلاکت طلب کرے گا۔ اور بھڑکتی آگ میں جا پہنچے گا۔

اللہ تعالیٰ نہیں بھولتا:

﴿یَوْمَ یَبْعَثُھُمُ اللّٰہُ جَمِیْعًا فَیُنَبِّئُھُمْ بِمَا عَمِلُوْا ط اَحْصٰہُ اللّٰہُ وَنَسُوْہُ ط وَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَھِیْدٌ ۞﴾ [المجادلہ ۵۸:۶]

جس دن اللہ ان سب کو اٹھائے گا پھر انہیں خبر دے گا ان کے سب کاموں کی اللہ نے ان سب کو محفوظ فرمالیا ہے اور وہ انہیں بھول چکے ہیں اور اللہ ہر چیز پر نگہبان ہے۔

سوال وجواب:

اور سوال برحق ہے یعنی اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بندوں سے پوچھے گا اور سوال فرمائے گا کہ دنیا میں نیکی وبدی کرتے تھے اور دیگر ظاہری باطنی نعمتوں کے بارے میں سوال ہوگا اور یہ باز پرس حق ہے اور قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔

﴿فَلَنَسْئَلَنَّ الَّذِیْنَ اُرْسِلَ اِلَیْھِمْ وَلَنَسْئَلَنَّ الْمُرْسَلِیْنَ ۞ فَلَنَقُصَّنَّ عَلَیْھِمْ بِعِلْمٍ وَّ مَا کُنَّا غَآئِبِیْنَ ۞﴾ [الاعراف ۷:۷-۶]

تو بیشک ہم ان لوگوں سے ضرور پوچھیں گے جن کی طرف رسول بھیجے گئے اور بیشک ہم رسولوں سے ضرور پوچھیں گے۔ تو ہم ضرور بیان کریں گے ان پر (ان کے احوال) اپنے علم

سے اور ہم (ان سے) غائب نہ تھے۔

﴿ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ یَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِیْمِ ۞﴾ [التکاثر ۱۰۲:۸]

پھر بیشک اس دن نعمتوں کے بارے میں ضرور تم سے پوچھا جائے گا۔

سوال کرنا، شمار کرنا اور حساب لینا کتاب وسنت سے ثابت ہے اور ان کا الگ الگ ذکر کرنے کی ضرورت نہیں اس لئے عقائد نسفی میں حساب کا ذکر نہیں کیا گیا ہے مگر قرآن مجید میں اس کا ذکر متعدد مقام پر کیا گیا ہے۔

چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿فَسَوْفَ یُحَاسَبُ حِسَابًا یَّسِیْرًا ۞﴾ [الانشقاق ۸۴:۸]

تو اس سے عنقریب بہت آسان حساب لیا جائے گا۔

﴿اِنَّ اِلَیْنَآ اِیَابَھُمْ ۞ ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا حِسَابَھُمْ ۞﴾ [الغاشیہ ۸۸:۲۶-۲۵]

بیشک ہماری ہی طرف ان کا پلٹنا ہے۔ پھر بیشک ہم (ہی) پر ان کا حساب ہے۔

﴿......وَ اِنْ تُبْدُوْا مَا فِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اَوْ تُخْفُوْہُ یُحَاسِبْکُمْ بِہِ اللّٰہُ ط......﴾ (۱)

اور اگر تم ظاہر کرو اس چیز کو جو تمہارے دلوں میں ہے یا اسے چھپاؤ اللہ تم سے اس کا حساب لے گا۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

لَا تَزُوْلُ قَدَمَا ابْنِ آدَمَ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ مِنْ عِنْدِ رَبِّہٖ حَتّٰی یُسْأَلَ عَنْ خَمْسٍ: عَنْ عُمُرِہٖ فِیْمَا اَفْنَاہُ، وَ عَنْ شَبَابِہٖ فِیْمَا اَبْلَاہُ، وَ عَنْ مَالِہٖ مِنْ اَیْنَ اکْتَسَبَہٗ وَ فِیْمَا اَنْفَقَہٗ وَ مَا ذَا عَمِلَ فِیْمَا عَلِمَ. (۲)

---

(۱) [البقرہ ۲:۲۸۴]

(۲) الترمذی، ابواب صفۃ القیامۃ، باب فی القیامۃ، ح:۲

قیامت کے دن انسان اس وقت تک کھڑا رہے جب تک اس سے پانچ باتوں کے بارے میں سوال نہ کیا جائے۔ (۱) اس نے اپنی عمر کس کام میں صرف کی؟ (۲) اپنی جوانی کو کس کام میں بوسیدہ کیا؟ (۳) اس نے مال کہاں سے کمایا (۴) اور کہاں خرچ کیا؟ (۵) اور اس نے اپنے علم کے مطابق کیا عمل کیا۔

حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ مؤمن کے قریب ہوگا اور اس کو اپنے نورانی پردے سے ڈھانپ کر فرمائے گا تو فلاں گناہ کو جانتا ہے پس بندہ کہے گا ہاں میرے رب حتی کہ بندہ کو سب گناہوں کا اقرار کرے گا۔ بندہ دل میں یقین کرے گا کہ اب ہلاکت ہے مگر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میں نے ان گناہوں کو دنیا میں تجھ پر پوشیدہ رکھا اور آج بھی تجھ کو بخش دوں گا پس اس کو نامہ اعمال عطا فرمائے گا اور کافر منافقوں کے متعلق برملا اعلان کیا جائے گا کہ یہ وہ ہیں جنہوں نے اپنے رب پر جھوٹ کہا۔ اللہ کی لعنت ہے ظالموں پر۔

حوض کوثر:

اور حوض برحق ہے یعنی رسول اللہ ﷺ کے لئے میدان حشر میں ایک حوض ہوگا اس کو کوثر کہتے ہیں اور حوض کوثر کا ذکر اس آیت میں ہے۔

﴿اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ﴾ [الکوثر ۱۰۸:۱]

(اے حبیب) بے شک ہم نے آپ کو خیر کثیر عطا فرمائی۔

اصل میں کوثر، خیر کثیر کو کہتے ہیں اور کبھی لفظ کوثر اس حوض پر بھی بولا جاتا ہے جو رسول اللہ ﷺ کے لئے ہے اور خیر کثیر میں داخل ہے اور لفظ حوض کے معنی پانی کا جمع ہونا اور بہنا ہے یہاں حوض سے مراد (نہر) ہے جو قیامت کے دن رسول اللہ ﷺ کے لئے خاص ہے

اور اس کے اوصاف میں رسول اللہ ﷺ کے متعدد ارشادات ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر ؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا: میرا حوض (کوثر) ایک ماہ کی مسافت کے بقدر دراز ہے اور اس کے چاروں کنارے برابر ہیں (یعنی لمبائی چوڑائی میں مربع ہیں) اور اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید، اس کی بو مشک سے زیادہ خوشبودار ہے اور اس کے آب خورے (برتن) چمک دمک اور کثرت و زیادتی کے اعتبار سے آسمان کے ستاروں کی طرح ہیں اور جو شخص اس کا پانی پی لے گا پھر کبھی پیاس نہ لگے گی۔ (۱)

حضرت انس ؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول ﷺ کی خدمت میں درخواست کی کہ قیامت کے دن میری شفاعت فرمائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اچھا میں شفاعت کر دوں گا میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ کو میدان حشر میں کہاں تلاش کروں؟ اور آپ مجھے کہاں ملیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: سب سے پہلے پل صراط پر تلاش کرنا۔ میں نے عرض کیا کہ اگر آپ پل صراط پر نہ مل پائیں۔ فرمایا: تو پھر میزان کے پاس تلاش کرنا۔ میں نے عرض کیا اگر میزان کے پاس بھی نہ ملیں فرمایا تو پھر حوض پر تلاش کرنا میں ان تینوں جگہوں کو چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گا۔ (۲)

یعنی میں زیادہ تر تین جگہوں میں ہوں گا۔

عقائد اسلامیہ میں ہے:

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب الرقاق، باب فی الحوض ح :٥

صحیح للمسلم، کتاب الفضائل، باب اثبات حوض نبینا و صفاته، ح :٦

المشکوة، باب الحوض والشفاعة، الفصل الاول، ٤٨٧

(۲) جامع الترمذی، کتاب صفة القیامة، باب ما جاء فی شأن الصراط، ح :٢

المشکوة، باب الحوض والشفاعة، الفصل الثانی، ٤٩٣

اِنَّ لِکُلِّ نَبِيٍّ حَوْضًا يَشْرَبُ هُوَ وَ اُمَّتُهُ مِنْهُ بَعْدَ الْمَوْقِفِ وَ قَبْلَ دُخُوْلِ الْجَنَّةِ وَ لِنَبِيِّنَا حَوْضٌ كَذٰلِكَ . (العقائد الاسلامیہ ۲۸)

بے شک ہر نبی کے لئے ایک حوض ہوگا وہ خود اور ان کی امت اس سے پانی پیئے گی۔ موقف کے بعد اور دخول جنت سے قبل ہوگا اور ہمارے نبی کیلئے بھی اسی طرح حوض ہوگا

عَنْ سَمُرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِنَّ لِكُلِّ نَبِيٍّ حَوْضًا وَ اِنَّهُمْ يَتَبَاهَوْنَ اَيُّهُمْ اَكْثَرُ وَارِدَةً وَ اِنِّيْ اَرْجُوْ اَنْ اَكُوْنَ اَكْثَرَهُمْ وَارِدَةً . (۱)

حضرت سمرۃ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر نبی کو حوض عطا ہوگا۔ پس تمام انبیاء آپس میں فخر کریں گے کہ کس کے حوض پر زیادہ آدمی آتے ہیں اور مجھے امید ہے کہ سب سے زیادہ آدمی میرے حوض پر آئیں گے۔

پل صراط:

اور پل صراط حق ہے۔ صراط ایک پل ہے جو کہ جہنم کی پشت پر کھینچا ہوا بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہے جنتی لوگ اس پر سے گزر جائیں گے اور دوزخیوں کے پاؤں پھسل جائیں گے۔ (شرح العقائد النسفیہ: ۱۰۵)

﴿....فَاهْدُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطِ الْجَحِيْمِ ۞ وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَسْئُوْلُوْنَ ۞﴾ (۲)

پھر ان سب کو دوزخ کی راہ پر لے چلو۔ اور (ذرا) انہیں ٹھہراؤ بیشک ان سے پوچھا جائے گا۔

﴿وَ اِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا﴾ [مریم۱۹:۷۱]

(۱) الجامع الترمذی، کتاب صفة القیامة، باب ما جاء فی صفة الحوض، ح: ۲

المشکوۃ، باب الحوض والشفاعة، الفصل الثانی، ۴۹۳

(۲) [الصفت۳۷:۲۴-۲۳]

اور تم سے کوئی نہیں مگر وہ ضرور دوزخ پر گزرے گا آپ کے رب پر یہ بات قطعی فیصلہ کی ہوئی ہے۔

ایمان والے پل صراط سے سلامتی کے ساتھ اپنے اعمال کے اعتبار سے گزر جائیں گے اور گزرتے ہوئے دعا کریں گے۔

عَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: شِعَارُ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الصِّرَاطِ: رَبِّ سَلِّمْ سَلِّمْ .

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن پل صراط پر گزرتے وقت اہل ایمان کی علامت یہ دعائیہ الفاظ ہوں گے۔

رَبِّ سَلِّمْ سَلِّمْ اے پروردگار بچاؤ بچاؤ۔ (۱)

اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ مَسْعُوْدٍ حَدَّثَهُمْ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: يَرِدُ النَّاسُ النَّارَ ، ثُمَّ يَصْدُرُوْنَ عَنْهَا بِاَعْمَالِهِمْ ، فَاَوَّلُهُمْ كَلَمْحِ الْبَرْقِ، ثُمَّ كَالرِّيْحِ ، ثُمَّ كَحُضْرِ الْفَرَسِ ، ثُمَّ كَالرَّاكِبِ فِيْ رَحْلِهِ ، ثُمَّ كَشَدِّ الرَّجُلِ ، ثُمَّ كَمَشْيِهِ. (۲)

حضرت عبداللہ مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لوگ آگ پر حاضر ہوں گے پھر اپنے اعمال کے مطابق نجات پائیں گے (پل صراط سے بآسانی گزر جائیں گے) ان میں افضل بجلی کی طرح گزر جائیں گے۔ پھر ہوا کی طرح پھر گھوڑے کی دوڑ کی مانند، پھر اپنے اونٹ پر سوار کی مانند پھر آدمی کے دوڑنے کی مانند، پھر وہ لوگ پیدل چلنے والے کی مانند گزریں گے۔

معلوم ہوا کہ پل صراط پر گزرنے والے اپنے اپنے اعمال کے اعتبار سے گزر جائیں گے اور انہیں کوئی پریشانی نہیں ہوگی اور بعض لوگ تیزی سے گزر جائیں گے اور پل صراط پر سخت اندھیرا ہوگا اور ایمان کی روشنی کے سوا کوئی روشنی نہیں ہوگی۔

(۱) جامع الترمذی، کتاب صفة القیامة، باب ما جاء فی شأن الصراط، ح: ۱

(۲) جامع الترمذی، کتاب تفسیر القرآن، باب ۱۹ سورہ مریم، ح: ۵

وَالْجَنَّةُ حَقٌّ. وَالنَّارُ حَقٌّ. وَ هُمَا مَخْلُوْقَتَانِ مَوْجُوْدَتَانِ

اور جنت حق ہے اور دوزخ حق ہے اور وہ دونوں پیدا کی ہوئی ہیں وہ دونوں موجود (۱) ہیں۔

جنت ودوزخ:

شرح: ۱جنت حق ہے کیونکہ اس کے موجود اور حق ہونے کے متعلق بہت سی آیتیں اور متعدد حدیثیں وارد ہیں اس میں اختلاف ہے کہ جنت کہاں ہے؟ اکثر کا خیال ہے کہ جنت عرش کے نیچے ہے۔

اس کی تائید اس ارشاد باری تعالی سے ہوتی ہے:

﴿ وَ لَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰی ۞عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰی ۞عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰی ۞﴾ (۱)

اور بے شک انہوں نے اسے دوسری بار ضرور دیکھا۔ سدرۃ المنتہٰی کے قریب۔ اس کے پاس جنت الماوٰی ہے۔

﴿كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْاَبْرَارِ لَفِیْ عِلِّیِّیْنَ ۞﴾ (۲)

حق یہ ہے کہ بیشک نیکی کرنے والوں کا نامۂ اعمال ضرور (ساتویں آسمان کے اوپر) علیین میں ہے۔

نبی کریم ﷺ نے معراج کی شب جنت کی سیر فرمائی۔

حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا علیہا السلام کا جنت میں رہنا اور پھر وہاں سے باہر تشریف لانا مخلوق اور موجود ہونے کی دلیل ہے اللہ تعالی نے جنت کے مخلوق اور پیدا ہونے کا ذکر اس آیت شریفہ میں بیان فرمایا ہے۔

(۱) [النجم ۵۳: ۱۵-۱۴-۱۳]　(۲) [المطففین ۸۳: ۱۸]

﴿......اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ۞﴾ [آل عمران ۳: ۱۳۳]

تیار کی گئی ہے پرہیزگاروں کے لئے۔

قرآن وحدیث سے چار جنتیں ثابت ہوتی ہیں۔

سورہ رحمٰن میں ہے:

﴿وَ لِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ۞﴾ [الرحمن ۵۵: ۴۶]

اور جو اپنے رب کے سامنے پیش ہونے کا خوف رکھتا ہو اس کے لئے دو جنتیں ہیں۔

ان کا وصف بیان کر کے پھر فرمایا:

﴿وَ مِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ ۞﴾ [الرحمن ۵۵: ۶۲]

اور ان دونوں (باغوں) کے سوا دو باغ ہیں۔

حضرت ابوموسیٰ ؓ سے بخاری وترمذی نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دو بہشتوں کے زیور اور سارا سامان چاندی ہے اور دو بہشتوں کا سونے کا ہے جنت کے آٹھ طبقے ہیں۔

(۱) جنت عدن　(۲) جنت الفردوس　(۳) جنت الخلد　(۴) جنت نعیم

(۵) جنت الماوٰی　(۶) دار السلام　(۷) دار القرار　(۸) دار المقامہ

اسی طرح جنت کے آٹھ دروازے ہیں۔

جس طرح جنت مخلوق وموجود ہے اسی طرح دوزخ بھی مخلوق موجود ہے۔

اللہ تعالی فرماتا ہے:

﴿......اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ۞﴾ [البقرہ ۲: ۲۴]

تیار کی گئی ہے کافروں کے لئے۔

اور کفار کے حق میں فرمایا:

﴿......اُولٰٓئِکَ اَصۡحٰبُ النَّارِ ج هُمۡ فِیۡهَا خٰلِدُوۡنَ۝﴾ [البقرہ٢:٣٩]

وہ دوزخی ہیں وہ ہمیشہ اسی میں رہیں گے۔

دوزخ کے سات طبقے ہیں۔

(١) جہنم (٢) لظی (٣) سعیر (٤) حطمہ

(٥) سقر (٦) جحیم (٧) ان سب کے نیچے حاویہ ہے۔

اَللّٰهُمَّ احۡفَظۡنَا مِنۡ عَذَابِ النَّارِ بِحُرۡمَةِ سَیِّدِ الۡاَبۡرَارِ وَ اَدۡخِلۡنَا فِیۡ جَنَّةِ الۡقَرَارِ۔ اٰمِیۡن

بَاقِیَّتَانِ لَا تَفۡنِیَانِ وَلَا یَفۡنٰی اَهۡلُهُمَا

(جنت اور دوزخ) دونوں باقی ہیں دونوں فنا نہیں ہوں گی اور نہ ان دونوں کے رہنے والے فنا ہوں گے (١)۔

جنت دوزخ فنا نہیں ہوں گی۔

شرح: ١ کیونکہ ان کی نسبت حق تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے:

﴿......خٰلِدِیۡنَ فِیۡهَاۤ اَبَدًا......﴾ [النساء٤:٥٧]

وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

وہ اس میں یعنی کفار دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے اور ایماندار جنت میں۔

﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کَانَتۡ لَهُمۡ جَنّٰتُ الۡفِرۡدَوۡسِ نُزُلًا۝ خٰلِدِیۡنَ فِیۡهَا لَا یَبۡغُوۡنَ عَنۡهَا حِوَلًا۝﴾ [الکهف١٩:١٠٨]

بیشک وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے ان کے لئے فردوس کے باغوں کی مہمانی ہے۔ وہ ہمیشہ ان میں رہیں گے ان سے اپنی جگہ بدلنا نہ چاہیں گے۔

جنت میں انہیں طرح طرح کی نعمتیں ملیں گی جن کا ذکر قرآن کریم میں یوں آیا ہے:

﴿......وَ فِیۡهَا مَا تَشۡتَهِیۡهِ الۡاَنۡفُسُ وَ تَلَذُّ الۡاَعۡیُنُ ج......۝﴾ [الزخرف٤٣:٧١]

اور وہاں وہ ہر چیز ہوگی جسے ان کے لئے دل چاہیں اور آنکھیں لذت چاہیں۔

نیز ایک مقام میں ارشاد ربانی ہے:

﴿......اُولٰٓئِکَ اَصۡحٰبُ الۡجَنَّةِ ج هُمۡ فِیۡهَا خٰلِدُوۡنَ ۝﴾ [البقرہ٢:٨٢]

وہ جنتی ہیں اس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

اصحاب دوزخ کو دوزخ میں کئی قسم کے عذاب ملیں گے، جیسا کہ فرمان باری ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِينَ فِي نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِينَ فِيهَا ط......﴾ [البينة ٩٨:٦]

بیشک وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اہل کتاب میں سے اور شرک کرنے والے (سب) جہنم کی آگ میں ہوں گے اس میں ہمیشہ رہے گے۔

وَالْكَبِيرَةُ لَا تُخْرِجُ الْعَبْدَ الْمُؤْمِنَ مِنَ الْإِيمَانِ وَلَا تُدْخِلُهُ فِي الْكُفْرِ

اور گناہ کبیر (۱) نہیں نکالتا بندہ مومن کو ایمان (۲) سے۔ نہ داخل کرتا ہے اس کو کفر میں۔

مرتکب گناہ کبیرہ کافر نہیں۔

شرح: ا کہ گناہ کبیرہ وہ ہے جس کے کرنے پر شرع میں حد آئی ہو یا عذاب کی وعید اس کے ارتکاب پر قرآن وحدیث میں آئی ہو یا شرع میں اس پر کفر کا اطلاق ہوا ہو۔ جیسے اس حدیث میں ہے:

مَنْ تَرَكَ الصَّلٰوةَ مُتَعَمِّدًا فَقَدْ كَفَرَ جِهَاراً. (۱)

کہ جس نے جان بوجھ نماز کو چھوڑا بیشک وہ کھلم کھلا کافر ہو گیا۔

کہ اس نے کفار جیسے فعل کا ارتکاب کیا ہے۔

یا اس کے ممنوع ہونے پر دلیل قطعی موجود ہو اس سے ہتک حرمت دین کی مقصود ہو اور جس میں یہ بات نہ ہو وہ صغیرہ گناہ ہے۔ یہاں گناہ کبیرہ سے مراد غیر کفر ہے اگرچہ کبیرہ کا اطلاق کفر پر بھی آیا ہے۔ (مصباح العقائد)

گناہ کبیرہ کی تعداد:

ان کی تعداد میں مختلف روایات ہیں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ گناہ نو ہیں۔

(۱) الجامع الصغير، امام جلال الدين سيوطی ص: ۵۲۱ ح: ۸۵۸۷

(١) اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا   (٢) کسی جان کو ناحق قتل کرنا

(٣) پاک دامن عورت پر زنا کی تہمت لگانا   (٤) زنا کرنا

(٥) میدان جنگ سے بھاگنا   (٦) جادو کرنا

(٧) یتیم کا مال کھانا   (٨) مسلمان ماں باپ کی نافرمانی کرنا

(٩) حرم شریف میں کوئی گناہ کرنا۔

حضرت ابو ہریرہ ؓ کی روایت میں ایک اور گناہ کا اضافہ ہے۔

(١٠) سود کھانا

اور حضرت علی ؓ نے دو اور گناہوں کا ذکر کیا ہے:

(١١) چوری کرنا   (١٢) شراب پینا۔ (شرح العقائد النسفیہ ١٠٨)

(٢) اس واسطے کہ تصدیق ایمان کی حقیقت ہے وہ باقی ہے۔

لِبَقَاءِ التَّصْدِيْقِ الَّذِىْ هُوَ حَقِيْقَةُ الْاِيْمَانِ. (شرح العقائد النسفیہ ١٠٨)

خوارج کا عقیدہ یہ ہے کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب کافر ہے اور معتزلہ کے نزدیک نہ وہ کافر ہے اور نہ مؤمن ان دونوں کے درمیان ہے۔ مگر اہل سنت و جماعت کے نزدیک گناہ کبیرہ کرنے والا کافر نہیں ہے بلکہ مومن ہے کیونکہ آیات واحادیث میں کبیرہ کرنے والے پر مؤمن کا اطلاق ہوا ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِى الْقَتْلٰى ط......﴾ [البقرہ ٢:١٧٨]

اے ایمان والو فرض کیا گیا تم پر بدلہ ان لوگوں کے خون کا جو (ناحق) قتل کئے جائیں۔

اس آیت میں قاتل مومن کو خطاب ہے قصاص تو اس پر فرض ہوتا ہے جو جان بوجھ کر نفس محرمہ کو قتل کرے۔

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْۤا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا ط...... ۞﴾ [التحریم ٦٦:٨]

اے ایمان والو اللہ کی طرف صاف دل سے خالص توبہ کرلو۔

اور توبہ کا حکم تو گناہ کی وجہ سے دیا جاتا ہے۔

﴿وَ اِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا......﴾ [الحجرات ٤٩:٩]

اور اگر ایمان والوں کی دو جماعتیں آپس میں قتال کریں۔

اور مسلمانوں کا آپس میں جنگ کرنا گناہ کبیرہ ہے مگر اس کے باوجود مومن فرمایا۔

اور تمام امت مسلمہ کا اتفاق ہے کہ مرتکب گناہ کبیرہ کی نماز جنازہ جائز ہے اور اسی لئے نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے اور جن آیات واحادیث میں مرتکب کبیرہ پر کفر کا اطلاق ہوا ہے وہاں ایک تو ظاہر معنی مراد نہیں ہیں کیونکہ نصوص قطعیہ یقینیہ سے ثابت ہے کہ مرتکب کبیرہ مؤمن ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ جن آیات واحادیث میں مرتکب کبیرہ کو کافر و فاسق کہا گیا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ وہ گناہ کبیرہ کو حلال جانتے یا ہلکا سمجھ کر کرے تو یہ موجب کفر ہے اسی طرح ترک نماز کو جائز یا ہلکا سمجھنے والا کافر ہے۔ لہذا مَنْ تَرَكَ الصَّلٰوةَ مُتَعَمِّدًا فَقَدْ كَفَرَ. میں ظاہری معنی مراد نہیں ہے۔

وَاللّٰهُ تَعَالٰی لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِهٖ وَ یَغْفِرُ مَادُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ مِنَ الصَّغَائِرِ وَالْکَبَائِرِ.

اور اللہ تعالیٰ نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ شرک (۱) کیا جائے اور بخشتا ہے سوائے اس (گناہ) کے جس کو چاہے چھوٹے اور بڑے گناہوں سے (۲)۔

مشرک کے سوا سب کی نجات ممکن ہے۔

شرح: ا شرک کا معنی یہ ہے کہ کسی غیر کو الوہیت کا شریک (برابر) سمجھے جیسا کہ مجوس دو خدا مانتے ہیں یا استحقاق عبادت غیر اللہ کے لئے بھی ثابت کرے جیسا کہ بت پرست کرتے ہیں۔

چنانچہ شرح العقائد النسفیہ میں مرقوم ہے۔

اَلْاِشْتِرَاکُ هُوَ اِثْبَاتُ الشَّرِیْکِ فِی الْاُلُوْهِیَّةِ بِمَعْنٰی وُجُوْبِ الْوُجُوْدِ کَمَا لِلْمَجُوْسِ اَوْ بِمَعْنٰی اِسْتِحْقَاقِ الْعِبَادَةِ کَمَا لِعَبَدَةِ الْاَصْنَامِ. (۱)

شرک، الوہیت بمعنی واجب الوجود ہونے میں شریک ماننا ہے جیسا کہ مجوس کا شرک یا عبادت کا مستحق ہونے میں شریک ماننا جیسا کہ بت پرستوں کا شرک۔

اور شرع میں شرک کفر کے معنی میں بھی آیا ہے۔ شرک کے سوا دوسرے کبیرہ گناہوں کی مغفرت مشیت خداوندی پر ہے۔

رب تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِهٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ ج وَ مَنْ

(۱) شرح العقائد النسفیه :۷۸

یُّشْرِکْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰٓی اِثْمًا عَظِیْمًا ﴾ [النساء ٤:٤٨]

بے شک اللہ نہیں بخشتا اس بات کو کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور بخش دیتا ہے جو اس سے کم ہو جس کے لئے چاہے اور جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا تو بیشک اس نے بہت بڑے گناہ کا بہتان باندھا۔

ایک اور مقام میں ارشاد ربانی ہے:

﴿...... وَ مَنْ یُّشْرِکْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِیْدًا﴾ [النساء ٤:١١٦]

اور جو (کسی کو) اللہ کا شریک بنائے تو بیشک وہ بھٹک گیا پرلے درجے کی گمراہی میں۔

اگر مشرک توبہ کر کے مرجائے تو بخشا جائے گا مگر بغیر توبہ مر گیا تو ہرگز بخشش نہیں ہوگی۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَ صَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ثُمَّ مَاتُوْا وَ هُمْ کُفَّارٌ فَلَنْ یَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ﴾ [محمد ٤٧:٣٤]

بے شک جنہوں نے کفر کیا اور اللہ کی راہ سے (لوگوں کو) روکا پھر مرے اس حال میں کہ وہ کافر تھے تو اللہ ہرگز انہیں نہ بخشے گا۔ اور اللہ کا فرمان ہے:

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَ مَاتُوْا وَ هُمْ کُفَّارٌ اُولٰٓئِکَ عَلَیْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِکَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ ﴿ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ج ......﴾ [البقره ٢:١٦٢-١٦١]

بے شک وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور وہ کافر ہونے کی حالت میں مر گئے وہ لوگ ہیں کہ ان پر اللہ کی لعنت ہے اور فرشتوں کی اور سب لوگوں کی۔ ہمیشہ اس میں رہیں گے۔

خیال رہے جس میں مطلقاً ایمان نہ ہو اور موجبات ایمانی کا علی الاعلان منکر ہو اسے کافر کہتے ہیں۔ جو ایمان کا اظہار کرے اور قلب میں کفر مضمر ہو اس کو منافق کہتے ہیں۔ جو

ایمان کے بعد کفر کی طرف عود کر جائے (لوٹ جائے) اسے مرتد کہتے ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ لاشریک کو ایک نہ جانے بلکہ اس کے ساتھ دوسرے کو شریک ٹھہرائے اسے مشرک کہتے ہیں۔ جو زمانہ کو قدیم مانتا ہو اور اسنادِ حوادث زمانہ کی طرف کرتا ہو اسے دہریہ کہتے ہیں۔ جو نبوت کا معترف ہو اظہار شرع بھی کرتا ہو اور زمانہ کو قدیم کہتا ہو اس کو زندیق کہتے ہیں اور ملحد وہ ہے جو اللہ کے وجود کا انکار کرے۔

(۴) کفر اور شرک کے سواء خواہ دوسرے گناہوں سے توبہ کرے یا نہ کرے اللہ تعالیٰ بخش دے گا مگر یہ بخشش اس کی مشیت پر ہے۔

تمام امت کا اجماع ہے کہ وعدہ و وعید کی دو قسمیں ہیں۔ وعدہ یعنی اللہ تعالیٰ نے ثواب اور نعمت دینے کا وعدہ اپنے بندوں سے فرمایا ہے اس میں ہرگز خلاف نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿...... اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ۞﴾ [ال عمران ۳:۹]

یقیناً اللہ وعدہ خلافی نہیں فرماتا۔

وعید کا مطلب عذاب کی دھمکی اور اس کا وعدہ ہے تو بعض اشاعرہ نے یہ گمان کیا ہے کہ اس میں درگزر کرنا لطف و کرم اور مہربانی جائز ہے اور کہتے ہیں کہ خلف وعدہ میں کذب قبیح ہے اور خلف وعید میں لطف و مہربانی ہے کہ بے شک جب بادشاہ کسی مجرم پر غصہ کرتا ہے اور اس کو ڈراتا ہے پھر اس کو معاف بھی کر دیتا ہے تو یہ معاف کر دینا پسندیدہ ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے عذاب کی وعید فرمائی ہے۔ پھر مجرموں کو معاف کر دینا اس کا لطف و کرم ہے اور یہی مذہب صوفیائے کرام کا بھی ہے کہ خلف وعید جائز ہے۔ مگر محققین نے فرمایا کہ وعید میں بھی خلاف نہیں ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں تبدیلی آتی ہے۔

﴿مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ وَ مَآ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ۞﴾ (۱)

میرے حضور (میری) بات بدلی نہیں جاتی اور نہ میں بندوں پر ظلم کرنے والا ہوں۔

اس ارشاد گرامی سے معلوم ہوا کہ خلف وعید بھی جائز نہیں ہے۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَاب

علامہ سعد الدین مسعود تفتازانی علیہ الرحمہ مسئلہ خلف وعید پر یوں روشنی ڈالتے ہیں:

وَ زَعَمَ بَعْضُهُمْ اَنَّ الْخُلْفَ فِي الْوَعِيْدِ كَرَمٌ فَيَجُوْزُ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى وَالْمُحَقِّقُوْنَ عَلٰى خِلَافِهِ كَيْفَ وَ هُوَ تَبْدِيْلٌ لِلْقَوْلِ وَ قَدْ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى ﴿مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ......﴾ (۲)

اہل سنت میں سے بعض نے گمان کیا ہے کہ وعید کا خلاف کرم ہے پس اللہ تعالیٰ کی طرف سے جائز ہے اور محققین اس کے خلاف ہیں یہ کیسے ہو سکتا ہے حالانکہ یہ قول کی تبدیلی ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میرے حضور (میری) بات بدلی نہیں جاتی۔

سوال: بعض یہ کہتے ہیں کہ خلاف وعدہ کے اندر نقصان تو ہے اور وعید میں کرم اور لطف ہے یہ کہنا ان کا کیسا ہے؟

جواب: یہ بھی خلاف عقل ہے کیونکہ خلافِ خبر مطلقاً نقصان ہے خواہ نیک ہو خواہ بد۔ کلام کے اندر کذب اور خلاف ہونا بڑا نقصان ہے۔

---

(۱) [ق ۵۰:۲۹]

(۲) [ق ۵۰:۲۹] (شرح العقائد النسفیه ۱۱۴،۱۱۳)

وَ يَجُوْزُ الْعِقَابُ عَلَى الصَّغِيْرَةِ وَالْعَفْوُ عَنِ الْكَبِيْرَةِ اِذَا لَمْ تَكُنْ عَنِ اسْتِحْلَالٍ وَالْاِسْتِحْلَالُ كُفْرٌ.

اور جائز (۱) ہے عذاب دینا چھوٹے گناہ پر اور معاف کر دینا بڑے (گناہ) کو جب کہ نہ کیا ہو حلال سمجھ کر اور حلال جاننا گناہ کو کفر (۲) ہے۔

جواز عذاب بر گناہ صغیرہ وعفواز گناہ کبیرہ

شرح: (۱) خواہ مرتکب گناہ صغیرہ کا گناہ کبیرہ سے اجتناب اور احتراز کرتا ہو یا نہ کیونکہ صغیرہ گناہ بھی اس فرمان کے تحت آتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ج﴾ (۱)

اور بخش دیتا ہے جو اس سے کم ہو جس کے لئے چاہے۔

نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّ لَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰهَا ج﴾ (۲)

نہ اس نے کوئی چھوٹا (گناہ) چھوڑا اور نہ بڑا مگر سب کو گھیر لیا۔

﴿فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۞ وَ مَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۞﴾ (۳)

تو جو ذرّہ بھر نیکی کرے وہ اسے دیکھے گا۔ اور جو ذرّہ بھر برائی کرے وہ اسے دیکھے گا

(۲) اور گناہ کے معاف ہونے کی امید تب ہے کہ انہیں حلال نہ سمجھتا ہو۔ گناہ کو حلال سمجھا کفر ہے کیونکہ اس میں تصدیق قلبی کی تکذیب ہے جس پر ایمان کا اطلاق کیا جاتا ہے اور گناہ کو

(۱) [النساء ٤:٤٨] (۲) [الکہف ١٨:٤٩] (۳) [الزلزال ٩٩:٨-٧]

حلال سمجھ کر کرنا کفر ہے۔ وَ اِسْتِحْلَالُ الْمَعْصِيَةِ كُفْرٌ.

اور یہاں سے ایک مشہور اشکال بھی حل ہو جاتا ہے جو ان آیات سے پیدا ہوتا ہے جن میں مرتکب صغیرہ کو بھی ہمیشہ آگ میں رہنے والا فرمایا گیا اور ان سے ایمان کی صفت سلب کی گئی ہے کہ وہ اس چھوٹے گناہ کو حلال سمجھتے ہیں کیونکہ اس کو حلال سمجھنا یہی کفر ہے۔

نیز خلود کا معنی لمبا اور طویل عرصہ ٹھہرنا بھی آتا ہے اسی طرح جیسے حدیث میں فرمایا کہ وہ مومن نہیں جو امانت دار نہیں مطلب یہ کہ وہ کامل مومن نہیں ہے۔

سوال: جب ایمان کی حقیقت تصدیق قلبی ہے تو استحلال معصیت (گناہ) کو کفر کیوں کہا گیا۔

جواب: اس لئے کہ معصیت (گناہ) کو حلال سمجھنا تکذیب ہے اور تکذیب تصدیق کے منافی ہے اور اجتماع نقیضین محال ہے لہذا تصدیق ختم ہوگئی اس لئے اس کو کفر کہا گیا۔

وَالشَّفَاعَةُ ثَابِتَةٌ لِلرُّسُلِ وَالْاَخْيَارِ فِیْ حَقِّ اَهْلِ الْكَبَائِرِ.

اور اہل کبائر کے لئے رسولوں اور نیک بندوں کی شفاعت (۱) (حدیث مشہورہ سے) ثابت ہے۔

شفاعت

شرح: ۱ شفاعت بنا ہے شفع سے بمعنی ملنا اور جڑا ہو۔ اس کے مقابل وتر ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَّالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ﴾ (۱)

اور (قسم) جفت اور طاق کی۔

شفیع وہ جو قیامت میں گنہگاروں سے مل کر اپنے سینے سے لگا لے اب اس کا ترجمہ ہوتا ہے سفارش۔

شفاعت دو قسم کی ہے شفاعت کبریٰ (عظمیٰ) اور شفاعت صغریٰ۔

شفاعت کبریٰ صرف حضور ﷺ کریں گے اس شفاعت کا فائدہ ساری خلقت حتی کہ کفار کو بھی پہنچے گا۔ اس شفاعت کی برکت سے حساب کتاب شروع ہو جائے گا اور قیامت کے میدان سے نجات ملے گی یہ شفاعت قیامت کے اول وقت ہوگی جب کہ عدل خداوندی کا ظہور ہوگا۔ حضور ﷺ ہی شفاعت کریں گے اس وقت کوئی نبی اس کی جرأت نہ فرمائے گا۔ (۲)

شفاعت صغریٰ اللہ کے سب نیک بندے کریں گے قرآن مجید ماہ رمضان کے روزے بھی شفاعت کریں گے۔

اقسام شفاعت: شفاعت کی بہت سی قسمیں بیان کی گئی ہیں۔ بعض نے ۸، بعض

(۱) [الفجر ۸۹:۳] (۲) مرقاۃ ۷: ۴۰۳

نے ۹ اور بعض نے ۱۳ قسمیں بیان کی ہیں۔

رسول اللہ ﷺ شفاعت کبریٰ کے علاوہ بھی متعدد بار شفاعت فرمائیں گے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿...... وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ وَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ ط...... ﴾ [محمد ۴۷: ۱۹]

اور آپ (امت کی تعلیم استغفار کے لئے) اپنے (بظاہر) خلاف اولیٰ کاموں کی بخشش چاہیں اور ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں (کے گناہوں) کے لئے معافی طلب کریں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اُعْطِيْتُ الشَّفَاعَةَ. (۱)

مجھے تو مرتبہ شفاعت عطا کیا گیا ہے۔

حضرت انس ﷺ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

شَفَاعَتِیْ لِاَهْلِ الْكَبَائِرِ مِنْ اُمَّتِیْ. (۲)

میری شفاعت میری امت کے کبیرہ گناہ کرنے والوں کے لئے ہے۔

(۱) بخاری ، کتاب التیمم ، باب :۱ ح : ۲

مسلم ، کتاب المساجد و مواضع الصلاۃ ، ح :۳،

مشکوۃ ، باب فضائل سید المرسلین ، الفصل الاول ، ص :۵۱۲

الدارمی ، کتاب الصلاۃ ، باب الارض کلها طهور ما خلا المقبرة ، ح :۱۳۸۹، ص: ۲۳۸

(۲) جامع الترمذی ، کتاب صفة القیامة ، باب منه (حدیث شفاعتی لاجل الکبائر) ح : ۱

سنن ابو داوٗد ، کتاب السنة ، باب فی الشفاعة ، ح : ۱

سنن ابن ماجه ، کتاب الزهد ، باب ذکر الشفاعة ، ح : ۴

اسی طرح دوسرے نیک لوگ شفاعت کریں گے مثلاً انبیاء، شہداء، اتقیاء، صلحا اور علماء وغیرہ۔ اور رسول اللہ ﷺ کے صفاتی ناموں میں ایک نام ''شفیع المذنبین'' بھی ہے یعنی گنہگاروں کی شفاعت فرمانے والے۔

امام بوصیری علیہ الرحمہ کیا خوب فرماتے ہیں:

هُوَالْحَبِيْبُ الَّذِيْ تُرْجٰى شَفَاعَتُهٗ

لِكُلِّ هَوْلٍ مِّنَ الْاَهْوَالِ مُقْتَحِمِ

وہی ہیں اللہ کے ایسے حبیب کہ ان کی شفاعت کی امید ہے ہر ایک خوف کے وقت جو آنے والے خوف ہیں۔

حضرت جابر ؓ سے روایت ہے کہ بیشک نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا:

اَنَا قَائِدُالْمُرْسَلِيْنَ وَ لَا فَخْرَ، وَ اَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ وَ لَا فَخْرَ، وَ اَنَا اَوَّلُ شَافِعٍ وَ اَوَّلُ مُشَفَّعٍ وَ لَا فَخْرَ.(۱)

میں رسولوں کا قائد ہوں گا کوئی فخر کی بات نہیں اور میں سب نبیوں سے آخری نبی ہوں کوئی فخر نہیں اور میں سب سے پہلے شفاعت کرنے والا ہوں اور میری شفاعت قبول کی جائے گی اور کوئی فخر کی بات نہیں۔

والا خیار، خیّر کی جمع ہے یا کی تشدید کے ساتھ اور یہاں اخیار سے مراد فرشتے، صلحا اور شہداء ہیں۔

حضرت عثمان غنی ؓ سے روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا:

عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ : يَشْفَعُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ثَلَاثَةٌ :

(۱)سنن الدارمی، المقدمة، باب ما اعطی النبی من الفضل، ح ۴۹ ـ ص: ۲۴

المشکوة، باب فضائل سید المرسلین، الفصل الثانی، ص: ۵۱۴

اَلْاَنْبِيَاءُ ثُمَّ الْعُلَمَاءُ ثُمَّ الشُّهَدَاءُ. (۱)

قیامت کے دن تین قسم کے لوگ شفاعت کریں گے۔

(۱) انبیاء کرام (۲) علماء ربانی (۳) شہداء۔

اور اسی طرح اللہ کے نیک دیگر بندے بھی شفاعت کریں گے مگر شفاعت کبریٰ کا تاج رسول اللہ ﷺ کے سر اقدس پر ہی رکھا جائے گا۔

(۱) سنن ابن ماجه، كتاب الزهد، باب ذكر الشفاعة، ح: ۷

وَاَهْلُ الْكَبَائِرِمِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَا يَخْلُدُوْنَ فِيْ النَّارِوَاِنْ مَّاتُوْا مِنْ غَيْرِ تَوْبَةٍ.

اور کبیرہ گناہ(۱) کرنے والے ایماندار دوزخ میں ہمیشہ نہیں رہیں گے اگر چہ بغیر توبہ کئے مر جائیں۔

مرتکب گناہ کبیرہ ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہیں گے۔

شرح: ؁ الکبائر کبیرہ کی جمع ہے بمعنی بڑے بڑے گناہ یعنی کبیرہ گناہوں کے مرتکب مسلمان ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہیں گے اگر چہ توبہ کئے بغیر مر جائیں کیونکہ دوزخ میں ہمیشہ رہنا کفر کا خاصہ ہے خواہ وہ شرک ہو یا انکار نبوت یا انکار احکام ہو۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ﴾ [الزلزال ۹۹:۸۔۷]

تو جو ذرہ بھر نیکی کرے وہ اسے دیکھے گا۔

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ توحید رسالت کا اقرار اعلیٰ درجہ کی نیکی ہے جو موجب برأت اور باعث ثواب ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَعَدَاللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنّٰتٍ......﴾ [التوبہ ۹:۷۲]

اللہ نے مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں سے جنتوں کا وعدہ فرمایا۔

اور جن نصوص میں گنہگار مومن کے متعلق خُلُوْد فِی النَّار (ہمیشہ دوزخ میں رہنا) آیا ہے ان سے دوام وہمیشگی مراد نہیں ہے بلکہ مدت طویل مراد لی جاتی ہے کہ عاصی مسلمان ایک عرصہ دوزخ میں رہیں گے مگر ہمیشہ نہیں رہیں گے یہ اہل سنت و جماعت کا عقیدہ ہے کہ کبیرہ گناہ کرنے والا مومن ہے اور اگر اسی اساس پر وہ آگ میں داخل کیا گیا تو اس کو اس کے گناہ کے برابر سزا دی جائے گی پھر اس کو دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل کیا جائے گا۔

وَالْاِيْمَانُ هُوَ التَّصْدِيْقُ بِمَا جَآءَ بِهِ الرَّسُوْلُ ﷺ مِنْ عِنْدِاللّٰهِ وَالْاِقْرَارُ بِهٖ.

اور ایمان(۱) دل سے سچا ماننا ہے ان چیزوں کا جن کو نبی ﷺ اللہ کی طرف سے لائے اور ان کا اقرار کرنا ہے۔

ایمان کی تعریف اور اس کی حقیقت

شرح: ؁ جمہور محققین کا مسلک یہ ہے کہ ایمان صرف تصدیق قلبی کا نام ہے زبانی اقرار صرف دنیاوی احکام کے اجراء کے لئے شرط کیا گیا ہے کیونکہ تصدیق قلبی ایک پوشیدہ چیز ہے اس کے لئے کوئی نہ کوئی علامت ضرور ہونی چاہیے نتیجہ یہ نکلا کہ جو شخص دل سے تصدیق کرتا ہو مگر زبان سے اقرار نہ کرے تو وہ عنداللہ مؤمن ہے اگر چہ احکام دنیا میں اس کو مؤمن نہ کہا جائے گا۔ اسی طرح جو زبان سے اقرار کرتا ہو مگر دل میں تصدیق قلبی موجود نہ ہو (جیسا کہ منافق کیا کرتے تھے) تو مخلوق کے نزدیک مؤمن ہے مگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ کافر ہے، دنیاوی احکام میں اس کو مؤمن کہا جائے گا اور یہی صرف ایمان تصدیق قلبی ہے۔

حنفیہ میں سے امام المتکلمین شیخ ابو منصور ماتریدی علیہ الرحمہ کا مختار ہے اور نصوص بھی (یعنی آیتیں وحدیثیں) اس کی مؤید ومقوی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان صرف تصدیق قلبی کا نام ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿......اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ......﴾ [المجادلہ ۵۸:۲۲]

یہ ہیں وہ لوگ جن کے دلوں میں (اللہ نے) ایمان ثبت فرما دیا۔

﴿......وَ قَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّ ۢ بِالْاِیْمَانِ......﴾ [النحل ۱۶:۱۰۶]

اوراس کا دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہے۔

﴿......وَ لَمَّا یَدْخُلِ الْاِیْمَانُ فِیْ قُلُوْبِكُمْ ط......﴾ [الحجرات ۴۹:۱۴]

اور ابھی تک ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ ایمان کی تعریف اوراس کی حقیقت بیان کرتے ہوئے ارشادفرماتے ہیں:

دراصل ایمان کی حقیقت تو وہی تصدیق قلبی ہے اور زبان سے اقرار کرنا ظاہر میں اجراء احکام کے لئے اس پر ایک علامت ہے کیونکہ زبان دل کی ترجمان ہوتی ہے ہاں اگر کوئی شخص گونگا ہو یا کسی شخص پر کلمہ کفر کہنے کی خاطر جبر واکراہ کیا جائے یا یہ صورت ہو کہ اسے زبان سے اقرار کرنے کی فرصت اور مہلت ہی نہ ملی ہو اور وہ صرف دل ہی سے تصدیق کر سکا ہو اور پھر فوت ہو گیا ہو تو اس صورت میں صحت ایمان کے لئے زبان سے اقرار کرنا شرط نہیں ہوگی۔

جمہور محدثین کے نزدیک ایمان تین چیزوں کا نام ہے۔

اول: دل سے تصدیق کرنا   دوم: زبان سے اقرار کرنا

سوم: عمل صالح کرنا۔

یہ کہتے ہیں کہ

اَلْاِیْمَانُ تَصْدِیْقٌ بِالْقَلْبِ وَ اِقْرَارٌ بِاللِّسَانِ وَعَمَلٌ بِالْاَرْکَانِ.

یعنی ایمان دل سے تصدیق کرنے، زبان سے اقرار کرنے اور ارکان پر عمل کرنے کو کہتے ہیں۔حقیقت میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

کامل ایمان وہی ہے جو وہ کہتے ہیں اور بے عمل آدمی کا ایمان ناقص ہوتا ہے لیکن یہ

یادرہے کہ اصل ایمان کو ایک درخت کے مشابہ سمجھنا چاہیے جس کا تنا تصدیق قلبی ہے اور اعمال وطاعات جو اس تصدیق کے ثمرات اور نتائج ہیں بمنزلہ ٹہنیوں، پتوں اور پھل کے ہیں جس درخت کی ٹہنیاں، پتے اور پھل نہ ہوں تو اس پر درخت کا نام مکمل طور پر صادق نہیں آئے گا۔ (تکمیل الایمان ۹۱)

ایک اعتبار سے ایمان دومعنوں میں آتا ہے چنانچہ صاحب مرام الکلام فرماتے ہیں کہ عرف شرع میں ایمان کا اطلاق دومعنوں پر ہوتا ہے ان میں سے ایمان کا ایک معنی تصدیق اور اقرار ہے اور یہ ایمان ابدی اور دائمی عذاب سے نجات دلانے والا ہے اور اس کا نتیجہ وثمرہ اور فائدہ دائمی ثواب حاصل کرنا ہے۔ علم کلام اور فقہ کی کتابوں میں یہی معنی متداول ومروج اور مستعمل ہے اور یہ ایمان ایسے کفر کے مقابلہ میں ہے جو دخول جنت کو حرام کرنے والا اور دائمی عذاب کی طرف دھکیل کر لے جانے والا ہے۔

ایمان کا دوسرا معنی فرائض وسنن آداب اور اخلاق میں شارع ﷺ کی اطاعت و پیروی کرنا ہے اور حرام ومکروہ چیزوں کے استعمال کرنے سے پرہیز کرنا ہے اور یہی ایمان کامل ہے کہ اس صاحب کو متخلق باخلاق ﷺ کہا جاتا ہے یعنی رسول ﷺ کے اخلاق مبارکہ سے متخلق (آراستہ وپیراستہ) ہونا ہے اور ایمان کا یہی معنی بکثرت حدیثوں میں مذکور ہے۔(۱)

یعنی ایمان بمعنی اطاعت شارع علیہ الصلاۃ والسلام ایسے ہی بہت سے امور کو ایمان کہا گیا ہے جیسا کہ کتاب الایمان کی حدیثوں میں آتا ہے۔

چنانچہ حضرت انس ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لَا یُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰی یُحِبَّ لِاَخِیْهِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِهٖ. (۲)

(۱) مرام الکلام : ۵۲   (۲) تخریج اگلے صفحہ پر

تم میں وہ ایماندار نہیں ہوسکتا یہاں تک کہ وہ دوسروں کے لئے وہی پسند کرے جو وہ اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت کوفی رحمہ اللہ کتاب الوصیہ میں فرماتے ہیں:

اَلْاِیْمَانُ اِقْرَارٌ بِاللِّسَانِ وَ تَصْدِیْقٌ بِالْجِنَانِ وَالْاِ قْرَارُ وَحْدَهٗ لَا یَکُوْنُ اِیْمَانًا، لِاَنَّهٗ لَوْکَانَ اِیْمَانًا لَکَانَ الْمُنَافِقُوْنَ کُلُّهُمْ مُؤْمِنِیْنَ ، وَکَذٰلِکَ الْمَعْرِفَةُ وَحْدَهَا اَیْ مُجَرَّدُ التَّصْدِیْقِ لَا یَکُوْنُ اِیْمَانًا لِاَنَّهَا لَوْکَانَتْ اِیْمَانًا لَکَانَ اَهْلُ الْکِتَابِ کُلُّهُمْ مُؤْمِنِیْنَ.

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی فِیْ حَقِّ الْمُنَافِقِیْنَ:

﴿ وَاللّٰهُ یَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لَکٰذِبُوْنَ﴾ [المنافقون ۶۳: ۱]

اَیْ فِیْ دَعْوَاهُمُ الْاِیْمَان حَیْثُ لَا تَصْدِیْقَ لَهُمْ .

وَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی فِیْ حَقِّ اَهْلِ الْکِتَابِ:

﴿اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْکِتٰبَ یَعْرِفُوْنَهٗ کَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَ هُمْ......﴾ (۱)

کہ ایمان اقرار زبانی اور تصدیق قلبی (کا نام ہے) اور صرف زبانی اقرار ایمان نہیں ہے کیونکہ اگر وہ زبانی اقرار ایمان ہوتا تو سب منافق ایماندار ہوتے اور معرفت (پہچان) بھی ایمان نہیں ہے کیونکہ وہ پہچان اگر ایمان ہوتا تو سب اہل کتاب ایماندار ہوتے۔ اللہ تعالیٰ منافقوں کے حق میں فرماتا ہے: اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ بیشک منافق ضرور

......بخاری ، کتاب الایمان ، باب من الایمان ان یحب لاخیه ما یحب لنفسه ح : ۱

مسلم ، کتاب الایمان ، باب الدلیل علی ان من خصال الایمان ان یحب لاخیه ح : ۱

ابن ماجه ، کتاب السنة ، باب فی الایمان ، ح : ۱۰

(۱) [الانعام۶: ۲۰] الطبقات السنیه ۱: ۱۷۸ ـ شرح فقه اکبر : ۱۴۲ـ۱۴۱

(اپنے دعویٰ ایمان میں) جھوٹے ہیں وہ ایماندار نہیں ہیں۔ (کیونکہ ان کے لئے تصدیق قلبی نہیں ہے) اور اللہ تعالیٰ اہل کتاب کے حق میں فرماتا ہے: جن کو ہم نے کتاب دی وہ اس (نبی) کو ایسا پہچانتے ہیں جیسا اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔

معلوم ہوا کہ صرف معرفت اور زبانی اقرار کا نام ایمان نہیں ہے جب تک کہ تصدیق قلبی نہ ہو۔

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وایمان عبارت است از تصدیق قلبی باگرویدن وتصدیق زبانی لیکن تصدیق زبانی عند الضرورت ساقط شود۔ (مالابدمنہ : ۱۵)

اور ایمان کی تعریف یہ ہے کہ دل و جان اور رضا ورغبت اور محبت سے ماننا ان چیزوں کو جن کو رسول اللہ ﷺ لائے اور زبان سے بھی ماننا ہے لیکن ضرورت کے وقت زبانی اقرار ساقط ہوجاتا ہے۔

احکام ایمان:

ایمان کی تعریف جاننے کے بعد ایمان کے بعض احکام کا جاننا بھی لازمی ہے۔

ایمان بالغیب یعنی اللہ تعالیٰ پر بن دیکھے ایمان لانا ضروری ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے متقی لوگوں کی یوں تعریف فرمائی ہے:

﴿اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ......﴾ [البقرہ ۲: ۳]

جو غیب پر ایمان لاتے (ہیں)۔

غیب پر ایمان لانے والے کی تعریف اللہ تعالیٰ یوں بھی فرماتا ہے:

﴿......وَ خَشِیَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَیْبِ ج......﴾ [یٰس ۳۶: ۱۱]

اور بغیر دیکھے رحمٰن سے ڈرے۔

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَیْبِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ کَبِیْرٌ﴾ (۱)

بے شک جو لوگ بے دیکھے اپنے رب سے ڈرتے ہیں، ان کے لئے بخشش ہے اور بہت بڑا اجر۔

ایمان بالغیب کا بڑا درجہ ہے اور یہی ایمان مقبول ہے اسی لئے جو مرنے کے وقت عذاب کے فرشتوں کو دیکھ کر ایمان لائے اور توبہ کرے (یعنی ایمان بالباس) ہرگز معتبر و مقبول نہیں ہے کیونکہ ایمان بالغیب نہیں رہا بلکہ وہ آخرت کے عذاب کو دیکھ کر خوف سے ایمان لایا ہے اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ ایمان عقل و ہوش اور اختیار و محبت سے لائے کیونکہ ایمان بالجبر (زبردستی کلمہ پڑھنا) غیر معتبر ہے۔ نیز مست و بے ہوش کا ایمان بھی غیر مقبول ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں کو حرام جاننا اور حلال کو حلال ماننا ضروری ہے۔ ایمان لانے والا اللہ تعالیٰ کی رحمت کا امیدوار ہو، نہ کہ مایوس اور نا امید ہو جائے۔ ایمان لانے کا فائدہ دنیاوی اعتبار سے یہ ہے کہ نہ اس کو بلا حکم شرعی قتل کیا جائے گا اور نہ قید کیا جائے گا۔ اس کا مال ناحق نہ کھایا جائے گا اور اس کے متعلق حسن ظن رکھا جائے گا اور آخرت میں آخر کار وہ جنتی ہوگا۔ جن باتوں پر ایمان لانا فرض ہے ان میں کسی کا بھی انکار کرنا کفر ہے کیونکہ ایمان ماننے کا نام ہے اور کفر انکار کرنے کو کہتے ہیں۔

ایمان یأس غیر مقبول ہے:

خیال رہے کہ ایمان باس مقبول نہیں ہے اور توبہ باس مقبول ہے۔ (۲)

ایمان باس کا مطلب یہ ہے کہ کافر مرنے لگے نزع کی حالت میں جب کہ زندگی

(۱) [الملک ۶۷:۱۲]
(۲) مالا بدمنہ :۱۳۳

سے نا امید ہو جائے اور آخرت کا عذاب نظر آنے لگے عذاب کے فرشتوں کو دیکھ لے اور خوف سے ایمان لائے وہ مقبول نہیں ہے مگر مسلمان گنہگار اس وقت توبہ کرے تو اس کی توبہ مقبول ہے کیونکہ وہ مسلمان تو ہے اگرچہ عاصی ہے کافر تو نہیں ہے۔

علامہ عبدالعزیز پرہاروی رحمہ اللہ ایمان باس کے متعلق رقمطراز ہیں:

هُوَ اِیْمَانُ الْکَافِرِ عِنْدَ الْمَوْتِ اِذَا رَاٰی اَسْبَابَ الْعَذَابِ وَ لَیْسَ مَقْبُوْلًا مُطْلَقًا عِنْدَ جُمْهُوْرِ اَهْلِ السُّنَّةِ. (مرام الکلام ۱۵۵)

ایمان باس کافر کا ہے کہ جب وہ موت کے وقت عذاب کے اسباب دیکھے اور وہ ایمان جمہور علما اہل سنت کے نزدیک مطلقاً مقبول نہیں ہے۔

اور فاسق کی توبہ کے بارے میں فرماتے ہیں۔

وَ اُخْتُلِفَ فِیْ تَوْبَةِ الْفَاسِقِ عِنْدَ الْبَأْسِ فَاَکْثَرُ الْاَشْعَرِیَّةِ وَالْمَاتُرِیْدِیَّةِ عَلَی الْقُبُوْلِ. (مرام اکلام ۵۵)

اور فاسق مسلمان کی توبہ باس کے بارے میں اختلاف کیا گیا ہے تو اشاعرہ اور ماتریدیہ کی اکثریت اس پر ہے کہ توبہ قبول ہے۔

کہ وہ شرک وکفر کے علاوہ گناہوں سے توبہ کرے کیونکہ شرک وکفر کا مرتکب تو خارج اسلام ہے مگر بعض کے نزدیک موت کے وقت کی توبہ قبول نہیں۔ انکی دلیل یہ آیت ہے

﴿وَ لَیْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السَّیِّاٰتِ ج حَتّٰۤی اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّیْ تُبْتُ الْئٰنَ...... ﴾ [النساء ۴:۱۸]

اور (یہ) توبہ ان لوگوں کے لئے نہیں جو (مسلسل) گناہ کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کو موت آئے تو کہے میں نے اب توبہ کی۔

ارشادِ ربانی ہے:

﴿فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا ط......﴾ [المومن ٤٠:٨٥]

تو نہ ہوا ان کا ایمان کہ انہیں فائدہ پہنچائے جب انہوں نے ہمارے عذاب کو دیکھ لیا لیکن توبہ یاس مقبول ہے۔ چنانچہ ارشاد نبوی ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يَقْبَلُ تَوْبَةَ الْعَبْدِ مَا لَمْ يُغَرْغِرْ.(١)

بے شک اللہ تعالیٰ بندہ گنہگار کی توبہ قبول فرماتا ہے اس وقت تک جب تک بندہ کی جان (روح) گلے تک نہ پہنچی ہو۔

جب یہ حالت ہو تو پھر توبہ کرنے کی مشکل اور دشوار ہو جاتی ہے چونکہ موت کے وقت کا ایمان معتبر نہیں ہے اسی لئے عقائد کی کتب میں ہے۔

وَ اِيْمَانُ الْبَاْسِ غَيْرُ مَقْبُوْلٍ. (تکمیل الایمان ۹۵)

اور نا امیدی کے وقت کا ایمان مقبول نہیں ہے۔

کہ یہ حالت اضطراری ہے اور ایمان بالغیب نہیں اسی لئے فرعون کا ایمان غیر مقبول تھا اور فرعون کے عدم ایمان کی زیادہ تفصیل "تکمیل الایمان" میں ملاحظہ کی جائے۔

یا اللہ ہمیں اپنی ذات وصفات اور نبی کریم مصطفیٰ ﷺ کے وسیلہ جلیلہ سے ایمان و جان اور اولاد و مال کی سلامتی عطا فرما اور ہمیں مرنے سے قبل ہر قسم کے گناہوں سے توبہ و استغفار کرنے کی توفیق عطا فرما۔

چشم دارم از گنہ پاکم کنی — پیش ازیں کاندر لحد خاکم کنی
اندر آں دم کز بدن جانم بری — از جہاں با نور ایمانم بری

(١) الترمذی، کتاب الدعوات، باب ان اللہ یقبل توبۃ العبد ما لم یغرغر، ح:١
سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد، باب ذکر التوبۃ، ح:٧

اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّ اَتُوْبُ اِلَيْهِ. اَللّٰهُمَّ مَنْ اَحْيَيْتَهٗ مِنَّا فَاَحْيِهٖ عَلَى الْاِسْلَامِ وَ مَنْ تَوَفَّيْتَهٗ مِنَّا فَتَوَفَّهٗ عَلَى الْاِيْمَانِ. اَللّٰهُمَّ ثَبِّتْنَا عَلَى الْاِيْمَانِ وَالْاِسْلَامِ بِحُرْمَةِ سَيِّدِ خَيْرِ الْاَنَامِ. (آمین)

ایمانیات:

جب ایمان کا معنی اور اس کے بعض احکام بیان ہو چکے تو اب ارکانِ ایمان اور اجزاء ایمان کا بھی جاننا ضروری ہے۔ ان کو صفاتِ ایمان اور ایمانیات بھی کہا جاتا ہے۔ ان ایمانیات کا ذکر قرآن وحدیث دونوں میں کیا گیا ہے۔

چنانچہ قرآن عزیز میں ارشاد ہے:

﴿......وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ج ......﴾ (١)

لیکن (اصل) اس شخص کی ہے جو ایمان لائے اللہ اور قیامت کے دن اور فرشتوں اور (آسمانی) کتاب اور پیغمبروں پر۔

﴿اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ط كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ قف ......﴾ (٢)

ایمان لائے رسول (آخر الزماں) اس پر جو ان کے رب کی طرف سے ان پر نازل ہوا اور مومن (بھی) سب ایمان لائے اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر۔

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ط وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًام بَعِيْدًا ۞﴾ (٣)

(١) [البقرہ ٢:١٧٧] (٢) [البقرہ ٢:٢٨٥] (٣) [النساء ٤:١٣٦]

اے مسلمانو (ہمیشہ) ایمان رکھو اللہ اور اس کے رسول پر اور اس کتاب پر جو اللہ نے اپنے رسول پر نازل فرمائی اور اس کتاب پر جو پہلے اتاری اور جو کفر کرے اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں اور روز قیامت کے ساتھ تو بیشک وہ گمراہ ہو کر (حق سے) بہت دور جا پڑا۔

﴿قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَ مَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۡ وَ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ﴾ [البقرہ۲: ۱۳۶]

(مسلمانو) تم کہو ایمان لائے ہم اللہ پر اور جو کچھ ہماری طرف اترا گیا اور جو نازل ہوا ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحاق اور یعقوب اور ان کی اولاد پر اور جو دیا گیا موسیٰ اور عیسیٰ کو اور جو (دوسرے) نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے عطا ہوا نہیں فرق کرتے ہم ان میں سے کسی کے درمیان (ایمان لانے میں) اور ہم اسی (رب) کے فرماں بردار ہیں۔

جب حضرت جبرائیل علیہ السلام نے رسول اللہ ﷺ سے حقیقت ایمان کے بارے میں دریافت کیا تو حضور ﷺ نے حقیقت ایمان اور ایمانیات کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

اَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ ، وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ ، وَ كُتُبِهٖ ، وَ رُسُلِهٖ ، وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ، وَ تُؤْمِنَ بِالْقَدَرِ خَيْرِهٖ وَ شَرِّهٖ . (۱)

کہ تو اللہ پر، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں اور آخرت کے دن پر ایمان لائے اور اس کی اچھی اور بری تقدیر پر ایمان لائے۔

(۱) المسلم ، کتاب الایمان ، باب بیان الایمان والسلام والاحسان ، ح : ۱

المشکوۃ ، کتاب الایمان ، الفصل الاول : ۱۱

ابن ماجہ ، کتاب السنۃ ، باب فی الایمان ، ح :۷

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ ارکان ایمان اور ایمانیات کے متعلق فرماتے ہیں:

يَجِبُ اَنْ يَّقُوْلَ اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ وَالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ وَالْقَدْرِ خَيْرِهٖ وَ شَرِّهٖ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى. (۱)

واجب ہے کہ مکلّف اپنے دل و زبان سے کہے میں اللہ پر، اس کے فرشتوں پر اس کی کتابوں پر اس کے رسولوں اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے پر ایمان لایا اور اچھی بری تقدیر پر جو اللہ تعالیٰ کی طرف (پیدا کرنے) سے ہے۔

امام جعفر احمد طحاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وَالْاِيْمَانُ: هُوَالْاِيْمَانُ بِاللّٰهِ ، وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ ، وَ كُتُبِهٖ ، وَ رُسُلِهٖ ، وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ، وَالْقَدَرِ خَيْرِهٖ وَ شَرِّهٖ ، وَ حُلْوِهٖ وَ مُرِّهٖ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى . (۲)

اور ایمان، اللہ تعالیٰ کی (یعنی اس کی ذات وصفات اور اسماء کی تصدیق کا نام ہے) اور اس کے فرشتوں، تمام کتابوں، رسولوں اور آخرت کے دن کی اور موت کے بعد اٹھائے جانے کی (موت کے بعد دوبارہ زندگی کی تصدیق ہے) اور تقدیر کی تصدیق کہ خیر و شر تلخ و شیریں سب اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے۔

ایمان مفصل میں اسی لئے سب ایمانیات کا ذکر یوں آیا ہے۔

اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْقَدْرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى وَالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ.

میں ایمان لایا اللہ پر اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر اور آخرت کے دن پر اور اس کی اچھی اور بری تقدیر پر کہ سب اللہ کی طرف (پیدا کرنے) سے ہے

(۱) شرح فقہ اکبر: ۲۶ تا ۲۹ — (۲) العقیدۃ الطحاویہ ، عقیدہ ۶۶۔ص ۱۳

ایمان مجمل یہ ہے۔

اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ وَ بِجَمِیْعِ مَا جَآءَ بِہِ النَّبِیُّ ﷺ. (تفسیرات احمدیہ)

یعنی میں ایمان لایا اللہ پر اور ان تمام امور پر جو نبی ﷺ اللہ کے پاس سے لائے۔

قرآن اور حدیث اور علماء کے ارشادات سے معلوم ہوا کہ جن باتوں پر ایمان لانا اور ماننا ضروری ہے وہ چھ چیزیں ہیں جن کو صفاتِ ایمان یا ارکانِ ایمان کہا جاتا ہے۔ ان تمام ایمانیات وعقائد کی باتوں کو کلمہ توحید اور کلمہ اسلام میں جمع فرمادیا گیا ہے۔

اور کلمہ کے دو جزو ہیں۔

اول جزو میں اعلان توحید

دوم میں اعلان رسالت ہے۔

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ جزو اول کا ذکر [سورہ محمد] اور جزو دوم کا ذکر [سورہ فتح] میں ہے۔ توحید و رسالت کو ماننے سے دیگر ایمانیات کا ماننا بھی لازم ہے۔ قرآن کریم میں توحید و رسالت اور ایمان لانے کا تاکیدی حکم ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿......فَاٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَ رَسُوْلِہِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ......﴾ (۱)

تو ایمان لاؤ اللہ اور اس کے (اس) رسول نبی امی (لقب والے) پر۔

ان ارکان ایمان میں سے کسی ایک کا کوئی منکر ہو یا سب کا انکار کردے وہ کافر ہے اور اسلام سے خارج ہے لہذا تمام ایمانیات کا بیان کلمہ شریفہ میں ہے۔

---

(۱) [الاعراف۷:۱۵۸]

فَاَمَّا الْاَعْمَالُ فَهِیَ تَتَزَایَدُ فِیْ نَفْسِهَا وَالْاِیْمَانُ لَا یَزِیْدُ وَ لَا یَنْقُصُ

پس اعمال (۱) تو زیادہ ہوتے ہیں بذات خود اور ایمان نہ بڑھتا ہے اور نہ گھٹتا (۲) ہے۔

ایمان میں کمی بیشی نہیں ہوتی۔

شرح: ۱ جمہور محدثین متکلمین فقہاء مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک ایمان تصدیق قلبی اقرار لسانی اور اعمال بالجوارح کا نام ہے۔ مصنف علیہ الرحمہ اس کی نفی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اعمال وطاعات میں فی نفسہ تو کمی بیشی ہوتی ہے لیکن ایمان نہ بڑھتا اور نہ گھٹتا ہے۔ اس متن کی عبارت میں دو دعوے ہیں ایک تو یہ کہ اعمال ایمان میں داخل نہیں ہیں دوسرا یہ کہ حقیقت ایمان میں کمی بیشی نہیں ہوتی۔

دعویٰ کی پہلی دلیل یہ ہے کہ ایمان کی حقیقت صرف تصدیق قلبی ہے دوسری دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں ایمان و اعمال بطرز عطف آئے ہیں کہ عمل کا عطف ایمان پر کیا گیا ہے

چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ......﴾ [البقرہ۲:۲۷۷]

بیشک وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے۔

اس آیت شریفہ میں اعمال کا عطف ایمان پر ہوا ہے اور یہ یقینی امر ہے معطوف معطوف علیہ میں داخل نہیں ہیں۔

تیسری دلیل یہ کہ ایمان، اعمال کے صحیح ہونے کے لئے شرط ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَ مَنْ یَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَکَرٍ اَوْ اُنْثٰی وَ هُوَ مُؤْمِنٌ......﴾ [النساء۴:۱۲۴]

اور جس نے نیک کام کئے مؤمن ہونے کی حالت میں مرد ہو یا عورت۔

یہ بھی یقینی امر ہے کہ مشروط شرط میں داخل نہیں ہوتا۔ اگر داخل ہو جائے تو اشتراط شیٔ اپنی ذات کے لئے لازم آئے گا یہ باطل ہے کیونکہ شرط مشروط پر مقدم ہوتی ہے تو اس صورت میں شے کا اپنے نفس پر تقدم لازم آتا ہے۔ لہذا ثابت ہوا کہ اعمال، ایمان میں داخل نہیں۔ ایک اور دلیل یہ ہے کہ قرآن عظیم میں اس شخص کو بھی مؤمن فرمایا گیا ہے جس نے بعض اعمال کو چھوڑ دیا۔

چنانچہ فرمان الٰہی ہے:

﴿وَ اِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا......﴾ [الحجرات ۴۹:۹]

اور اگر ایمان والوں کی دو جماعتیں آپس میں قتال کریں۔

تو یہاں لڑنیوالوں کو ایماندار فرمایا ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ ''کتاب الوصیہ'' میں فرماتے ہیں:

ثُمَّ الْعَمَلُ غَيْرُ الْاِيْمَانِ وَالْاِيْمَانُ غَيْرُ الْعَمَلِ بِدَلِيْلِ اَنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَوْقَاتِ يَرْتَفِعُ الْعَمَلُ مِنَ الْمُؤْمِنِ، وَ لَا يَجُوْزُ اَنْ يُّقَالَ: يَرْتَفِعُ عَنْهُ الْاِيْمَانُ فَاِنَّ الْحَائِضَ تَرْتَفِعُ عَنْهَا الصَّلٰوةُ، وَ لَا يَجُوْزُ اَنْ يُّقَالَ: يَرْتَفِعُ عَنْهَا الْاِيْمَانُ، اَوْ اَمَرَ لَهَا بِتَرْكِ الْاِيْمَانِ، وَ قَدْ قَالَ لَهَا الشَّارِعُ: دَعِي الصَّوْمَ ثُمَّ اقْضِيْهِ، وَ لَا يَصِحُّ اَنْ يُّقَالَ: دَعِي الْاِيْمَانَ، ثُمَّ اقْضِيْهِ، وَ يَجُوْزُ اَنْ يُّقَالَ: لَيْسَ عَلَى الْفَقِيْرِ زَكٰوةٌ، وَ لَا يَجُوْزُ اَنْ يُّقَالَ لَيْسَ عَلَى الْفَقِيْرِ الْاِيْمَانُ. انتهى (۱)

اور عمل ایمان کے سواء ہے اور ایمان عمل کے سواء ہے کہ دونوں جدا جدا چیزیں ہیں

(۱) شرح فقه اکبر: ۱۴۹۔ الطبقات السنیه فی تراجم الحنفیة ۱: ۱۷۹

دلیل یہ ہے کہ بے شک بسا اوقات عمل مومن سے اٹھ جاتا ہے (کہ وہ عمل نہیں کرسکتا بوجہ عذر کے یا بدعملی کے) اور نہیں ہے جائز کہ کہا جائے کہ اس سے ایمان اٹھ گیا ہے۔ بے شک حائضہ عورت سے نماز اٹھ جاتی ہے یعنی ساقط ہو جاتی ہے اور یہ جائز نہیں ہے کہ کہا جائے اس سے ایمان اٹھ گیا ہے یا اس کو ایمان چھوڑ دینے کا حکم دیا جائے (یہ بھی نہیں ہوسکتا) حالانکہ بے شک شرع اس کو کہتی ہے کہ تم روزہ کو بحالت حیض چھوڑ دو پھر اس کو قضا کرو اور نہیں ہے جائز اس کو کہنا کہ ایمان چھوڑ دو پھر اس کو قضا کرو اور جائز ہے کہ کہا جائے کہ فقیر پر زکوٰۃ فرض نہیں ہے اور یہ کہنا جائز نہیں ہے کہ فقیر پر ایمان نہیں ہے۔

معلوم ہوا کہ ایمان و عمل میں مغائرت ہے لہذا اعمال ایمان میں داخل نہیں ہیں۔

وَالْمَوْتُ قَاطِعُ الْعَمَلِ لَا الْاِيْمَانِ فَتَبَيَّنَ اَنَّ الْاِيْمَانَ غَيْرُ الْعَمَلِ وَ اَمَّا ثَمَرَاتُ الْاِيْمَانِ اَنْوَارُهَا يَزِيْدُ بِالطَّاعَةِ. (نصرة الدينيه: ۱۳)

دوسرا دعوی یہ کہ حقیقتِ ایمان میں کمی اور زیادتی نہیں ہوتی جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے کہ حقیقت ایمان صرف تصدیق قلبی ہے۔

صدر الشریعت مولانا امجد علی صاحب اعظمی، رضوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

مسئلہ: ایمان قابل زیادتی و نقصان نہیں اس لئے کہ کمی بیشی اس میں ہوتی ہے جو مقدار یعنی لمبائی، چوڑائی، موٹائی یا گنتی رکھتا ہو اور ایمان تصدیق ہے اور تصدیق کیف یعنی ایک حالت اذعانیہ۔ بعض آیات میں ایمان کا زیادہ ہونا جو فرمایا ہے اس سے مراد مومن بہ و مصدق بہ ہے یعنی جس پر ایمان لایا گیا اور جس کی تصدیق کی گئی کہ زمانہ نزول قرآن میں اس کی کوئی حد معین نہ تھی بلکہ احکام نازل ہوتے رہتے اور جو حکم نازل ہوتا اس پر ایمان لازم ہوتا نہ کہ خود نفس ایمان بڑھ گھٹ جاتا ہو البتہ ایمان قابل شدت و ضعف ہے کہ یہ کیف کے عوارض

سے ہیں۔ (بہار شریعت حصہ اول، ایمان و کفر کا بیان :۳۷)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ اعمال وطاعات باعتبار ذات کے زیادتی اور کمی کو قبول کرتے ہیں مگر ایمان زیادتی وکمی کو قبول نہیں کرتا۔

علامہ سعد الدین تفتازانی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

اَلْمَقَامُ الثَّانِیُّ اَنَّ حَقِیْقَةَ الْاِیْمَانِ لَا تَزِیْدُ وَلَا تَنْقُصُ لِمَا مَرَّ مِنْ اَنَّهَا التَّصْدِیْقُ الْقَلْبِیُّ الَّذِیْ بَلَغَ حَدَّ الْجَزْمِ وَالْاِذْعَانِ وَ هٰذَا لَا یُتَصَوَّرُ فِیْهِ زِیَادَةٌ وَلَا نُقْصَانٌ حَتّٰی اَنَّ مَنْ حَصَلَ لَهٗ حَقِیْقَةُ التَّصْدِیْقِ فَسَوَاءٌ اَتٰی بِالطَّاعَاتِ اَوِ ارْتَکَبَ الْمَعَاصِیْ فَتَصْدِیْقُهٗ بَاقٍ عَلٰی حَالِهٖ وَ لَا تَغَیُّرَ فِیْهِ اَصْلًا. (۱)

کہ ایمان کم وزیادہ نہیں ہوتا بسبب اس کے کہ گزر چکا ہے کہ ایمان تصدیق قلبی ہے تصدیق بھی وہ جو کہ حد یقین راسخ کو پہنچ گئی۔ یہ ایسی چیز ہے کہ اس میں کوئی زیادتی اور نقصان متصور نہیں ہے یہاں تک کہ جس کو یہ تصدیق حاصل ہو جائے اگر وہ معاصی کا مرتکب ہو تو تصدیق اس کی بحال رہتی ہے اس میں کسی قسم کا تغیر بالکل نہیں آتا۔

جن نصوص (آیات واحادیث) میں ایمان کی زیادتی اور کمی کا ذکر آیا ہے اس سے مراد ایمان کی کمی وزیادتی نہیں ہے کیونکہ مجازاً اوصاف، کثرت اعمال، ثمرات ایمان اور اس کے نور کا دل میں زیادہ ہونا مراد ہے یا یہ کہ باعتبار قوت وضعف اور شدت کے کمی بیشی ہوتی ہے۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ

کیا معرفت ایمان ہے؟

ایمان کے متعلق اہل قبلہ کے پانچ اقوال ہیں۔

(۱) شرح العقائد النسفیة :۱۲۵

(۱) ایمان صرف تصدیق ہے۔

(۲) ایمان تصدیق قلبی اور اقرار ہے اور یہ اہل سنت کے نزدیک ہے۔

(۳) ایمان تصدیق، اقرار لسانی اور عمل ہے۔ یہ محدثین اور معتزلہ کا مذہب ہے۔

(٤) ایمان صرف اقرار زبانی کا نام ہے یہ فرقہ کرامیہ کا قول ہے۔

(٥) ایمان معرفت ہے یہ فرقہ قدریہ کا نظریہ ہے۔ (۱)

ایمان صرف معرفت کا نام نہیں ہے جیسا کہ امام صاحب کی وصیت کے حوالہ سے گزر چکا ہے۔

بعض قدریہ ایمان، صرف اللہ تعالیٰ کی پہچان اور اس کے رسول ﷺ کی معرفت کو کہتے ہیں۔ مگر علماء اہل سنت اس قول کے فاسد ہونے پر متفق ہو چکے ہیں کیونکہ اہل کتاب (یہود ونصاریٰ) حضرت محمد ﷺ کی نبوت کو بہت اچھی طرح جانتے اور پہچانتے تھے جیسا کہ وہ اپنے بیٹوں کو جانتے تھے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْکِتٰبَ یَعْرِفُوْنَهٗ کَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ط......﴾ (۲)

جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی وہ اس (نبی) کو ایسا پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔

کیونکہ نبی ﷺ کے اوصاف، اسماء وشمائل، اعضائے شریفہ کا ذکر، مکہ معظمہ میں پیدا ہونا اور مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کرنا، بلکہ آپ کے صحابہ کے ناموں کے ساتھ سب کچھ سابقہ کتب میں لکھا ہوا تھا لہذا انہیں (اہل کتاب کو) کافر ہی کہا جاتا ہے۔ اگر معرفت کا نام

(۱) النبراس شرح شرح العقائد : ٤٠٧ (۲) [البقرہ۲:۱٤٦]

ایمان ہوتا تو وہ مومن تھے۔ وہ اس لئے مومن نہیں ہوئے کہ وہ تصدیق قلبی سے محروم تھے۔ نیز اسی طرح بعض کفار حق کو بہت اچھی طرح پہچانتے تھے جیسا کہ کفار قریش حق کو یقینی طور پر جانتے تھے مگر صرف عناد اور تکبر کی وجہ سے انکار کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَ جَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّ عُلُوًّا ط......﴾ (۱)

اور انہوں نے ان کا انکار کر دیا ظلم اور تکبر کرتے ہوئے حالانکہ ان کے دل ان (نشانیوں) کا یقین کر چکے تھے۔

لہذا ثابت ہوا کہ ایمان معرفت کا نہیں بلکہ تصدیق قلبی کا نام ہے اس لئے ضروری ہے کہ معرفت احکام، یقین احکام، تصدیق احکام اور اعتقاد احکام میں فرق کیا جائے تاکہ تصدیق کا ایمان ہونا اور معرفت کا ایمان نہ ہونا معلوم ہو جائے۔ وہ فرق یہ ہے کہ بعض مشائخ نے فرمایا مخبر کی خبر سے جو علم حاصل ہوا ہے اس پر اپنے دل کو ربط کر دینا تصدیق کہلاتا ہے اور یہ ایک کسبی امر ہے جو کہ مصدق کو بالاختیار حاصل ہوتا ہے اسی واسطے اس کو ثواب دیا جاتا ہے اور ایمان کو تمام عبادات کا اصل قرار دیا جاتا ہے اور معرفت کے لئے کسبی ہونا ضروری نہیں بلکہ بسا اوقات اختیار کے بغیر بھی حاصل ہو جاتی ہے جیسا کہ کسی کی نظر اچانک کسی جسم پر واقع ہو اور وہ اس کو پہچان لے کہ دیوار ہے یا پتھر ہے۔ (۲)

آج بھی دنیا میں بہت سے غیر اسلامی فرقے حضور ﷺ کو پہچانتے ہیں مگر وہ دل سے نہیں مانتے اس لئے ان کو مسلمان نہیں کہا جائے گا۔

---

(۱) [النمل ۲۷:۱٤]

(۲) شرح العقائد النسفية : ۱۲۸، ۱۲۷

وَالْاِيْمَانُ وَالْاِسْلَامُ وَاحِدٌ

ایمان (۱) اور اسلام ایک ہی چیز ہے۔

ایمان اور اسلام

شرح: ایمان لغت میں دل سے ماننا اور قبول کرنا ہے اور اسلام کا معنی لغت میں فرمانبرداری اور اطاعت کرنے کے ہیں اور ایمان اور اسلام ایک دوسرے سے جدا نہیں ہیں بلکہ متحد ہیں۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَالْاِسْلَامُ هُوَ التَّسْلِيْمُ وَالْاِنْقِيَادُ لِاَوَامِرِ اللّٰهِ تَعَالٰى فَمِنْ طَرِيْقِ اللُّغَةِ فَرْقٌ بَيْنَ الْاِيْمَانِ وَالْاِسْلَامِ وَ لٰكِنْ لَا يَكُوْنُ اِيْمَانٌ بِلَا اِسْلَامٍ وَ لَا يُوْجَدُ اِسْلَامٌ بِلَا اِيْمَانٍ وَ هُمَا كَالظَّهْرِ مَعَ الْبَطْنِ. (۱)

اسلام اللہ تعالیٰ کے اوامر کے سامنے سر تسلیم خم کرنے اور اطاعت کرنے کا نام ہے پس لغوی اعتبار سے ایمان اور اسلام کے درمیان فرق ہے لیکن ایمان بغیر اسلام کے اور اسلام بغیر ایمان کے نہیں پایا جاتا۔ ان کی مثال پشت اور پیٹ کی سی ہے (یعنی پشت بغیر پیٹ کے اور پیٹ بغیر پشت کے متصور نہیں ہوتا)

ایمان اور اسلام متحد ہونے پر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد دلالت کرتا ہے:

﴿فَاَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيْهَا مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۞ فَمَا وَجَدْنَا فِيْهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۞﴾ [الذريت ٥١:٣٦]

تو ہم نے ان سب کو نکال لیا جو اس (بستی) میں ایمان والے تھے۔ تو ہم نے اس میں مسلمانوں کے ایک گھر کے سوا (اور کوئی گھر) نہ پایا۔

---

(۱) شرح الفقه الاكبر : ۱۵۰ ـ ۱٤۹

معلوم ہوا کہ مؤمن اور مسلم آپس میں متحد ہیں ورنہ اس کا استثناء کس طرح درست ہوتا۔

علامہ سعد الدین تفتازانی علیہ الرحمہ کتاب کفایہ کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

کہ ایمان تو اللہ تعالیٰ کی تصدیق کا نام ہے جو کہ اس نے ہم کو اوامر اور نواہی کی خبر دی اور اسلام فرمانبرداری اور انکسار کا نام ہے جو اس کی الوہیت کے آگے کی جاتی ہے مگر فرمانبرداری امر ونہی کے قبول کئے بغیر ثابت نہیں ہوسکتی۔ لہذا معلوم ہوا کہ اسلام ایمان سے حکماً جدا نہیں ہے اور جب دونوں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوسکتے تو دونوں میں تغایر نہ رہا اگر کوئی دونوں میں تغایر ثابت کرے کہ دونوں الگ الگ ہیں تو اس سے دریافت کیا جائے کہ جو شخص اسلام لایا ہے وہ ایمان نہیں لایا تو اس کا کیا حکم ہے؟ اور جو ایمان لایا ہے اسلام نہیں لایا اس کے لئے کیا حکم ہے؟ اگر ایک کے متعلق وہ ایسا حکم دے جو دوسرے کے لئے ثابت نہیں تو تغایر ثابت ہوجائے گا اور یہ بہتر ہوگا اور اگر نہ ثابت کیا جائے تو اس کا قول باطل ہوجائیگا (۱)

سوال: قرآن مجید میں ہے:

﴿قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَ لٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا......﴾ (۲)

دیہاتی بولے ہم ایمان لائے آپ فرمائیں تم ایمان نہیں لائے ہاں یہ کہو ہم مطیع ہوئے

اس آیت سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام اور ایمان دونوں آپس میں متغائر (جدا جدا) ہیں اور اسلام کا تحقق (ثابت ہونا) ایمان کے بغیر ہوسکتا ہے۔

جواب: کہ ہم نے جو اسلام کو متحد الایمان کہا ہے اس سے وہ اسلام مراد ہے جو شریعت کے نزدیک معتبر ہے اور واقعی یہ اسلام ایمان کے بغیر نہیں ہوسکتا۔ اور آیت کریمہ میں

(۱) شرح العقائد النسفیہ: ۱۳۰، ۱۲۹ (۲) [الحجرات ۴۹:۱۴]

اسلام سے مراد صرف ظاہری انقیاد و فرمانبرداری ہے جس میں باطنی انقیاد و فرمانبرداری نہیں جیسا کہ کلمہ شہادت کا تلفظ ادا کیا جائے اور تصدیق قلبی نہ کی جائے تو وہ ایمان نہیں کہلاتا لہذا ظاہری اور باطنی فرمانبرداری بھی ضروری ہے اور وہ کلمہ شہادت جس کے ساتھ تصدیق موجود نہ ہو ایسے ایمان اور ایسے اسلام کا شرع میں اعتبار نہیں۔

سوال: نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اسلام یہ ہے کہ تو کلمہ پڑھے، نماز ادا کرے، زکوۃ دے، رمضان کے روزے رکھے اور بیت اللہ کا حج کرے۔ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اسلام صرف اعمال کا نام ہے تصدیق قلبی کا نام نہیں لہذا ترادف واتحاد کیسے ہوا بلکہ صاف تغایر پر دلالت ہے۔

جواب: حضور ﷺ کی مراد اس ارشاد گرامی سے اسلام کے ثمرات اور علامتیں بتلانا ہیں حقیقت اسلام بتلانا مقصود نہیں ہے جیسا کہ آپ نے اس قوم کو جو وفد بن کر حاضر خدمت ہوئی فرمایا آپ جانتے ہیں کہ اللہ وحدہ پر ایمان لانے کا کیا مطلب ہے؟ انہوں نے جواب دیا اللہ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں تو آپ نے فرمایا: شہادتین کا اقرار کرنا، نماز قائم کرنا، زکوۃ دینا، رمضان کے روزے رکھنا اور مال غنیمت سے پانچواں حصہ دینا۔ اس حدیث میں وہی اسباب جو اسلام کے لئے بتلائے گئے تھے تو وہی اسباب ایمان کے لئے فرمائے گئے ہیں دونوں میں اتحاد ثابت ہوا اور تغایر اٹھ گیا کہ اسلام اور ایمان دونوں ایک ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اَلْاِيْمَانُ بِضْعٌ وَّسَبْعُوْنَ شُعْبَةً :اَفْضَلُهَا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ، وَ اَوْضَعُهَا اِمَاطَةُ الْاَذٰى عَنِ الطَّرِيْقِ وَالْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِّنَ الْاِيْمَانِ. (۱)

(۱) نسائی، کتاب الایمان و شرائعہ، باب ذکر شعب الایمان، ح:۲:

کہ ایمان کے ستر سے زائد شعبے ہیں سب سے اعلیٰ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـهُ پڑھنا ہے اور سب سے ادنیٰ شاخ ضرر دینے والی چیزوں کا راستہ سے دور کرنا ہے اور شرم وحیا بھی ایمان کا حصہ ہے۔

ان احادیث سے صاف ظاہر ہے کہ ایمان، تصدیق قلبی کا نام ہے اور اعمال ظاہرہ امارات، علامات اور ثمرات ایمان کے ہیں۔ کلمہ پڑھنا ایمان کا اعلیٰ عمل ہے اور راستہ سے موذی چیز کو دور کرنا ایمان کا ادنیٰ عمل ہے۔

ایمان کی شاخیں:

حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اَلْاِیْمَانُ بِضْعٌ وَّ سَبْعُوْنَ شُعْبَةً: فَاَفْضَلُهَا قَوْلُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَدْنَاهَا اِمَاطَةُ الْاَذٰى عَنِ الطَّرِيْقِ وَالْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِّنَ الْاِيْمَانِ.(۱)

کہ ایمان کی ستر سے زیادہ شاخیں، علامتیں ہیں سب سے افضل کلمہ پڑھنا ہے اور کمتر درجہ تکلیف دہ چیز (جیسے پتھر یا کانٹا وغیرہ) کو راستہ سے دور کرنا ہے اور شرم وحیا بھی ایمان کی شاخ (شعبہ) اور علامت ہے۔

ایک اور حدیث میں کلمہ کو افضل ذکر فرمایا ہے:

(۱) بخاری، کتاب الایمان، باب امور الایمان، ح:۱

مسلم، کتاب الایمان، باب بیان عدد شعب الایمان و افضلها و ادناها، ح:۲

ابو داؤد، کتاب السنة، باب فی رد الارجاء، ح:۱

نسائی، کتاب الایمان و شرائعه، باب ذکر شعب الایمان، ح:۲

ابن ماجه، کتاب السنة، باب فی الایمان، ح:۱

المشکوة، کتاب الایمان، الفصل الاول، ص:۱۲

حضرت جابر بن عبداللہ ؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ فرماتے تھے:

اَفْضَلُ الذِّكْرِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَفْضَلُ الدُّعَاءِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ.(۱)

سب سے افضل ذکر لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اور سب سے افضل دعا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ہے۔

اور یقینی بات ہے کہ یہ افضل ترین ذکر ہے اس حدیث میں ایمان کے ستر سے زائد شعبوں کا ذکر ہے مگر دوسری حدیث میں ساٹھ سے کچھ زیادہ ایمان کے شعبوں کا بیان ہے۔

چنانچہ حضرت ابو ہریرہ ؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اَلْاِيْمَانُ بِضْعٌ وَّ سِتُّوْنَ شُعْبَةً، وَالْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِّنَ الْاِيْمَانِ.(۲)

ایمان کے ساٹھ سے زیادہ شعبے ہیں اور حیاء بھی ایمان کا شعبہ ہے۔

بعض روایات میں ۶۴، ۷۶، ۷۷ شعبوں کا بھی ذکر ہے مگر اعتبار زیادہ کا کیا جائے گا نہ کہ کم کا۔ کیونکہ قلیل تعداد کا ذکر کرنا تعداد کثیرہ کے وجود کی نفی نہیں کرتا ہے۔ نیز ستر سے کچھ زائد کا ہونا حصر کی دلیل نہیں ہے بلکہ مراد کثرت ہے کہ ایمان کی بہت سی شاخیں اور خصلتیں ہیں۔ ان میں صرف تین کا ذکر ایک حدیث میں صراحتاً ہوا ہے کلمہ پڑھنا، تکلیف دہ چیز کا راستہ سے دور کرنا اور حیاء کرنا۔

شعب ایمان کمال ایمان ہیں نہ کہ ایمان چونکہ یہ کمال ایمان اور ثمرات وعلامات ہیں لہذا ان کا بھی ذکر یہاں کیا جاتا ہے تا کہ جو چیزیں کمال ایمان ہیں وہ بھی معلوم ہو جائیں

(۱) ابن ماجه، کتاب الادب، باب فضل الحامدین، ح:۱

(۲) بخاری، کتاب الایمان، باب امور الایمان، ح:۱

مسلم، کتاب الایمان، باب بیان عدد شعب الایمان و افضلها و ادناها، ح:۱

نسائی، کتاب الایمان و شرائعه، باب ذکر شعب الایمان، ح:۱

چنانچہ علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے اختصار کے ساتھ اثراتِ ایمان کی تفصیل اس طرح بیان کی ہے۔ایمان تصدیق قلبی اور اقرار لسانی کا نام ہے مگر نجات کامل کے لئے تصدیق، اقرار اور عمل صالح کی ضرورت ہے۔یہ تین قسمیں ہوئیں۔

قسم اول: اعتقادات: اس کے تین شعبے ہیں۔

اول:

(۱) ایمان باللہ اس میں توحید اور خدا کی ذات وصفات بھی شامل ہیں۔(۲) یہ عقیدہ رکھنا کہ اللہ کے سواء جو کچھ ہے حادث ہے۔(۳) رسولوں پر ایمان (۴) فرشتوں پر ایمان (۵) کتب سماویہ پر ایمان (۶) تقدیر پر ایمان (۷) یوم آخرت پر ایمان اس میں سوال قبر، بعث ونشور، عذاب قبر، حساب میزان وپل صراط پر ایمان لانا بھی داخل ہے (۸) جن کے لئے اللہ تعالیٰ نے جنت ودوزخ کا وعدہ فرمایا ہے اس پر ایمان لانا اور وعید نار پر ایمان لانا (۹) اللہ سے محبت کرنا (۱۰) اللہ تعالیٰ کے لئے کسی سے محبت کرنا اور عداوت رکھنا، اس میں صحابہ کرام، مہاجرین اور انصار وآل رسول ﷺ کی محبت بھی داخل ہے (۱۱) حضور نبی کریم ﷺ سے محبت کرنا، اس میں نماز اور اتباع سنت نبوی داخل ہے (۱۲) اخلاص اس میں ریاء اور نفاق کا ترک بھی شامل ہیں (۱۳) توبہ (۱۴) خوف الٰہی (۱۵) خدا سے امید (۱۶) خدا سے کسی حال میں ناامید نہ ہونا (۱۷) شکر (۱۸) وفاء (۱۹) صبر (۲۰) تواضع (۲۱) بڑوں کا ادب (۲۲) تقدیر پر راضی ہونا (۲۳) توکل (۲۴) رحمت وشفقت، اس میں چھوٹوں پر رحم کرنا بھی داخل ہے (۲۵) غضب کا ترک کرنا (۲۶) بدگمانی سے بچنا (۲۷) عجب وتفاخر سے پرہیز کرنا (۲۸) کینہ ترک کرنا (۲۹) حب دنیا کا ترک، اس میں حب مال اور جاہ شامل ہے۔

دوم: جن کا تعلق زبان سے ہے اور اس کے چھ شعبے ہیں۔

(۱) زبان سے توحید کا اقرار کرنا (۲) قرآن پاک کی تلاوت کرنا (۳) علم دین کی تعلیم دینا (۴) دعا کرنا (۵) ذکر الٰہی، اس میں استغفار بھی داخل ہے (۶) لغو سے پرہیز کرنا

سوم: بدن کے اعمال اور اس کے ۱۶ شعبے ہیں۔

(۱) پاکی اس میں بدن، کپڑا، مکان کی طہارت، وضو، غسل جنابت وحیض ونفاس بھی شامل ہیں (۲) اقامۃ الصلوٰۃ، اس میں فرض، نفل اور قضا داخل ہے (۳) صدقہ اس میں ادائے زکوٰۃ، صدقہ فطر، جود وکرم، کھانا کھلانا اور مہمان کی تکریم کرنا بھی شامل ہے (۴) صوم اس میں فرضی، نفلی روزے داخل ہیں (۵) حج اس میں عمرہ بھی داخل ہے (۶) اعتکاف اس میں لیلۃ القدر کا قیام بھی داخل ہے (۷) دینی وجہ سے ہجرت کرنا (۸) نذر کو پورا کرنا (۹) غلاموں کو آزادی دلانا (۱۰) کفارہ کو ادا کرنا (۱۱) نماز اور خارج نماز میں ستر عورت (۱۲) قربانی کرنا (۱۳) القیام بامر الجنائز (۱۴) قرض ادا کرنا (۱۵) معاملات میں سچائی اختیار کرنا اور سود سے بچنا (۱۶) حق کی شہادت دینا اور اس کو نہ چھپانا۔

قسم دوم: مَا يَخْتَصُّ بِالْاِتِّبَاعِ اس کی چھ قسمیں ہیں۔

(۱) نکاح کے بعد زنا سے بچنا (۲) اہل عیال کے حقوق ادا کرنا اس میں خادموں کے ساتھ نرمی کرنا بھی شامل ہے (۳) والدین سے نیک سلوک کرنا (۴) اولاد کی تربیت کا خیال رکھنا (۵) صلہ رحمی اختیار کرنا (۶) اپنے آقا کی اطاعت کرنا۔

قسم سوم: وہ جن کا تعلق عام لوگوں سے ہے اور اس کے اٹھارہ شعبے ہیں۔

(۱) حاکم ہونے کی صورت میں عدل وانصاف کرنا (۲) سواد اعظم کے ساتھ رہنا (۳) نیک وصالح حاکموں کی اطاعت کرنا (۴) اصلاح بین الناس، اس میں قتال خوارج

وبغات داخل ہے (۵) نیکی پر تعاون (۶) اچھی باتوں کا حکم کرنا برائی سے روکنا (۷) حدود کو قائم رکھنا (۸) راہ خدا میں جہاد کرنا (۹) امانت کو ادا کرنا (۱۰) قرض وعدہ پر ادا کرنا (۱۱) ہمسایہ کی عزت کرنا (۱۲) معاملہ کی صفائی کرنا (۱۳) اسراف وتبذیر سے بچنا (۱۴) سلام کا جواب دینا (۱۵) چھینک کا جواب دینا (۱۶) رفاہ عامہ کے کاموں میں حصہ لینا (۱۷) لہو لعب سے پرہیز کرنا (۱۸) راستہ سے ایذاء دینے والی چیز کو اٹھانا اور ہٹانا۔

یہ ۷۷ شعبے ہیں جو ایمان کے اثرات ونتائج ہیں۔ (۱)

---

(۱) فیوض الباری ۱: ۱۳۵ بحوالہ عینی ۱: ۱۵۳،
فتح المبدی ۱: ۴۶، النبراس ۴۱۸-۴۱۷

وَاِذَا وُجِدَ مِنَ الْعَبْدِ التَّصْدِيقُ وَالْاِقْرَارُ صَحَّ لَهٗ اَنْ يَّقُوْلَ اَنَا مُؤْمِنٌ حَقًّا وَلَا يَنْبَغِيْ اَنْ يَّقُوْلَ اَنَا مُؤْمِنٌ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ تَعَالٰی

اور جب پائی جائے بندے سے تصدیق قلبی اور اقرار زبانی تو صحیح ہے اس کے لئے کہ وہ کہے میں ایماندار ہوں بے شک اور نہیں مناسب یہ کہ کہے میں ایماندار ہوں اگر اللہ تعالیٰ نے (۱) چاہا۔

ایمان اور ان شاء اللہ کہنا

شرح: ۱ کیونکہ اس میں شک پایا جاتا ہے اور ایمان میں شک کرنا جائز ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وَلَيْسَ فِي الْاِيْمَانِ شَكٌّ كَمَا اَنَّهٗ لَيْسَ فِي الْكُفْرِ شَكٌّ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی:

﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا......﴾ (۱)

(درحقیقت) وہی سچے مؤمن ہیں۔

﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا......﴾ (۲)

درحقیقت وہی لوگ کافر ہیں۔

اور ایمان میں شک نہیں ہے جیسے کفر میں شک نہیں ہے۔

لہذا ایمان میں شک نہیں کرنا چاہیے اللہ تعالیٰ شک نہ کرنے والوں کی شان میں فرماتا ہے:

---

(۱) [الانفال۸: ۴] (۲) [النساء۴: ۱۵۱]

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا......﴾ (۱)

ایمان والے تو وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے پھر انہوں نے شک نہ کیا۔

اللہ تعالیٰ ایمانداروں کے متعلق گواہی دیتا ہے:

﴿اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ط كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ قف......﴾ (۲)

ایمان لائے رسول (آخر الزماں) اس پر جو ان کے رب کی طرف سے ان پر نازل ہوا اور مؤمن (بھی) سب ایمان لائے اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر۔

جس طرح اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ یا اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ نہیں کہنا چاہیے۔ اسی طرح اَنَا مُؤْمِنٌ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ کہنا بھی مناسب نہیں ہوگا بلکہ بغیر کسی شک وشبہ کے اپنے ایمان کا اظہار کرنا ضروری ہے کیونکہ اپنے ایمان پر شک کرنا کفر وضلالت ہے۔

وَالْاِسْتِثْنَاءُ مَشْرُوْعٌ فِی الْاَعْمَالِ الْمُؤَقَّتَةِ لَا الْمُؤَبَّدَةِ لِاَنَّ الْاِيْمَانَ مَعْقُوْدٌ عَلَى الْاَبَدِ مِنْ غَيْرِ تَوْقِيْتٍ. (۳)

اور اِنْ شَاءَ اللّٰهُ وقتی اعمال میں کہنا جائز ہے یہ کہ دائمی اور ہمیشگی کے عمل میں کیونکہ ایمان وقتی عقد نہیں ہے بلکہ دائمی ہے۔

---

(۱) [الحجرات۴۹:۱۵] (۲) [البقرہ۲:۲۸۵]

(۳) نصرة الدينية ،مخطوط : ۴۳

وَالسَّعِيْدُ قَدْ يَشْقٰى وَالشَّقِيُّ قَدْ يَسْعَدُ وَالتَّغَيُّرُ يَكُوْنُ عَلَى السَّعَادَةِ وَالشَّقَاوَةِ دُوْنَ الْاِسْعَادِ وَالْاِشْقَاءِ وَهُمَا مِنْ صِفَاتِ اللّٰهِ تَعَالٰى فَلَا تَغَيُّرَ عَلَى اللّٰهِ تَعَالٰى وَلَا عَلٰى صِفَاتِهٖ.

اور نیک بخت کبھی بد بخت (مرتد) ہو جاتا ہے اور بد بخت کبھی نیک بخت ہو جاتا ہے اور یہ تبدیلی سعادت اور شقاوت میں ہوتی (۱) ہے نہ کہ اسعاد اور اشقاء میں اور وہ دونوں اللہ تعالیٰ کی صفتیں ہیں اور نہ اللہ تعالیٰ کی ذات میں تغیر وتبدل ہوتا ہے اور نہ اس کی صفتوں میں تبدیلی ہوتی (۲) ہے۔

نیک بخت اور بد بخت

شرح: چونکہ اشاعرہ کے نزدیک اَنَا مُؤْمِنٌ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ کہنا جائز ہے اس لئے کہ اندیشہ خاتمہ ضرور رہنا چاہیے بے خوف نہ ہونا چاہیے۔ ایمان وکفر اور سعادت وشقاوت کا اعتبار موت کے وقت ہے تو مصنف علیہ الرحمہ نے اشاعرہ کے اس خیال کے ابطال کی غرض سے فرمایا: وَالسَّعِيْدُ قَدْ يَشْقٰى الخ اسعاد (نیک بخت کرنا) اشقاء (بد بخت کرنا) یہ دونوں اللہ کی صفتیں ہیں اور سب صفتیں ازلی ہیں۔ اسعاد، تکوین سعادت کے معنی میں ہے اور اشقاء تکوین شقاوت کے معنی میں ہے یعنی نیک بختی اور بد بختی کو پیدا کرنا۔ تکوین، ماتریدیہ کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی صفت حقیقی ہے۔

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ سعید کبھی شقی بد بخت ہو جاتا ہے کہ ایمان لانے کے بعد مرتد (بے دین) ہو جاتا ہے اور شقی کبھی نیک بخت ہو جاتا ہے کہ کفر کے بعد ایمان لاتا ہے۔ بعض حکماء نے کہا ہے کہ شقاوت کی پانچ علامتیں ہیں زیادہ کھانا، زیادہ پینا،

زیادہ سونا، زیادہ کلام (گفتگو) کرنا اور گناہ پر اصرار کرنا۔ دل کی سختی اور گناہوں کی زیادتی موت کو بھول جانا اور بادشاہ عزوجل کے سامنے کھڑا ہونے کو بھول جانا۔ (۱)

اَلسَّعِیْدُ، وہ ہے جس نے ایمان واطاعت کو لازم پکڑا۔

اَلشَّقِیُّ وہ ہے کہ جس نے کفر اور نافرمانی کو لازم طور پر اختیار کیا۔

سعید وشقی کے بارے میں اصل یہ حدیث ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا اور آپ ﷺ کا فرمان حق ہے:

کہ (یقین جانو) تمہاری پیدائش کی تفصیل اسی طرح ہے کہ ماں کے پیٹ میں نطفہ چالیس روز تک قطرہ کی صورت میں رہتا ہے پھر خون بن جاتا ہے اتنے ہی دنوں تک اور گوشت کا ٹکڑا بن جاتا ہے پھر اسے حکم دیا جاتا ہے چار باتوں کے لکھنے کا۔ اس کا رزق، اس کی عمر، اس کا عمل اور یہ بات کہ وہ بدنصیب ہے یا خوش نصیب۔ پس قسم ہے خدا کی جس کے سواء کوئی معبود نہیں تم میں سے کوئی آدمی جنتیوں جیسا کام کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور جنت کے درمیان ایک ہاتھ کا فاصلہ ہوتا ہے پھر دوزخیوں جیسے کام کرتا ہے پس وہ اس میں داخل ہو جاتا ہے اور یقیناً تم میں سے کوئی دوزخ جیسے کام کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور دوزخ کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ رہتا ہے پھر نوشتۂ تقدیر اس پر غالب آجاتی ہے تو وہ جنتیوں جیسے کام کرنے لگتا ہے اور جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔ (متفق علیہ)

حضرت سہل بن سعد ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بندہ دوزخیوں کے سے کام کرتا رہتا ہے لیکن وہ جنتی ہو جاتا ہے اور جنتیوں کے سے کام کرتا رہتا ہے لیکن وہ دوزخی ہوتا ہے کیونکہ نجات وعذاب کا دارومدار خاتمہ کے عمل پر ہے۔ (متفق علیہ)

(۱) شرح العقائد النسفیه، ص: ۱۳۳ حاشیه: ۲

معلوم ہوا ان اعمال کا اعتبار ہے جن پر خاتمہ ہوگا۔

اَللّٰھُمَّ مُصَرِّفَ الْقُلُوْبِ صَرِّفْ قُلُوْبَنَا عَلٰی طَاعَتِکَ. (۱)

اے دلوں کو پھیرنے والے خدا ہمارے دلوں کو اپنی اطاعت کی طرف پھیر دے۔

(۲) ذات باری تعالیٰ اور اس کی صفتوں میں تغیر وتبدل ہرگز نہیں ہوتا کیونکہ جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات ازلی ابدی ہے اسی طرح اس کی صفتیں بھی ازلی وابدی ہیں۔

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ

(۱) المسلم، کتاب القدر، باب تصریف الله تعالی القلوب کیف شاء ح: ۱۷

وَ فِیْ اِرْسَالِ الرُّسُلِ حِکْمَۃٌ.

رسولوں کے بھیجنے میں حکمت ہے۔

شرح: (۱) حضرت مصنف علیہ الرحمہ جب الٰہیات اور احوال آخرت کے بیان کرنے سے فارغ ہوئے تو اب نبوت و رسالت اور ان کے متعلقات کا ذکر شروع فرمایا جو رسولوں کے بھیجے جانے کے متعلق ہیں۔ (۱)

رسل جمع مکسر رسول کی ہے اور لفظ رسول بروزن فعول بمعنی مرسل ہے اور رسول رسالت سے مشتق ہے بروزن مفعول بمعنی مرسل ہے اور رسالت کا معنی ہے۔

ھِیَ سَفَارَۃُ الْعَبْدِ بَیْنَ اللّٰہِ وَ بَیْنَ ذَوِی الْاَلْبَابِ مِنْ خَلِیْقَتِہٖ لِیُزِیْحَ بِھَا عِلَلَھُمْ فِیْمَا قَصُرَتْ عَنْہُ عُقُوْلُھُمْ مِنْ مَصَالِحِ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ. (۲)

رسالت، سفارت اور نمائندگی ہے اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوق میں سے عقل مندوں کے درمیان تا کہ اللہ تعالیٰ اس سفارت کے ذریعے ان بندوں کی بیماریوں کو دور کر دے ان باتوں کے سلسلہ میں کہ جن سے ان کی عقول قاصر ہیں اور ایسے مسائل ہیں جو دنیا اور آخرت کی مصلحتوں سے متعلق ہیں۔

رسول، اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے درمیان واسطہ ہیں ان کا ظاہر انسانوں کی طرح ہوتا ہے اور باطن کے اعتبار سے فرشتوں سے اعلیٰ ہیں کیونکہ وہ خالق اور مخلوق کے درمیان واسطہ ہیں۔

چنانچہ حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

حضرات انبیاء ورسل علیہم السلام، اللہ تعالیٰ اور انسانوں کے درمیان واسطہ ہیں اور

(۱) شرح العقائد النسفیہ ص:۱۳۳ حاشیہ ۵: (۲) شرح العقائد النسفیہ :۱۳۳

وہ مخلوق تک اللہ تعالیٰ کے احکام، اس کے وعدے اور وعید میں پہچانتے ہیں۔ ان کو وہ باتیں بتلاتے ہیں جنہیں وہ نہیں جانتے۔ یعنی اس کا حکم، جلال، غلبہ، جبروت وملکوت اور اس طرح کی وہ چیزیں جن تک انسانی علم کی رسائی نہیں ہے۔ انبیاء علیہم السلام کے ظاہری اعضاء اجسام انسانی اوصاف سے متصف ہیں اور ان پر وہ تمام حالتیں طاری ہوتی ہیں جو انسان پر آتی ہیں یعنی عارضے، بیماریاں، موت اور دوسری انسانی صفات لیکن ان کی ارواح اور باطنی حالات اعلیٰ درجے کے انسانی اوصاف سے متصف ہوتے ہیں۔ وہ ملاء اعلیٰ سے تعلق رکھتے ہیں اور ان میں (نبی ہونے کی حیثیت سے) بعض ایسی صفتیں بھی پائی جاتی ہیں جو ملائکہ سے مشابہت رکھتی ہیں۔ وہ تغیر اور آفتوں سے محفوظ ہوتے ہیں۔

انسانی عجز وضعف ان کے باطن تک نہیں پہنچ سکتا کیونکہ ان کا باطن بھی ان کے ظاہر کی طرح خالص انسانی ہوتا ہے ورنہ بلاشبہ ملائکہ سے احکام لینے کی صلاحیت نہ رکھتے اور نہ انہیں دیکھ سکتے نہ ان سے مل سکتے نہ ان سے دوستی پیدا کر سکتے تھے اور اگر ان کے جسم اور ظاہری حالات فرشتوں کی طرح ہوتے اور وہ بشری صفات کے حامل نہ ہوتے تو نہ کوئی انسان ان سے مل سکتا تھا اور نہ وہ ان سے ملنے کی طاقت رکھتا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا قول گزر چکا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے قول (ارشاد) سے مراد یہ آیت کریمہ ہے۔

﴿وَ لَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا......﴾ [الانعام۶:۹]

اور اگر ہم رسول کو فرشتہ بناتے تو اسے مرد ہی (کی صورت میں) بناتے۔

﴿قُلْ لَّوْ كَانَ فِی الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ یَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّیْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَیْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا۞﴾ [اسراء۱۷:۹۵]

فرمادیجئے کہ اگر زمین (رہنے والے) فرشتے ہوتے جو (اس میں) اطمینان سے چلتے پھرتے تو ہم ضرور ان پر آسمان سے کوئی فرشتہ ہی رسول بنا کر اتارتے۔

خلاصہ یہ ہے کہ انبیاء ورسل علیہم السلام اجسام اور ظاہر کے اعتبار سے انسانوں کے مشابہ ہوتے ہیں اور ارواح اور باطن کے اعتبار سے فرشتوں سے مشابہت رکھتے ہیں۔

النبراس شرح شرح العقائد النسفی کے محشی علامہ برخوردار علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

لِكَوْنِهِ الْوَاسِطَةَ فِيْ وُصُوْلِ الْكَمَالَاتِ الْعِلْمِيَةِ وَالْعَمَلِيَةِ اِلَيْنَا مِنَ الرَّفِيْعِ عَزَّ سُلْطَانُهُ وَ تَعَالٰى شَأْنُهُ وَ ذٰلِكَ لِاَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى لَمَّا كَانَ فِيْ نِهَايَةِ الْكَمَالِ وَ نَحْنُ فِيْ نِهَايَةِ النُّقْصَانِ لَمْ يَكُنْ لَنَا اِسْتِعْدَادٌ بِقَبُوْلِ الْفَيْضِ الْاَلٰهِيِّ لِتَعَلُّقِنَا بِالْعَلَائِقِ الْبَشَرِيَةِ وَالْعَوَائِقِ الْبَدَنِيَّةِ وَ تَدَنُّسِنَا بِاَدْنَاسِ اللَّذَّاتِ الْحِسِّيَةِ وَالشَّهَوَاتِ الْجِسْمِيَّةِ وَ كَوْنُهُ تَعَالٰى فِيْ غَايَةِ التَّجَرُّدِ وَ نِهَايَةِ التَّقَدُّسِ فَاحْتَجْنَا فِيْ قَبُوْلِ الْفَيْضِ مِنْهُ جَلَّ وَ عَلَا اِلٰى وَاسِطَةٍ لَهُ وَجْهُ تَجَرُّدٍ وَّ نَوْعُ تَعَلُّقٍ فَبِوَجْهِ التَّجَرُّدِ يَسْتَفِيْضُ مِنَ الْحَقِّ وَ بِوَجْهِ التَّعَلُّقِ يُفِيْضُ عَلَيْنَا وَ هٰذِهِ الْوَاسِطَةُ هُمُ الْاَنْبِيَاءُ وَ اَعْظَمُهُمْ رُتْبَةً وَ اَرْفَعُهُمْ مَنْزِلَةً نَبِيُّنَا ﷺ. (النبراس: ۷۔حاشیہ: ۱)

ہمارے لئے ان نبیوں (رسولوں) کا کمالات علمیہ وعملیہ کے حاصل کرنے میں واسطہ اور وسیلہ ہونا (اس بلند مرتبہ ذات کی طرف سے جس کی بادشاہی غالب اور جس کی شان بالا ہے) اس لئے کہ ہم نہایت ناقص ہیں اور خدا تعالیٰ سے بغیر کسی وسیلہ کے فیض حاصل کرنے کی استعداد، قابلیت اور صلاحیت نہیں رکھتے کیونکہ ہم علائق بشری اور عوائق بدنی اور جسمانی خواہشوں اور ظاہری لذتوں کی میل سے آلودہ ہیں اور خدا تعالیٰ کی ذات غایت تجرد اور نہایت تقدس والی ہے لہذا ہم خدا تعالیٰ سے حصول فیض میں کسی ایسے واسطہ اور وسیلہ کے محتاج ہیں جو ایک لحاظ سے صفت تجرد سے موصوف ہو کہ اس کا باطن انتہائی پاک ہو اور دوسرے لحاظ سے اس کا لگاؤ اور تعلق ظاہری ہو تو وہ اپنی صفت تجرد اور باطنی کمالات کے لحاظ سے خدا تعالیٰ سے

فیض حاصل کرے اور ظاہری تعلق وعلاقہ رکھنے کی وجہ سے وہ ہم تک اس فیض کو پہنچا دے اور یہ واسطہ اور وسیلہ ہمارے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان نبی ورسول ہیں کہ وہ اپنی باطنی پاکیزگی کی وجہ سے فیض یاب ہوتے ہیں اور ظاہری تعلق کے لحاظ ہم کو فیض ربانی سے مستفیض فرماتے ہیں ان میں سے بڑے مراتب والے اور بلند درجات والے ہمارے نبی ﷺ ہیں۔

سب سے اعلیٰ واولیٰ ہمارا نبی — سب سے بالا ووالا ہمارا نبی
خلق سے اولیاء اولیاء سے رسل — اور رسولوں سے اعلیٰ ہمارا نبی

وَقَدْ اَرْسَلَ اللّٰهُ تَعَالٰی رُسُلًا مِّنَ الْبَشَرِ اِلَی الْبَشَرِ مُبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ

اور تحقیق بھیجا ہے اللہ تعالیٰ نے رسولوں کو انسانوں (۱) میں سے انسانوں کی طرف سے خوشخبری سنانے والے اور ڈرانے والے۔

اثبات رسالت

شرح: اب مصنف رسولوں کے بھیجنے کے فوائد بیان فرماتے ہیں اور یہ بھی بتاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں میں سے بہت سے رسول انسانوں کی طرف بھیجے ہیں لہذا اس میں ان لوگوں کے خیال باطلہ کا رد ہے جو ارسال رسل کے منکر ہیں۔

اَلْبَشَرُ مَأْخُوْذٌ مِنَ الْبَشَارَةِ وَالسُّرُوْرِ سُمِّیَ الْاِنْسَانُ بِهٖ لِاَنَّهٗ اِذَا سُرَّ ظَهَرَ ذٰلِکَ عَلٰی بَشَرَتِهٖ لِاَنَّهٗ مَکْشُوْفُ الْبَشَرَةِ دُوْنَ سَائِرِ الْحَیَوَانَاتِ. (۱)

لفظ بشر بشارت (اور سرور) سے ماخوذ ہے اور انسان کو بشر اس لئے کہتے ہیں کہ جب وہ خوش ہوتا ہے تو وہ خوشی اور سرور کا اظہار کرتا ہے اور بشارت اس کے چہرہ سے ظاہر ہوتی ہے اور یا اس لئے انسان کو بشر کہتے ہیں کہ اس کا چہرہ ظاہر (کھلا) ہوتا ہے بخلاف دوسرے حیوانوں کے۔

انبیاء کی بشریت:

علامہ امجد علی اعظمی رضوی سنی حنفی قادری برکاتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

عقیدہ: نبی اس بشر کو کہتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے ہدایت کے لئے وحی بھیجی ہو اور

(۱) شرح العقائد النسفیہ :۱۷۷

رسول، بشر ہی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ملائکہ بھی رسول ہیں۔

عقیدہ: انبیاء سب بشر تھے اور مرد، نہ کوئی جن نبی ہوا نہ عورت۔ (۱)

رسول کے بشر و انسان ہونے کے سواء اور کوئی صورت ممکن نہیں ہے کیونکہ اگر رسول فرشتوں میں سے ہوتا یا جنوں میں سے ہوتا تو ہرگز یہ ممکن نہیں تھا کہ انسان فرشتے کو دیکھیں اور اس سے استفادہ کریں (غیر جنس ہونے کی وجہ سے) مگر اس وقت جب فرشتہ انسانی صورت میں ظاہر ہو۔ اس لئے کہ انسان میں یہ طاقت ہی نہیں کہ وہ جن یا فرشتہ کو اصلی صورت و شکل میں دیکھ سکے ہاں خرق عادت کے طور پر جن و فرشتہ کو دیکھ لے تو یہ اور بات ہے مگر اس سے وہ فائدہ متصور نہیں ہے۔

وَ هٰذِهٖ هِیَ الْحِکْمَةُ فِیْ اِرْسَالِهٖ مِنَ الْبَشَرِ.

اور یہ وہی حکمت ہے اس کی انسانوں سے رسول بھیجنے میں (تا کہ رسول سے انسان فیض یاب ہوسکیں بوجہ ہم جنس ہونے کے)

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿لَقَدْ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ......﴾ [التوبہ۹:۱۲۸]

بیشک تمہارے پاس تم میں سے ایک عظمت والے رسول تشریف لائے۔ ۞

﴿وَ قَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَیْهِ مَلَکٌ ط وَ لَوْ اَنْزَلْنَا مَلَکًا لَّقُضِیَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا یُنْظَرُوْنَ ۞ وَ لَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَکًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّ لَلَبَسْنَا عَلَیْهِمْ مَّا یَلْبِسُوْنَ ۞﴾ (۲)

اور انہوں نے کہا کہ اس (رسول) پر کیوں فرشتہ کیوں نہ اتارا گیا اور اگر ہم فرشتہ اتارتے تو (ان کا) کام تمام ہو چکا ہوتا پھر انہیں مہلت نہ دی جاتی۔ اور اگر ہم رسول کو فرشتہ

(۱) بہار شریعت، حصہ اول، عقائد متعلقہ نبوت ص: ۱۵) (۲) [الانعام۶: ۹-۸]

بناتے اور وہی شبہ ہم ان پر ڈال دیتے جو شبہ وہ (اب) کر رہے ہیں۔

﴿قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا﴾ (۱)

فرمادیجئے کہ اگر زمین میں (رہنے والے) فرشتے ہوتے جو (اس میں) اطمینان سے چلتے پھرتے تو ہم ضرور ان پر آسمان سے کوئی فرشتہ ہی رسول بنا کر اتارتے۔

﴿قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ط...... ﴾ (۲)

ان کے رسولوں نے ان سے فرمایا (اے کافرو) ہم (آدم کی نسل ہونے میں) تم جیسے ہی بشر ہیں لیکن اللہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے احسان فرماتا ہے۔

﴿قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ج...... ﴾ (۳)

(اے حبیب کافروں سے) فرمادیجئے میں (الوہیت کا مدعی نہیں بلکہ معبود نہ ہونے میں) تم جیسا ہی بشر ہوں میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ (میرا اور) تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔

نبوت مردوں کے ساتھ خاص ہے:

جس طرح تمام رسول بے مثل انسان ہوئے ہیں اسی طرح سب رسول بے مثل مرد ہوئے ہیں کوئی عورت رسول نہیں ہوئی کیونکہ عورت عقل و دین اور بناوٹ کے اعتبار سے کمزور ہے، اس کے لئے پردہ ضروری ہے اور اس کا اپنے گھر میں ہی رہنا لازمی ہوتا ہے اور یہ سب امور نبوت و رسالت کے منافی ہیں کیونکہ نبی رسول کا عقل و دین اور قوت کے لحاظ سے اعلیٰ

(۱) [الاسراء ۹۵:۱۷] (۲) [ابراهيم ۱۱:۱۴] (۳) [الكهف ۱۱۰:۱۹]

ہونا ضروری ہے اور تبلیغ احکام کے لئے مردوں سے اختلاط ہوتا ہے اس لئے سب نبی و رسول مرد ہوئے ہیں۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ...... ﴾ [النحل ۴۳:۱۶]

اور ہم نے آپ سے پہلے (رسول بنا کر) نہ بھیجے مگر مرد جن کی طرف ہم وحی بھیجتے تھے

معلوم ہوا کہ سب نبی و رسول مرد ہوئے ہیں کوئی عورت نبی نہیں ہوئی۔

حضرت امام ابوالفضل قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت محمد ﷺ اور تمام انبیاء علیہم السلام انسان تھے اور انسانوں کی طرف بھیجے گئے تھے اور اگر ایسا نہ ہوتا (کہ انسان نہ ہوتے) تو وہ لوگ نہ تو ان سے مقابلہ کر سکتے، نہ ان کی باتیں قبول کرتے اور نہ ان سے ملتے۔ حضرت انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ اور انسانوں کے درمیان واسطہ ہیں اور وہ مخلوق تک اللہ تعالیٰ کے احکام اور اس کے وعدے اور وعید پہنچاتے ہیں ان کو وہ باتیں بتلاتے ہیں جنہیں وہ نہیں جانتے۔ انبیاء علیہم السلام اجسام اور ظاہر کے اعتبار سے انسانوں کے مشابہ ہوتے ہیں اور باطن اور ارواح کے اعتبار سے فرشتوں سے مشابہت رکھتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں تمہاری طرح نہیں ہوں بے شک میرا رب مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔ (۱)

جنوں سے کوئی رسول نہیں ہوا:

انسانوں کی طرف انسانوں کی طرف سے رسول بھیجے گئے تھے تو کیا جنوں کی طرف بھی جنوں میں سے رسول مبعوث ہوئے تھے کیونکہ حضرت آدم سے قبل جن تھے۔

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

(۱) کتاب الشفاء ملخص

﴿يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ وَ يُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ......﴾ [الانعام٦:١٣٠]

اے جنوں کے گروہ اور انسانوں کے! کیا تمہارے پاس تم میں سے رسول نہیں آئے کہ وہ تم پر میری آیتیں بیان کرتے اور تمہارے اس دن کے پیش آنے سے تمہیں ڈراتے (تھے)؟

ضحاک کی رائے یہ ہے کہ جس طرح دنیا میں انسان انبیاء آئے اسی طرح جنات میں سے بھی جن نبی آئے جیسا کہ ظاہر نص سے معلوم ہوتا ہے مگر دوسروں کی رائے یہ ہے کہ انبیاء صرف انسان ہوئے اور خطاب مجموعہ کے لحاظ سے ہوگا۔

﴿يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ﴾ [الرحمن٥٥:٢٢] میں ضمیر تثنیہ مجموعی لحاظ سے ہے حالانکہ موتی مونگے صرف سمندر شور سے برآمد ہوتے ہیں اور دوسری آیت میں ہے۔

وَ جَعَلَ الْقَمَرَ فِيْهِنَّ نُوْرًا ......﴾ [نوح٧١:١٦] اس میں "ھن" ضمیر جمع ہے اور مراد ایک آسمان ہے کیونکہ چاند ایک ہی آسمان میں ہے۔ (١)

صاحب نبراس لکھتے ہیں:

اُخْتُلِفَ فِيْ اَنَّ مِنَ الْجِنِّ رُسُلًا اَمْ لَا فَقِيْلَ نَعَمْ لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى ﴿يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ ......﴾ [الانعام٦:١٣٠] وَ قِيْلَ لَا وَ رُسُلُ الْجِنِّ فِي الْاٰيَةِ هُمُ الَّذِيْنَ يَسْمَعُوْنَ الشَّرْعَ مِنَ النَّبِيِّ وَ يُبَلِّغُوْنَهٗ اِلٰى قَوْمِهِمْ كَالْجِنِّ الَّذِيْنَ يَسْمَعُوْنَ الْقُرْاٰنَ بِبَطْنِ نَخْلَةَ. (٢)

(١) تفسیر مظهری (٢) النبراس شرح شرح العقائد النسفية :٤٢٦

اس بات میں اختلاف کیا گیا کہ جنوں میں رسول ہوئے ہیں یا نہیں؟ پس کہا گیا ہے کہ جنوں سے رسول ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے مطابق "اے جنوں کے گروہ اور انسانوں کے! کیا تمہارے پاس تم میں سے رسول نہیں آئے کہ وہ تم پر میری آیتیں بیان کرتے؟" کہا گیا ہے کہ رسول جنوں سے نہیں ہوئے اور آیت میں جنوں کے رسولوں سے مراد وہ جن ہیں جو احکام شرع، نبی ﷺ سے سنتے تھے اور ان احکام کو اپنی قوم تک پہنچاتے تھے جیسا کہ وہ جن جنہوں نے بطن نخلہ میں قرآن مجید سنا تھا۔

معلوم ہوا کہ جنوں کے رسولوں سے مراد انسان رسولوں کے قاصد ہیں کہ کچھ جنات رسولوں کا کلام سن کر اپنی قوم والوں کو جا کر سنایا کرتے تھے اور یہ رسولوں کے قاصد ہوتے تھے تو جنوں سے رسول نہیں ہوئے ہیں۔

علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں:

وَالدَّلِيْلُ عَلٰى اَنَّ الرُّسُلَ اِنَّمَا هُمْ مِنَ الْاِنْسِ قَوْلُهٗ تَعَالٰى ﴿اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْ م بَعْدِهٖ ج ......﴾ [النساء٤:١٦٣] اِلٰى قَوْلِهٖ تَعَالٰى ﴿رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ م بَعْدَ الرُّسُلِ ط ......﴾ [النساء٤:١٦٥] وَ قَوْلُهٗ تَعَالٰى عَنْ اِبْرَاهِيْمَ ﴿...... وَ جَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتَابَ ......﴾ [العنكبوت٢٩:٢٧] فَحَصَرَ النُّبُوَّةَ وَالْكِتَابَ بَعْدَ اِبْرَاهِيْمَ فِيْ ذُرِّيَّتِهٖ وَ لَمْ يَقُلْ اَحَدٌ مِّنَ النَّاسِ اَنَّ النُّبُوَّةَ كَانَتْ فِي الْجِنِّ قَبْلَ اِبْرَاهِيْمَ الْخَلِيْلِ ثُمَّ انْقَطَعَتْ بِبَعْثَتِهٖ. (تفسیر ابن کثیر ٢: ١٦٩)

اور رسول صرف انسانوں سے ہوئے ہیں اس کی دلیل یہ آیت ہے "(اے محبوب) بے شک ہم نے آپ کی طرف وحی کی جیسے ہم نے نوح اور ان کے بعد دوسرے نبیوں کی

طرف وحی فرمائی" اس فرمان تک "(ہم نے) رسول (بھیجے) خوشخبری دیتے اور ڈر سناتے ہوئے تا کہ رسولوں کے بعد لوگوں کے لئے اللہ پر الزام کا موقع نہ رہے" اور اللہ تعالیٰ کا فرمان حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں "اور ابراہیم کی اولاد میں ہم نے نبوت اور کتاب رکھ دی" تو نبوت و کتاب کا حصر، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد ان کی ذریت میں کیا اور کسی نے یہ نہیں کہا کہ حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام سے قبل نبوت جنوں میں تھی پھر ان کی بعثت سے ختم ہو گئی۔

امام فخر الدین رازی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

کہ ایک قول کے مطابق جنوں سے رسول ہوئے ہیں مگر وَالْقَوْلُ الثَّانِیُّ وَ هُوَ قَوْلُ الْاَكْثَرِيْنَ اَنَّهٗ مَا كَانَ مِنَ الْجِنِّ رَسُوْلٌ اَلْبَتَّةَ وَ اَنَّمَا كَانَ الرُّسُلُ مِنَ الْاِنْسِ

دوسرا قول اور وہی قول اکثر علماء کا ہے کہ ہرگز جنوں سے کوئی رسول نہیں ہوا اور صرف رسول انسانوں سے ہوئے ہیں۔ جنوں سے رسول نہ ہونے کا استدلال اس آیت سے بھی ممکن ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰۤى اٰدَمَ وَ نُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَ اٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۞﴾ (۱)

بے شک اللہ نے چن لیا آدم اور نوح اور آل ابراہیم اور آل عمران کو (ان کے زمانے کے) سارے جہان (والوں) پر۔

اور اس پر اجماع ہے کہ اس آیت میں اصطفاء سے مراد نبوت ہے تو پھر ضروری ہے کہ نبوت ان ہی حضرات کے ساتھ خاص ہو۔ (۲)

چونکہ محققین علماء کے نزدیک رسول صرف انسان ہوئے ہیں اور جنوں سے کوئی

(۱) [آل عمران ۳:۳۳] (۲) تفسیر کبیر ۱۳:۲۰۵

رسول نہیں ہوا اسی لئے امام عمر نسفی رحمہ اللہ متن میں فرماتے ہیں:

وَ قَدْ اَرْسَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى رُسُلًا مِنَ الْبَشَرِ اِلَى الْبَشَرِ.

تا کہ انسان مانوس ہو کر ان سے ہدایت و فیض حاصل کر سکیں اور ان کی بعثت کا مقصد پورا ہو جائے۔

نبوت و رسالت کی ضرورت:

ایمان والوں اور اطاعت کرنے والوں کو جنت اور ثواب کی خوشخبری دینا اور کفر کرنے والوں اور نافرمانی کرنے والوں کو دوزخ اور عذاب سے ڈرانا۔ اور ثواب و عذاب کی خبر نبیوں کے بتلانے سے ہوتی ہے اور یہی رسولوں کے بھیجنے میں بڑی حکمت ہے کہ وہ انسانوں تک اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچائیں اور ان کو اللہ تعالیٰ کی معرفت کرائیں تا کہ انسان ان کی ہدایات کی روشنی سے حق تعالیٰ کی معرفت حاصل کریں، اس کی عبادت کریں اور کل قیامت کے دن یہ نہ کہہ سکیں کہ ہم تک تو اللہ تعالیٰ کا حکم سنانے والا کوئی نہیں آیا ہم کیسے ایمان لاتے اور اللہ کی عبادت کرتے۔ لہذا اس حجت کو قطع کرنے کی خاطر اللہ تعالیٰ نے انسانوں سے رسول مبعوث فرمائے۔

چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

﴿رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۞﴾ [النساء ٤:١٦٥]

(ہم نے) رسول (بھیجے) خوشخبری دیتے اور ڈر سناتے ہوئے تا کہ رسولوں کے بعد لوگوں کے لئے اللہ پر الزام کا موقع نہ رہے اور اللہ بہت غالب بڑی حکمت والا ہے۔

﴿اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا ۙ......﴾ [البقرہ ٢:١١٩]

(اے حبیب) یقیناً ہم نے آپ کو حق کے ساتھ خوشخبری دیتا اور ڈر سناتا ہوا بھیجا۔

﴿وَ مَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ ج......﴾ (۱)

اور ہم رسول نہیں بھیجتے مگر خوشخبری اور ڈر سناتے ہوئے۔

اور اللہ تعالیٰ کسی قوم کو اس وقت تک عذاب نہیں دیتا جب تک کہ اس قوم میں رسول بھیج کر اتمام حجت نہ فرمائے۔

چنانچہ فرمان الٰہی ہے:

﴿......وَ مَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا۝﴾ (۲)

اور ہم عذاب کرنے والے نہیں جب تک رسول نہ بھیج دیں۔

﴿وَ مَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْٓ اُمِّهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ج......﴾ (۳)

اور آپ کا رب بستیوں کو ہلاک کرنے والا نہیں جب تک ان بستیوں کے مرکز میں کسی رسول کو نہ بھیج دے جو ان پر ہماری آیتیں پڑھے۔

(۱) [الانعام ۶:۴۸] (۲) [الاسراء ۱۷:۱۵] (۳) [القصص ۲۸:۵۹]

وَمُبَيِّنِيْنَ لِلنَّاسِ مَا يَحْتَاجُوْنَ اِلَيْهِ مِنْ اُمُوْرِ الدُّنْيَا وَالدِّيْنِ.

اور رسول لوگوں کے لئے بیان کرنے والے ہیں ان باتوں کو کہ جن کی طرف وہ امور دنیا و دین میں محتاج ہوتے ہیں۔

رسول امور دین و دنیا بتلانے والے

شرح: (۱) اکثر نسخوں میں لفظ دنیا کو دین پر مقدم کیا گیا ہے حالانکہ دین اشرف ہے اور بعض نسخوں میں لفظ دین کو دنیا پر مقدم رکھا ہے۔ جن باتوں اور کاموں کو رسول، لوگوں کے لئے ظاہر کرنے والے ہیں اور جن کے وہ محتاج ہیں ان کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) امور دنیا (۲) امور دین۔

امور دنیا سے کیا مراد ہے؟

اس کے متعلق صاحب شرح النسفیہ فرماتے ہیں:

كَالْمُبَايَعَاتِ وَالْمُنَاكَحَاتِ وَالْعُقُوْبَاتِ وَ سَائِرِ الْمُعَامَلَاتِ الدُّنْيَوِيَّةِ. (۱)

جیسے خرید و فروخت، عقد و نکاح، سزائیں اور دوسرے سارے دنیاوی معاملات۔

اور امور دین (دین کے کاموں) سے مراد عبادات بجالانا، اللہ تعالیٰ کے حکموں کی پیروی کرنا اور جن کاموں سے روکا گیا ہے ان سے بچنا اور دور رہنا اور قضا و قدر کو ماننا ہے۔

محقق شہیر علامہ سعد الدین تفتازانی رحمہ اللہ اس کی شرح میں فرماتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ نے جنت اور دوزخ کو پیدا کیا اور ان میں ثواب و عذاب تیار کیا مگر ان کے حالات کی تفصیل اور اول کی طرف پہنچنے کا اور (ثانی) دوزخ سے بچنے کا طریقہ (یہ دونوں) ایسے کام ہیں کہ عقل انسانی مستقل نہیں ہے۔ اسی طرح بعض اجسام کو نافع اور بعض کو

(۱) شرح النسفیه فی عقیدة الاسلامیه : ۱۷۷

مضر پیدا کیا اور عقول انسانی کو ان دونوں کی پہچان کے لئے مستقل نہیں بنایا۔ اسی طرح بعض احکام بنائے ان میں سے کچھ ممکنات ہیں کہ جن کے ایک جانب وجود یا عدم کی تخصیص و ترجیح موجود نہیں ہے۔ اور بعض واجبات یا ممتنعات ہیں کہ ان کا تعین عقل کے ذریعے نہیں ہوگا سوائے نظر کاملہ دائمہ اور بحث کامل کے۔ اسی طرح اگر انسان صرف انہی کے تتبع میں مصروف ومشغول رہے تو اس کے دیگر کئی مصالح اس سے فوت ہو جائیں لہذا اللہ تعالیٰ کا رسولوں کو ان سب کے بیان اور اظہار کے لئے دنیا میں مبعوث فرمانا اس کی بہت بڑی رحمت اور مہربانی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَ مَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ۝﴾ (۱)

اور ہم نے نہیں بھیجا آپ کو (اے محبوب) مگر رحمت سارے جہانوں کے لئے۔

نیز رسول ﷺ کی بعثت کا ذکر بطور احسان فرمایا:

﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ......۝﴾ (۲)

بے شک اللہ نے بڑا احسان کیا ایمان والوں پر جب اس نے ان میں عظمت والا رسول بھیجا ان ہی میں سے۔

معلوم ہوا کہ انبیاء و رسل کی بعثت اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کا احسان عظیم ہے کہ جن کے سبب دین و دنیا کے منافع بیان کئے جاتے ہیں۔

ایک نکتہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے صاحب نبراس لکھتے ہیں:

اَلْمَشْهُوْرُ اَنَّ النَّبِیَّ یُبْعَثُ بَعْدَ اَرْبَعِیْنَ لِاَنَّهٗ حِیْنَ یَكْمُلُ الْعَقْلُ وَ فِی الدَّلِیْلِ نَظَرٌ بَلِ الْمُعْتَمَدُ فِیْهِ النَّقْلُ وَ قَالَ الْقَاضِیُّ اَبُوْبَكْرِ الْمُتَكَلِّمُ كَانَ عِیْسٰی

(۱)[الانبیاء۲۱:۱۰۷] شرح العقائد النسفیہ: ۱۳۵۔۱۳۴ (۲) [ال عمران ۳:۱۶۴]

ؑ رَسُوْلًا مِنْ حِیْنِ الصَّبَا لِقَوْلِهٖ فِی الْمَهْدِ ﴿......وَ جَعَلَنِیْ نَبِیًّا۝﴾ [مریم۱۹:۳۰] وَ اُجِیْبَ بِاَنَّهٗ كَقَوْلِهٖ ؑ كُنْتُ نَبِیًّا وَّ آدَمُ بَیْنَ الْمَاءِ وَالطِّیْنِ (۱)

کہ مشہور تو یہ بات ہے کہ نبی چالیس سال کے بعد مبعوث کیا جاتا ہے کیونکہ اس عمر میں اکثر عقل کامل اور مکمل ہوتی ہے اور دلیل میں نظر ہے بلکہ قابل اعتبار اور معتمد فیہ نقل ہے اور قاضی ابوبکر متکلم نے فرمایا: کہ حضرت عیسیٰ ؑ تو بچپن میں ہی رسول تھے کیونکہ آپ نے جھولے میں ہی فرمایا تھا:

﴿......وَ جَعَلَنِیْ نَبِیًّا۝﴾ [مریم۱۹:۳۰]

اور مجھے نبی بنایا۔

اور یہ بھی جواب دیا گیا ہے کہ آپ ؑ کا قول، نبی اکرم ﷺ کے قول کی طرح ہے

كُنْتُ نَبِیًّا وَّ آدَمُ بَیْنَ الْمَاءِ وَالطِّیْنِ. (۲)

کہ میں اس وقت بھی نبی تھا جبکہ آدم ؑ پانی اور گارے کے درمیان تھے۔

معلوم ہوا کہ نبی پیدائشی طور پر نبی ہوتے ہیں کیونکہ مرتبہ نبوت وہبی ہوتا ہے نہ کہ کسبی۔ عطائے نبوت و رسالت اور چیز ہے اور اظہار و اعلان نبوت و رسالت اور۔ اعلان و اظہار نبوت تو بعد میں ہوتا ہے جس کے لئے عمر کا تعین ادلۂ قطعیہ سے ثابت نہیں ہے مگر مرتبہ نبوت و رسالت پیدائشی طور پر ہوتا ہے۔

(۱) النبراس شرح شرح العقائد النسفیة ٤٣٠

(۲) مسند احمد بن حنبل

الدرر المنتثرة فی الاحادیث المشتهرة للسیوطی ١٢٦، تنزیه الشریعة لابن عراق ٢:٣٤١، احادیث القصاص ٢٩، تذکرة الموضوعات للفتنی ٨٦، کشف الخفا للعجلونی ٢:١٩١

الاسرار المرفوعة ٢٧١،٢٧٢

وَ اَيَّدَهُمْ بِالْمُعْجِزَاتِ النَّاقِضَاتِ لِلْعَادَاتِ

اور اللہ تعالیٰ نے ان رسولوں کی تائید ایسے معجزات کے ساتھ فرمائی جو عادات کو توڑنے والے ہیں۔(۱)

نبیوں کے معجزات

شرح: لفظ معجزہ اعجاز سے مشتق ہے بمعنی عاجز کرنے والا۔ لفظ معجزہ میں "ۃ" تانیث کی ہے اور بلاشبہ معجزہ ثبوت ورسالت کی آیت اور اس کی نشانی ہے اور اس کے ظاہر ہونے سے منکرین کو یقین آجاتا ہے کہ نبوت ورسالت کا دعویٰ کرنے والا سچا ہے۔

شرح العقائد النسفیہ میں ہے:

جَمْعُ مُعْجِزَةٍ هِيَ اَمْرٌ يَظْهَرُ بِخِلَافِ الْعَادَةِ عَلٰى يَدِ مُدَّعِي النُّبُوَّةِ عِنْدَ تَحَدِّي الْمُنْكِرِيْنَ عَلٰى وَجْهٍ يُعْجِزُ الْمُنْكِرِيْنَ عَنْ اِتْيَانٍ بِمِثْلِهٖ.(۱)

کہ معجزات معجزہ کی جمع ہے اور معجزہ ایک ایسا امر ہے کہ مدعی نبوت کے ہاتھ پر منکرین کے معارضہ (چیلنج، مقابلہ ومطالبہ) کے وقت ظاہر ہوتا ہے اس طریقہ پر کہ منکرین کو اس کی مثل لانے سے عاجز کر دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے نبیوں اور رسولوں کو ہر زمانہ کے لحاظ سے معجزات عطا فرمائے اور ان کا ظہور ہوتا رہا۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عصاء، ید بیضاء، پتھر سے پانی کا جاری ہونا، دریا میں راستوں کا بن جانا وغیرہ معجزات عطا ہوئے۔ حضرت صالح علیہ السلام کا معجزہ اونٹنی کا پیدا ہونا، حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاتھوں لوہے کا نرم ہونا اور خوش آوازی، حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے جن وہوا کا مطیع کر دینا اور ہوا آپ کے تخت کو ہوائی جہاز کی طرح جہاں آپ جانا چاہتے

(۱) شرح العقائد النسفیۃ ۱۳۵

لے جاتی تھی اور دو ماہ کی مسافت ایک دن میں طے ہو جاتی تھی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مردے زندہ کرنا، ذخیرہ شدہ چیزوں کی خبریں دینا اندھوں اور کوڑھ کے مریضوں کا شفا پانا اور ولادت کے فوراً بعد باتیں کرنا۔

یہ سب معجزات وہ ہیں جن کا ذکر قرآن کریم میں ہے کہ کسی کو ان کے انکار کرنے کی مجال نہیں لیکن ہمارے پیارے رسول ﷺ کو بے شمار اور لاتعداد معجزے عطا کئے گئے ہیں۔ آپ جامع المعجزات ہیں اور آپ کا وجود اقدس ایک عظیم الشان معجزہ ہے اسی لئے کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

دیئے معجزے انبیاء کو خدا نے
ہمارا نبی معجزہ بن کے آیا

قرآن مجید میں اسراء معراج، غزوہ بدر میں کنکریوں کا کافروں کی آنکھوں پر پھینکنا اور شق قمر وغیرہ کا ذکر ہے ان میں سے اسراء معراج اور شق قمر کا تعلق آسمان سے ہے دیگر معجزات جو بکثرت احادیث میں بیان ہوئے ہیں وہ حد وشمار سے باہر ہیں۔ آپ ﷺ کی ۲۳ سالہ زندگی معجزہ ہے کہ ایک قلیل مدت میں اتنا عظیم دینی کام کیا کہ عقل حیران ہو جاتی ہے۔ اس کو معجزہ نہ کہیں تو اور کیا کہیں یعنی سیرت نبوی خود معجزہ ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿يٰاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾ [المائدہ ۵:۱۷۴]

اے لوگو بیشک تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے مستحکم دلیل آگئی۔

اس آیت میں برہان سے مراد نبی ﷺ ہیں کیونکہ آپ ﷺ سراپا برہان اور معجزہ ہیں۔ نیز آپ جامع المعجزات ہیں۔

چنانچہ علامہ عبدالعزیز پرہاروی رحمہ اللہ النمر اس میں فرماتے ہیں:

وَ قَدْ رُوِيَتْ خَوَارِقُ لَا تُحْصٰى عَنِ النَّبِيِّ ﷺ كَتَكَلُّمِ الْبَهَائِمِ مَرَّاتٍ وَّالْاَحْجَارِ مَرَّاتٍ وَّالْاَشْجَارِ مَرَّاتٍ وَّ شَهَادَةِ الْكُلِّ بِنُبُوَّتِهٖ وَ بُكَاءِ جِذْعِ النَّخْلِ يَوْمَ تَرْكِ الْاِتِّكَاءِ وَ اِشْبَاعِ الْخَلْقِ الْعَظِيْمِ مِنْ طَعَامٍ قَلِيْلٍ مَّرَّاتٍ عَدِيْدَةٍ وَّ نُبُوْعِ الْمَاءِ مِنْ اَصَابِعِهٖ حَتّٰى كَفٰى قَوْمًا كَثِيْرًا وَّ شِفَاءِ الْاَمْرَاضِ الصَّعْبَةِ مِنْ لَمْسِهٖ فِي السَّاعَةِ وَ اِلْتِيَامِ الْجِرَاحَاتِ وَالْعِظَامِ الْمُنْكَسِرَةِ وَالْاَعْضَاءِ الْمَقْطُوْعَةِ فِي اللَّحْظَةِ وَ اِظْلَالِ الْغَمَامَةِ وَ اِنْشِقَاقِ الْقَمَرِ وَالْاَخْبَارِ بِالْمُغَيَّبَاتِ الْكَثِيْرَةِ جِدًّا اِلٰى غَيْرِ ذٰلِكَ مِمَّا جَمَعَهٗ اَهْلُ الْحَدِيْثِ فِيْ مُجَلَّدَاتٍ.(۱)

اور بے شک نبی ﷺ سے بے شمار لاتعداد خوارق و معجزات بیان کئے گئے ہیں جیسے کئی مرتبہ آپ کے ساتھ جانوروں کا، کئی مرتبہ پتھروں کا اور کئی بار درختوں کا کلام کرنا اور ہر ایک کا آپ کی نبوت کی گواہی دینا اور کھجور کے تنے کا رونا جب آپ نے اس کے ساتھ تکیہ لگانا ترک کر دیا، کئی مرتبہ مختلف موقعوں پر تھوڑے کھانے سے خلق عظیم کا سیر ہونا، انگشت ہائے دست سے پانی کا جاری ہونا اور خلق عظیم کے لئے اس کا کافی ہونا، مشکل بیماریوں کے مریضوں کو ہاتھ لگانے سے اسی وقت شفا ہو جانا، زخموں کا ملنا، ٹوٹی ہوئی ہڈیوں کا ایک لحظہ میں جڑنا اور کٹے ہوئے اعضا کا اسی وقت لگ جانا، بادلوں کا سایہ کرنا، چاند کے ٹکڑے ہو جانا اور بہت سی غیب کی خبریں دینا وغیرہ جن کو محدثین نے ضخیم کتابوں میں جمع کیا ہے۔

قرآن مجید حضور علیہ السلام کا ایک عظیم الشان دائمی معجزہ ہے جو کہ بے شمار معجزات کا مجموعہ ہے امام قرطبی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

فَالْقُرْاٰنُ مُعْجِزَةُ لِنَبِيِّنَا ﷺ الْبَاقِيَةُ بَعْدَهٗ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ.(۲)

کہ قرآن ہمارے نبی ﷺ کا معجزہ ہے جو ان کے بعد قیامت تک باقی ہے۔

(۱) النبراس شرح شرح العقائد النسفية ۴۴۱-۴۴۰ (۲) تفسیر قرطبی ۱: ۷۲

وَاَوَّلُ الْاَنْبِيَآءِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ آدَمُ علیہ السلام

سب نبیوں سے پہلے حضرت آدم (۱) ہیں۔

شرح:۱ حضرت آدم علیہ السلام کے نام کا ذکر ۱۰ سورتوں اور ۲۵ آیات میں ہوا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ لفظ آدم، ادیم سے لیا گیا ہے جس کے معنی ہیں سطح زمین لیکن ابو اسحٰق ثعلبی کا قول یہ ہے کہ یہ عبرانی لفظ آدام سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں مٹی۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے تہذیب الاسماء والکنی میں لکھا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی عمر ایک ہزار سال تھی۔ ابن جریر نے یہی قول متعدد سندوں کے ساتھ خود رسول اللہ سے بھی نقل کیا ہے۔ ابن الاثیر نے نقل کیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام پر ۲۱ صحیفے نازل ہوئے تھے اور ان صحیفوں کو حضرت آدم علیہ السلام نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کی تعلیم کے مطابق خود اپنے ہاتھ سے لکھا تھا۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ

چونکہ بعض لوگ حضرت آدم علیہ السلام کی نبوت کا انکار کرتے ہیں۔ اس لئے صاحب عقائد نے فرمایا کہ حضرت آدم علیہ السلام نبی ہیں اور سب سے پہلے ہوئے ہیں اور حضرت آدم علیہ السلام کی نبوت قرآن و حدیث سے ثابت ہے کہ وہ مامور اور منہی تھے حالانکہ ان کے زمانہ میں کوئی دوسرے نبی نہیں تھے تو ان ہی پر وحی نازل ہوئی اور جس پر وحی نازل ہوتی ہے وہ نبی ہوتا ہے اور اجماع سے بھی ثابت ہے ان کی نبوت کا انکار کرنا کفر ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰۤى اٰدَمَ وَ نُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَ اٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۞﴾(۱)

بے شک اللہ نے چن لیا آدم اور نوح اور آل ابراہیم اور آل عمران کو (ان کے زمانے

(۱) [آل عمران ۳:۳۳]

کے) سارے جہان (والوں) پر۔

اس آیت میں اصطفا سے مراد نبوت اور رسالت ہے اور آیت حضرت آدم علیہ السلام کے نبی ہونے کی دلیل ہے۔

﴿وَ قُلْنَا يٰۤاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَ كُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا وَ لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ﴾ [البقرہ ۲:۳۵]

اور ہم نے فرمایا اے آدم تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو اور اس سے بافراغت کھاؤ جہاں چاہو اور اس درخت کے قریب نہ جانا کہ حد سے بڑھنے والوں میں سے ہو جاؤ گے

اس آیت میں امر و نہی دونوں کا ذکر ہے اور یہ خطاب حضرت آدم علیہ السلام کو ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ اس روئے زمین پر جو سب سے پہلے نبی ظاہر ہوئے ہیں وہ حضرت سیدنا آدم علیہ السلام ہیں کیونکہ وہی ابو البشر ہیں۔ سورہ بقرہ کے علاوہ سورہ اعراف وغیرہ میں متعدد آیات ہیں جو ان کی تکلیف اور ان کی اولاد کے متعلق امر و نہی پر دلالت کرتی ہیں۔ اور نبوت و رسالت امر و نہی سے ثابت ہوتی ہے جو کہ بذریعہ وحی ہے۔

البریقہ شرح طریقہ میں ہے۔

نُبُوَّتُهٗ ثَابِتَةٌ بِالْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ وَالْاِجْمَاعِ حَتّٰى يُكَفَّرَ جَاحِدُهَا كَبَعْضِ بَرَاهِمَةٍ وَ سُمْنِيَةٍ .

کہ حضرت آدم علیہ السلام کی نبوت کتاب وسنت اور اجماع امت سے ثابت ہے یہاں تک کہ ان کی نبوت کا انکار کرنے والا کافر ہو جاتا ہے جیسا کہ فرقہ براہمنہ اور فرقہ سمینہ کافر ہیں۔

کیونکہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کی نبوت کا انکار کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ حضرت آدم علیہ السلام کی شان میں فرماتا ہے:

﴿ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَ هَدٰى﴾ [طٰہٰ ۲۰:۱۲۲]

پھر ان کے رب نے انہیں برگزیدہ فرما لیا تو ان پر رجوع برحمت ہوا اور (عزت و عظمت کے بلند درجات کی طرف) انہیں راہ دکھائی۔

اس میں اِجتبا اور اِصطفا سے مراد نبوت ہے۔

اَنَا سَيِّدُ وُلْدِ آدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَ لَا فَخْرَ ، وَ بِيَدِيْ لِوَاءُ الْحَمْدِ وَ لَا فَخْرَ ، وَ مَا مِنْ نَبِيٍّ يَوْمَئِذٍ ، آدم فَمَنْ سواه تَحْتَ لِوَائِيْ ، و انا اَوَّلُ مَنْ تَنْشَقُّ عَنْهُ الْاَرْضُ وَ لَا فَخْرَ .(۱)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں قیامت کے دن اولاد آدم کا سردار ہوں گا اور مجھے اس پر فخر نہیں، (بلکہ بطور تحدیث نعمت ہے) حمد کا علم میرے ہاتھ میں ہوگا اور کوئی فخر کی بات نہیں ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام اور دوسرے انبیاء کرام اس دن میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے اور مجھے کوئی فخر نہیں۔ قیامت کے دن سب سے پہلے میری زمین پھٹے گی اور کوئی فخر نہیں۔

اس حدیث میں حضرت آدم علیہ السلام کا نبی ہونا روز روشن کی طرح واضح ہے۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ (ﷺ)!

اَيُّ الْاَنْبِيَاءِ كَانَ اَوَّلَ؟ قَالَ آدَمُ .(۲)

کہ سب سے پہلے نبی کون تھے؟ فرمایا: حضرت آدم علیہ السلام۔

(۱) جامع الترمذی، کتاب التفسیر، سورہ ۱۷

ابن ماجہ، کتاب الزہد، باب ذکر الشفاعۃ، ح:۲

(۲) المشکوۃ، باب بدء الخلق و ذکر الانبیاء علیہم السلام، الفصل الثالث ص:۵۱۱

ان دلائل سے ثابت ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سب سے پہلے نبی ہیں اور سب سے پہلے انسان ہیں اسی لئے ان کو اول الانبیاء، ابوالناس، ابوالبشر اور ابوالخلیقہ کہا جاتا ہے یعنی سب نبیوں سے اول، سب انسانوں کے باپ، اور سب سے پہلی مخلوق ہیں کہ آپ سے انسانوں کی ابتداء ہوئی۔ حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کا ذکر فرشتوں میں کیا گیا اور ان کی پیدائش کے بعد ان کو تمام چیزوں کے نام سکھا دیئے گئے پھر حق تعالیٰ نے تمام اسماء کو فرشتوں پر پیش کیا تو وہ ان کے نام نہ بتا سکے لیکن حضرت آدم علیہ السلام نے سب نام بتا دیئے۔ مزید ان کی فضیلت کو ظاہر کرنے کی خاطر مسجود ملائکہ بنا دیا گیا۔ تمام انسان حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ یٰاَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْھَا زَوْجَھَا وَ بَثَّ مِنْھُمَا رِجَالًا کَثِیْرًا وَّ نِسَآءً ج...... ﴾ [النساء ٤:١]

اے لوگو اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان (آدم) سے بنایا اور اسی سے اس کی زوجہ (حوا) کو پیدا کیا اور ان دونوں سے بکثرت مردوں اور عورتوں کو پھیلا دیا۔

خیال رہے کہ بعض نے حضرت آدم علیہ السلام کی رسالت کا کنایۃً انکار کیا ہے کہ وہ رسول نہیں تھے صرف نبی تھے اور بعض نے تو ان کی نبوت کا بھی انکار کیا ہے کہ نبیوں کا ذکر کرتے ہوئے حضرت نوح علیہ السلام کے ذکر سے آغاز کیا ہے اور حضرت آدم علیہ السلام کا ذکر نہیں کیا دیکھئے کتاب اصول ثلاثہ صفحہ ۳۔

اور صاحب ''عقیدہ اہل سنت'' نے انبیاء پر ایمان لانے کا ذکر کرتے ہوئے یوں لکھا ہے۔ نُؤْمِنُ بِاَنَّ اَوَّلَھُمْ نُوْحٌ وَ آخِرُھُمْ مُحَمَّدٌ ﷺ.

بے شک ہم ایمان لائے ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام سب سے پہلے نبی ہیں اور

حضرت محمد ﷺ آخری نبی ہیں۔

اس میں حضرت آدم علیہ السلام کی نبوت کا صراحتاً انکار ہے اور ایک نبی کی نبوت و رسالت کا انکار سب نبیوں کی نبوت اور رسالت کے انکار کو مستلزم ہے جو کہ کفر ہے۔ حق بات تو یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نبی بھی تھے اور رسول بھی۔

چنانچہ صاحب التعلیق الصبیح لکھتے ہیں:

اِنَّ اَبَانَا وَ سَیِّدَنَا آدَمُ علیہ السلام کَانَ نَبِیًّا وَّ رَسُوْلًا مُکَلِّمًا فَھُوَ اَوَّلُ رَسُوْلٍ عَلَی الْاِطْلَاقِ وَ اَوَّلُ خَلِیْفَةِ اللّٰہِ فِیْ اَرْضِہٖ وَ لٰکِنْ کَانَ رَسُوْلًا وَ خَلِیْفَةً اِلٰی وَلَدِہٖ فَاَوْلَادُہٗ ھُمْ کَانُوْا اُمَّتَہٗ وَ ھُمْ کَانُوْا رَعِیَّةً تَقَدَّمَتْ نُبُوَّتُہٗ وَ رِسَالَتُہٗ وَ خِلَافَتُہٗ عَلٰی وُجُوْدِ الْاُمَّةِ وَالرَّعِیَّةِ وَ کَیْفَ وَ قَدْ جَعَلَہُ اللّٰہُ مَبْدَءَ الْعَالَمِ وَ اَبَا الْبَشَرِ خَلَقَہُ اللّٰہُ عَزَّ وَ جَلَّ بِیَدِہٖ وَ سَوَّاہُ وَ نَفَخَ فِیْہِ مِنْ رُّوْحِہٖ وَ جَعَلَہٗ خَلِیْفَةً فِیْ اَرْضِہٖ وَ اَسْجَدَ لَہٗ مَلَائِکَتَہٗ وَ عَلَّمَہٗ اَسْمَائَہٗ کُلَّھَا وَ فَضَّلَہٗ عَلٰی مَلَکُوْتِ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ فَلَا شَکَّ فِیْ نُبُوَّتِہٖ وَ لَا فِیْ رِسَالَتِہٖ وَ یَشْھَدُ لِمَا قُلْنَا مَا اَخْرَجَ الطَّبْرَانِیُّ وَ اَبُوالشَّیْخِ فِی الْعَظْمَةِ وَابْنُ مَرْدَوَیْہِ عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! اَرَاَیْتَ آدَمَ نَبِیًّا کَانَ؟ قَالَ: نَعَمْ کَانَ نَبِیًّا رَسُوْلًا کَلَّمَہُ اللّٰہُ قِبَلًا

﴿...... یٰاٰدَمُ اسْکُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُکَ الْجَنَّةَ ...... ﴾ [البقرة ٢:٣٥] (١)

بیشک ہمارے باپ اور ہمارے آقا حضرت آدم علیہ السلام نبی اور رسول تھے۔ پس آپ علی الاطلاق پہلے رسول اور اللہ تعالیٰ کی زمین پر پہلے خلیفہ تھے۔ لیکن آپ علیہ السلام اپنی اولاد کی طرف رسول اور خلیفہ تھے۔ آپ کی اولاد آپ کی امت تھی اور آپ کی رعایا تھی

(١) تعلیق الصبیح :٥

آپ علیہ السلام کی نبوت، رسالت اور خلافت امت اور رعیت پر مقدم ہوئی۔ اور کیسے اور بیشک اللہ تعالیٰ نے آپ کو مبدءِ عالم اور ابوالبشر بنایا، آپ کو اپنے دست قدرت سے بنایا، پھر انہیں برابر کیا اور ان میں اپنی طرف سے روح پھونکی، انہیں اپنی زمین میں خلیفہ بنایا، اپنے فرشتوں سے انہیں سجدہ کرایا، سب چیزوں کے نام سکھا دیئے، اور آسمانوں اور زمینوں کی بادشاہی پر انہیں فضیلت عطا فرمائی۔ پس آپ کی نبوت و رسالت پر کوئی شک نہیں۔ ہماری اس بات پر گواہ ہے جسے طبرانی اور ابو شیخ نے عظمت میں اور ابن مردویہ نے اپنے ...... سے روایت کیا کہتے ہیں میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا آپ حضرت آدم علیہ السلام کو انبیاء سے سمجھتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں وہ نبی رسول تھے اللہ تعالیٰ نے ان سے کلام فرمایا ہے۔ اور ان سے فرمایا: ''اے آدم تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو''۔

معلوم ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام نبی اور رسول تھے صرف نبی ہی نہیں تھے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا۔

یارسول اللہ! سب سے پہلے نبی کون ہیں؟

آپ ﷺ نے فرمایا: حضرت آدم علیہ السلام۔

میں نے پھر پوچھا: کہ کیا حضرت آدم علیہ السلام نبی تھے؟

آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں وہ نبی تھے انہیں اللہ رب العالمین سے شرف تکلم و تخاطب حاصل ہوا ہے۔

اس کے بعد میں نے پوچھا: یارسول اللہ! انبیاء میں رسول کتنے ہوئے ہیں؟

آپ ﷺ نے فرمایا: کافی بڑی تعداد میں تین سو دس سے کچھ زیادہ ہی ہوں گے (۱)

(۱) المشکوۃ، باب بدء الخلق و ذکر الانبیاء علیہم السلام، الفصل الثالث ص: ٥١١

اور ایک روایت میں حضرت ابوامامہ (تابعی) رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! نبیوں اور رسولوں کی تعداد کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار، ان میں رسول تین سو پندرہ ہوئے ہیں، جو کافی بڑی تعداد ہے۔ (۱)

سوال: جن نبیوں کی طرف وحی کی گئی ہے ان میں سے سب سے اول حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر آیا ہے۔ چنانچہ اللہ فرماتا ہے۔

﴿اِنَّآ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ کَمَآ اَوْحَیْنَآ اِلٰی نُوْحٍ وَّالنَّبِیّٖنَ مِنْ بَعْدِہٖ ...... ﴾ (۲)

(اے محبوب) بیشک ہم نے آپ کی طرف وحی کی جیسے ہم نے نوح اور ان کے بعد دوسرے نبیوں کی طرف وحی فرمائی۔

اس سے ثابت ہوا کہ پہلے نبی حضرت نوح علیہ السلام ہیں۔

جواب: اس سے حضرت آدم علیہ السلام کی نبوت کی نفی نہیں ہوتی۔ حضرت نوح علیہ السلام اپنے اس وقت کے تمام انسانوں اور اپنی اولاد کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے تھے اس لئے ان کا ذکر اس طریقہ سے کیا گیا ہے۔ اور حضرت آدم علیہ السلام اپنے زمانہ میں صرف اپنی اولاد ہی کی طرف نبی تھے۔ نیز حضرت نوح علیہ السلام اولوالعزم (بڑی ہمت والے) رسولوں میں سے ہیں اس لئے ان کا ذکر خصوصیت کے ساتھ کیا گیا ہے اور حضرت آدم علیہ السلام اولوالعزم رسولوں میں نہیں ہیں۔

سب سے زیادہ صحیح قول کے مطابق جو حضرت امام بغوی نے حضرت ابن عباس

(۱) المشکوۃ، باب بدء الخلق و ذکر الانبیاء علیہم السلام، الفصل الثالث ص: ٥١١

(۲) [النساء ٤:١٦٣]

رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور حضرت قتادہ سے نقل کیا ہے وہ یہ ہے کہ اولوالعزم نبیوں اور رسولوں سے مراد حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ اور حضرت محمد ﷺ وعلیہم الصلوۃ والسلام ہیں۔

چنانچہ ارشاد باری ہے:

﴿وَ اِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِیّٖنَ مِیْثَاقَهُمْ وَ مِنْكَ وَ مِنْ نُّوْحٍ وَّ اِبْرٰهِیْمَ وَ مُوْسٰى وَ عِیْسَى ابْنِ مَرْیَمَ ص......﴾ [الاحزاب ۳۳:۷]

اور (اے محبوب یاد کیجئے) جب ہم نے (تبلیغ رسالت پر) نبیوں سے عہد لیا اور آپ سے اور نوح سے اور ابراہیم اور موسیٰ اور مریم کے بیٹے عیسیٰ سے۔

نیز فرمایا:

﴿شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّیْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّ الَّذِیْۤ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْكَ وَ مَا وَصَّیْنَا بِهٖۤ اِبْرٰهِیْمَ وَ مُوْسٰى وَ عِیْسٰۤى اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ وَ لَا تَتَفَرَّقُوْا فِیْهِ ؕ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِیْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَیْهِ ؕ......﴾ [الشوری ۴۲:۱۳]

اسی دین کا راستہ تمہارے لئے مقرر کیا جس کا حکم اس نے نوح کو دیا تھا اور جس (دین) کی ہم نے آپ کی طرف وحی فرمائی اور جس کا حکم ہم نے ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا تھا (ان سب کی امتوں کو فرمایا دیا تھا) کہ (اسی) دین کو قائم رکھو اور اس میں تفرقہ نہ ڈالو شرک کرنے والوں پر بہت ہی شاق ہے (توحید کی) وہ بات جس کی طرف آپ انہیں بلاتے ہیں۔

وَ آخِرُهُمْ سَیِّدُنَا مُحَمَّدٌ ﷺ

اور ان کے آخری نبی حضرت محمد ﷺ ہیں۔

شرح: یعنی حضرت آدم علیہ السلام سے سلسلہ نبوت شروع ہوا اور حضرت محمد ﷺ پر ختم ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں نبی کریم ﷺ کو خاتم النبیین فرمایا ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَاۤ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَ لٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا۠﴾ [الاحزاب ۳۳:۴۰]

نہیں ہیں محمد (ﷺ) تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ لیکن وہ اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں کے آخر اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔

معلوم ہوا کہ آپ ﷺ خاتم النبیین اور سب رسولوں سے آخری رسول ہیں۔

اور جو شخص آپ کے بعد نبوت اور رسالت کا دعویٰ کرے یا یہ عقیدہ رکھے کہ عنقریب آپ کے بعد کوئی دوسرا نبی آئے گا پس وہ کافر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اعلان فرمادیا ہے کہ آپ خاتم النبیین ہیں اور نبی پاک ﷺ نے خود فرمایا کہ میں خاتم النبیین ہوں۔

چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ مَثَلِیْ وَ مَثَلَ الْاَنْبِیَاءِ مِنْ قَبْلِیْ كَمَثَلِ رَجُلٍ بَنٰی بَیْتًا فَاَحْسَنَهٗ وَ اَجْمَلَهٗ اِلَّا مَوْضِعَ لَبِنَةٍ مِّنْ زَاوِیَةٍ فَجَعَلَ النَّاسُ یَطُوْفُوْنَ بِهٖ وَ یَعْجَبُوْنَ لَهٗ وَ یَقُوْلُوْنَ هَلَّا وُضِعَتْ هٰذِهِ اللَّبِنَةُ ؟ قَالَ: فَاَنَا اللَّبِنَةُ ، وَ اَنَا خَاتَمُ النَّبِیّٖنَ۔ (۱)

---

(۱) البخاری، کتاب المناقب، باب خاتم النبیین ح: ۳۵۳۵
المسلم، کتاب الفضائل، باب ذکر کونہ خاتم النبیین، ح: ۲۱

کہ میری مثال اور مجھ سے پہلے نبیوں کی مثال اس شخص کی طرح ہے جس نے ایک مکان بنایا اور کیا ہی حسین وجمیل مکان بنایا مگر اس کے کونوں میں سے ایک کونے میں ایک اینٹ کی جگہ (خالی) تھی لوگ اس کے گرد گھوم کر دیکھتے خوش ہو رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ یہ ایک اینٹ کیوں نہیں رکھی گئی آپ نے فرمایا میں ہی وہ اینٹ ہوں اور میں خاتم النبیین (سب سے آخری نبی ہوں) کہ مجھ پر نبوت ختم ہو چکی ہے۔

سوال: حدیث میں وارد ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نازل ہوں گے پس آپ کیسے خاتم الانبیاء ہوئے۔

جواب: عیسیٰ علیہ السلام بعد از نزول دین محمد رسول ﷺ کے تابع ہوں گے ان کے دین منسوخ ہو چکا ہے ان کی طرف وحی نازل نہ ہو گی وہ اپنے دین کے احکام مرتب نہیں کریں گے بلکہ دین محمدی پر عامل ہوں گے اور محمد رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ ہوں گے پھر صحیح یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام لوگوں کو نماز پڑھائیں گے۔ امام مہدی ان کے مقتدی ہوں گے کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام افضل ہیں ان کی امامت اولیٰ ہے (شرح عقائد) جس طرح آپ نبیوں کے خاتم النبیین ہیں اسی طرح آپ خاتم الرسل ہیں۔

وہ نبیوں میں ایسے کہ ختم الانبیاء ٹھہرے
حسینوں میں حسین ایسے کہ محبوب خدا ٹھہرے

(۱) اس کی تائید مسلم شریف کی حدیثوں سے ہوتی ہے چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس وقت تمہاری کیا شان ہوگی۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہو کر تمہاری امامت فرمائیں گے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس وقت تمہاری کیا شان ہوگی جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے اور تمہارا ایک

فرد ہو کر امامت فرمائیں گے ابن ابی ذئب نے اس کی تشریح میں کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تمہارے رب کی کتاب اور تمہارے نبی کی سنت کے مطابق امامت فرمائیں گے۔ (۱)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نزول کے وقت حضرت مہدی کی اقتداء میں نماز پڑھیں گے۔ اور باقی نمازوں میں حضرت مہدی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اقتداء کریں گے۔

حضرت مہدی کے نماز پڑھانے کا ذکر مسلم شریف میں آیا ہے اگرچہ نام تو نہیں لیا گیا چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا اس وقت کیا شان ہوگی جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہوگا اور امام تم میں سے کوئی شخص ہوگا۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ کے لئے لڑتا رہے گا اور قیامت تک حق پر قائم رہے گا اور ثابت رہے گا یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لے آئیں گے۔ مسلمانوں کا امیر حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کہے گا۔ آئیے نماز پڑھائیے۔ حضرت عیسیٰ فرمائیں گے تمہیں میں سے بعض بعض کی امامت کریں گے حضور ﷺ نے فرمایا حضرت عیسیٰ کا یہ قول اس امت کی فضیلت ظاہر کرنے کے لئے ہوگا۔ (۲)

پس حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت امام مہدی رحمہ اللہ جمع ہوں گے اور نماز قائم ہوگی تو حضرت محمد مہدی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اشارہ کریں گے اور یہ عذر کریں گے کہ یہ نماز تو آپ کے لئے قائم کی گئی ہے لہذا آپ ہی امامت کے لئے اولیٰ ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام رسول اللہ ﷺ کے تابع ہیں چنانچہ نبی کریم ﷺ نے اس طرف اشارہ فرمایا ہے:

وَ لَوْ كَانَ مُوْسٰى حَيًّا لَمَا وَسِعَهُ اِلَّا اتِّبَاعِيْ. (شرح فقہ اکبر: ۱۳۳)

اور اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو ان کو میری پیروی کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ ہوتا

(۱) مسلم، کتاب الایمان، باب نزول عیسیٰ ابن مریم حاکما بشریعة نبینا ح: ۲۴۶

(۲) مسلم، کتاب الایمان، باب نزول عیسیٰ ابن مریم حاکما بشریعة نبینا ح: ۲۴۷

وَقَدْ رُوِیَ بَیَانُ عَدَدِهِمْ فِیْ بَعْضِ الْاَحَادِیْثِ وَالْاَوْلٰی اَنْ لَّا یَقْتَصِرَ عَلٰی عَدَدٍ فِی التَّسْمِیَةِ. فَقَدْ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی ﴿......مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَیْکَ وَمِنْهُم مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَیْکَ﴾ وَلَا یُؤْمَنُ فِیْ ذِکْرِ الْعَدَدِ اَنْ یَّدْخُلَ فِیْهِمْ مَّنْ لَیْسَ مِنْهُمْ اَوْ یَخْرُجَ مِنْهُمْ مَنْ هُوَ فِیْهِمْ

اور بے شک بیان کی گئی ہے ان کی تعداد بعض حدیثوں (۱) میں اور بہتر یہ ہے کہ نہ تعین منحصر کیا جائے کسی عدد (گنتی) سے نبیوں کے ذکر کرنے میں (مقرر کرنے) کہ اتنے ہیں پس تحقیق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ان میں سے بعض (رسولوں) کا ہم نے ذکر کیا (۲) ہے آپ پر اور ان میں سے بعض کا ذکر ہم نے نہیں کیا ہے آپ پر اور امن نہیں کیا جاتا۔ تعداد کے ذکر کرنے میں اس بات سے کہ داخل ہو جائے ان میں وہ جو ان میں سے نہیں ہے یا باہر ہو جائے ان میں سے وہ جو ان میں سے ہو۔

نبیوں کی تعداد معین نہیں ہے

شرح: ۱ چنانچہ نبی کریم ﷺ سے انبیاء کی تعداد کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار ہیں اور دوسری میں دو لاکھ چوبیس ہزار۔ (شرح العقائد النسفية ١٣٩)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! انبیاء کرام کی پوری تعداد کتنی ہے؟ آپ نے فرمایا: ایک لاکھ چوبیس ہزار اور ان میں سے تین سو پندرہ رسول ہیں جو کہ ایک بڑی جماعت ہے اسے امام احمد نے روایت کیا۔

اور حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! رسول کتنے ہیں؟ فرمایا: تین سو تیرہ جو کہ ایک بڑی جماعت ہے اسے امام احمد نے روایت کیا۔

امام جلال الدین محلی نے تفسیر میں فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ نے آٹھ ہزار نبی بھیجے ہیں

چار ہزار بنی اسرائیل سے اور چار ہزار دوسرے لوگوں سے" اور بعض کتابوں میں ہے ایک لاکھ نبی بھیجے گئے ہیں اور امام احمد کی حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت قابل اعتماد ہے۔ (۱)

چونکہ نبیوں کی تعداد معین نہیں ہے اس لئے ان کے اسماء کا تعین نہ کیا جائے۔

(۱) اور جن انبیاء و رسل کا ذکر قرآن مجید میں صراحتاً کیا گیا ہے ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں

(۱) حضرت آدم علیہ السلام (۲) حضرت نوح علیہ السلام کے نام کا ذکر قرآن مجید کی ۲۸ سورتوں میں ۴۳ مقامات پر ہوا ہے۔

معجم طبرانی میں حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ کی حدیث مرفوع اور مستدرک حاکم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول نقل ہوا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کے درمیان دس قرنوں کا فاصلہ تھا۔ (واللہ اعلم بالصواب)

(۳) حضرت ادریس علیہ السلام آپ کا ذکر قرآن مجید کی دو سورتوں اور دو آیتوں میں ہوا ہے ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ اور بعض دوسرے مورخین کہتے ہیں کہ حضرت ادریس علیہ السلام کا زمانہ حضرت نوح علیہ السلام سے پہلے تھا لیکن بعض دیگر مورخین آپ کو انبیاء بنی اسرائیل میں شمار کرتے ہیں مگر جمہور نے پہلے قول کو ترجیح دی ہے۔

(۴) حضرت ہود علیہ السلام کا ذکر قرآن مجید کی تین سورتوں اور سات آیات میں ہے یہ عاد کی اولاد میں سے تھے اور عاد سام ابن نوح علیہ السلام کی نسل سے تھے۔

مستدرک حاکم میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کے درمیان حضرت ہود علیہ السلام اور حضرت صالح علیہ السلام کے علاوہ اور کوئی نبی نہیں گذرا حضرت ہود علیہ السلام کا انتقال ایک روایت کے مطابق مکہ مکرمہ میں ہوا تھا بعض لوگوں کا خیال ہے کہ آپ کا زمانہ دو

(۱) النبراس : ٤٤٨-٤٤٧

ہزار سال قبل مسیح تھا لیکن یہ صحیح نہیں ہوتا۔

(۵) صالح کا ذکر قرآن مجید کی تین سورتوں میں ۸ مقامات پر ہے آپ ثمود کی اولاد میں سے تھے اور ثمود بھی سام بن نوح کی نسل سے تھے۔

(۶) حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر قرآن مجید کی ۲۵ سورتوں کی ۶۳ آیات میں ہے آپ بھی سام بن نوح کہ اولاد میں سے تھے ابراہیم سریانی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں مشفق اور رحمل باپ۔ ہشام کا قول ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت ہود علیہ السلام کے درمیان ۱۳ سال کا فاصلہ تھا۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کے ۱۴۳ سال کا ثعلبی نے کہا کہ پیدائش آدم کے ۳۳۳۷ سال کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام پیدا ہوئے تھے۔(۱)

لیکن یہ اسرائیلی روایات ہیں جن کی تصدیق یقینی طور پر نہیں کی جاسکتی۔

(۷) حضرت اسماعیل علیہ السلام بن حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر قرآن مجید میں آٹھ سورتوں کی بارہ آیات میں آیا ہے۔ کہ اسماعیل عبرانی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں "خدا سنتا ہے" آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سب سے بڑے بیٹے تھے جو حضرت ہاجرہ کے بطن سے تھے عرب مستعبر یہ یعنی بنوعدنان اور نبی آخر الزمان حضرت محمد ﷺ آپ ہی کی نسل سے ہیں۔

(۸) حضرت اسحاق علیہ السلام کا ذکر قرآن مجید میں ۱۲ سورتوں کی ۱۷ آیات میں آیا ہے اسحاق عبرانی زبان میں ہنسنے کو کہتے ہیں قرآن مجید اور بائبل میں مذکور ہے کہ جب فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس یہ خوشخبری لے کر آئے۔ کہ آپ کے ہاں بیٹا پیدا ہوگا تو حضرت سارہ ہنسی تھیں غالباً اسی لئے بیٹے کا نام اسحاق رکھا گیا حضرت اسحاق علیہ السلام حضرت اسماعیل علیہ السلام کی پیدائش کے چودہ سال بعد حضرت سارہ کے بطن سے پیدا ہوئے۔ بنی اسرائیل کے تمام انبیاء و رسل آپ ہی کی نسل سے مبعوث ہوئے۔

(۱) عمدۃ القاری، کتاب الانبیاء

(۹) حضرت لوط بن ہاران آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے آپ کا ذکر قرآن مجید کی سات سورتوں میں آیا ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ پہلے راہ خدا میں ہجرت کرنے والے تھے (۱۰) حضرت یعقوب بن اسحاق علیہ السلام کا ذکر قرآن کی سات سورتوں میں دس آیات میں ہے لیکن نام صرف دو جگہ پر آیا ہے۔

(۱۱) حضرت یوسف بن یعقوب علیہ السلام کا ذکر قرآن کی تین سورتوں کی ۲۶ آیات میں آیا ہے۔

(۱۲) حضرت شعیب بن میکائیل علیہ السلام کا ذکر قرآن کی چار سورتوں کی ۱۰ آیات میں ہے بعض کے نزدیک یہ لاوی بن یعقوب کی نسل سے تھے لیکن مشہور اور صحیح تحقیق یہی ہے کہ مدین بن ابراہیم کی اولاد میں سے تھے مدین حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تیسری بیوی قطورا کے بطن سے تھے

(۱۳) حضرت موسیٰ بن عمران کا ذکر قرآن مجید کی ۲۶ سورتوں ۱۰۷ آیات میں آیا ہے۔ آپ لاوی بن یعقوب کی نسل سے تھے موسیٰ عربی زبان میں تو استرے یا چھری کو کہتے ہیں لیکن محققین کے نزدیک یہ سریانی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں پانی اور درخت (مو۔ پانی۔ سیٰ۔ درخت)

(۱۴) حضرت ہارون بن عمران علیہ السلام کا ذکر قرآن کی ۱۱ سورتوں اور ۱۴ مقامات پر ہے۔ حضرت ہارون علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی تھے اور عمر میں ان سے ایک سال بڑے تھے بعض کے نزدیک ہارون عبرانی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں محبوب۔

(۱۵) حضرت الیاس علیہ السلام کا ذکر قرآن کی دو سورتوں کی ۶ آیات میں آیا ہے ابن اسحاق کے نزدیک آپ کے والد کا نام یاسین تھا۔ مگر دوسرے مورخین آپ کے والد کا نام عاذر بتاتے ہیں امام بخاری نے لفظ تضعیف کے ساتھ حضرت ابن عباس اور ابن مسعود کا قول ترجمۃ الباب میں بلا ذکر سند نقل کیا ہے کہ الیاس حضرت ادریس ہی دوسرا نام ہے لیکن جمہور کے نزدیک یہ قول سنداً ضعیف ہے۔ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں اس کو کمزور کہا ہے معلوم ہوتا

ہے کہ خود امام بخاری نے بھی اس قول کو مستند نہیں سمجھا۔اس لئے انہوں نے ادریس کا ذکر علیحدہ باب میں کیا ہے اور الیاس کا ذکر علیحدہ باب میں صحیح بات یہی ہے کہ حضرت الیاس علیہ السلام حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے اور بنی اسرائیل سے تعلق رکھتے تھے۔

(۱۶) حضرت داؤد علیہ السلام کا ذکر قرآن مجید کی ۹ سورتوں کی ۲۷ آیات میں ہے لیکن نام صرف ۱۶ مقامات پر ہے۔آپ یہوذ ابن یعقوب کی نسل میں سے تھے حضرت داؤد علیہ السلام نے شام فلسطین، شرق، اردن، دمشق اور حجاز کے کچھ حصے اور خلیج عقبہ سے لے کر فرات تک علاقوں کی وسیع مملکت پر ۴۰ سال حکومت کی۔

(۱۷) حضرت سلیمان علیہ السلام کا ذکر قرآن کی سات سورتوں میں ۱۶ مقامات پر آیا ہے آپ حضرت داؤد علیہ السلام کے بیٹے تھے۔۱۳ سال کی عمر میں اپنے باپ کے قائم کردہ اسلامی سلطنت کا انتظام سنبھالا اور اپنے دور حکومت کے چوتھے سال میں بیت المقدس کی تعمیر کا آغاز کیا۔سیوطی اور ابن اثیر کے قول کے مطابق حضرت سلیمان کی حکومت کا زمانہ بھی ۴۰ سال تھا

(۱۸) حضرت ایوب علیہ السلام کا ذکر قرآن کی ۴ سورتوں میں ہوا ہے۔ابن اسحٰق کی تحقیق یہ ہے کہ یہ انبیاء بنی اسرائیل میں سے تھے اور ان کے والد کا نام ابیض تھا۔ابن جریر طبری کی رائے یہ ہے کہ آپ حضرت شعیب علیہ السلام کے بعد مبعوث ہوئے اور آپ کے والد کا نام موص تھا لیکن ابن ابی خشیمہ کے نزدیک ان کا زمانہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد کا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

(۱۹) حضرت الیسع علیہ السلام کا ذکر قرآن پاک کی دو سورتوں کی دو آیتوں میں آیا ہے۔ بعض محققین کے خیال میں یہ حضرت الیاس علیہ السلام کے نائب تھے۔

(۲۰) حضرت یونس بن متی علیہ السلام کا ذکر قرآن مجید کی چھ سورتوں کی ۱۸ آیات میں آیا ہے مورخین کے نزدیک عراق کا مشہور شہر نینوا آپ کا مرکز تبلیغ تھا بعض محققین کے نزدیک آپ کا

زمانہ وہ تھا جو تاریخ میں ایران کی طوائف الملوکی کا زمانہ کہلاتا ہے یعنی سکندر یونانی کے بعد کا زمانہ

(۲۱) حضرت ذوالکفل علیہ السلام کا ذکر قرآن کریم کی دو سورتوں میں ہوا ہے۔عربی زبان میں کفل ضمانت کو کہتے ہیں تو ذوالکفل کے معنی ہوئے ضمانت دینے والا کہتے ہیں کہ ایک شخص کے ضامن ہو کر کئی سال قید میں رہے اور صرف اللہ کیلئے یہ تکلیف برداشت کی۔سورہ انبیاء، سورہ ص میں ان کا ذکر سلسلہ انبیاء میں ہوا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ نبی تھے لیکن بعض کے نزدیک محض مرد صالح تھے۔آپ کا زمانہ حالات اور نسب یقینی طور پر معلوم نہیں۔

علامہ آلوسی کہتے ہیں کہ یہ حزقیل ہیں۔جو ۵۹۴ قبل م میں تل ابیب کے مقام پر رسول بنائے گئے تھے۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ

(۲۲) حضرت زکریا علیہ السلام کا ذکر قرآن مجید کی چار سورتوں کی ۱۸ آیات میں ہے۔

(۲۳) حضرت یحیٰی علیہ السلام کا ذکر قرآن مجید کی ۴ سورتوں میں ہوا ہے۔آپ حضرت زکریا علیہ السلام کے بیٹے تھے ولادت کے وقت آپ کے والد کی عمر ۹۲ یا ۹۹ یا ۱۲۰ سال تھی۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ۶ ماہ پہلے پیدا ہوئے تھے۔یہودیوں نے آپ کو شہید کر دیا تھا۔

(۲۴) حضرت عیسیٰ علیہ السلام آپ بغیر باپ کے حضرت مریم کے بطن سے پیدا ہوئے تھے۔اللہ تعالیٰ نے آپ کو اسی مادی جسم کے ساتھ آسمان پر زندہ اٹھا لیا تھا مشہور روایات کے مطابق آپ قیامت سے پہلے جامع دمشق کے مشرقی منارے پر سے اتریں گے۔اس وقت مسلمان حضرت مہدی موعود کی قیادت میں یہودیوں سے برسرپیکار ہوں گے۔

(۲۵) حضرت محمد بن عبداللہ خاتم النبیین ﷺ۔آپ کے اسم مبارک محمد ﷺ کا ذکر قرآن کریم کی چار سورتوں میں ہوا ہے جو یہ ہیں آل عمران آیت نمبر ۱۴۴، الاحزاب آیت نمبر ۴ سورہ محمد آیت نمبر ۲، سورہ الفتح آیت نمبر ۲۹ اور آپ کا دوسرا مشہور نام احمد ہے۔جس کا ذکر سورہ الصف کی

آیت نمبر ۶ میں ہوا ہے ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ مذکورہ دو اسماء علمی کے علاوہ آپ کے ۱۴ دیگر اسماء صفتی ہیں راقم السطور نے ۳۳ وہ اسماء مبارکہ صفاتی جمع کیے ہیں جو قرآن مجید میں وارد ہیں اور ان کا ذکر ''شرح اسماء المصطفیٰ'' میں کیا ہے۔

(۳) وہ انبیاء جن کا ذکر قرآن عظیم میں ناموں کے بغیر ہوا ہے۔

مذکورہ انبیاء کے علاوہ ۵ انبیاء وہ ہیں جن کے نام کی تصریح تو قرآن کریم میں نہیں ہے لیکن بغیر نام لئے ان کا ذکر ہوا ہے وہ یہ ہیں۔

۱۔ حضرت یوشع بن نون علیہ السلام

سورہ کہف میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ایک نوجوان رفیق کا تذکرہ ہوا ہے۔

﴿وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰی لِفَتٰهُ لَآ اَبْرَحُ حَتّٰٓی اَبْلُغَ الْبَحْرَیْنِ اَوْ اَمْضِیَ حُقُبًا﴾ (۱)

اور جب موسیٰ نے اپنے جوان (خادم) سے فرمایا میں نہ ٹھہروں گا جب تک دو دریاؤں کے ملنے کی جگہ تک نہ پہنچوں گا یا سالہا سال چلتا رہوں۔

اس نوجوان کا نام یوشع بن نون علیہ السلام بتایا گیا ہے اہل کتاب ان کی نبی ہونے پر متفق ہیں تورات میں یشوع کی کتاب بھی مستقل صحیفے کی حیثیت سے موجود ہے۔(۲)

۲۔ حضرت شمویل علیہ السلام

﴿......اِذْ قَالُوْا لِنَبِیٍّ لَّهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ط......﴾ (۳)

جب انہوں نے اپنے ایک نبی سے کہا مقرر کر دو ہمارے لئے کوئی بادشاہ کہ ہم اللہ کی راہ میں جہاد کریں۔

(۱) [الکھف ۱۸:۶۰]

(۲) البخاری، کتاب الانبیاء، باب حدیث الخضر مع موسیٰ

(۳) [البقرہ ۲:۲۴۶]

مندرجہ بالا آیت میں جس نبی کا ذکر ہوا ہے وہ شمویل علیہ السلام ہیں جیسا کہ مفسرین کی نقل کردہ بہت سی روایات سے ثابت ہے۔

۳۔ حضرت حزقیل علیہ السلام

﴿اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَ هُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ ص......﴾ (۱)

(اے محبوب) کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو موت کے ڈر سے اپنے گھروں سے نکلے اور وہ ہزاروں تھے۔

اس آیت میں جس واقعہ کی طرف اشارہ ہوا ہے اس میں حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ، امام رازی رحمہ اللہ اور علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے سلف صالحین سے کئی روایات نقل کی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا تعلق حزقیل کے زمانہ نبوت سے ہوا۔ عبرانی میں حزقی کے معنی ہیں قدرت اور ایل کے معنی ہیں اللہ یعنی قدرت اللہ (اللہ تعالیٰ کی قدرت)

۴۔ حضرت عزیر علیہ السلام قرآن کریم میں ایک مقام پر حضرت عزیر علیہ السلام کے نام کا ذکر ہوا ہے اگرچہ اس جگہ ان کی نبوت کی تصریح نہیں ہے۔

﴿وَ قَالَتِ الْیَهُوْدُ عُزَیْرُ ۨ ابْنُ اللّٰهِ......﴾ (۲)

اور یہود نے کہا عزیر اللہ کا بیٹا ہے۔

جمہور کا قول ہے کہ عزیر علیہ السلام نبی تھے۔

﴿اَوْ كَالَّذِیْ مَرَّ عَلٰی قَرْیَةٍ وَّ هِیَ خَاوِیَةٌ عَلٰی عُرُوْشِهَا ج......﴾ (۳)

یا اس کی طرح جو گزرا ایک بستی پر جب کہ وہ گری پڑی تھی۔

جس میں بزرگ کا ذکر ہوا ہے اکثر مفسرین کے نزدیک وہ عزیر علیہ السلام ہی تھے۔ لیکن

(۱) [البقرہ ۲:۲۴۳] (۲) [التوبہ ۹:۳۰] (۳) [البقرہ ۲:۲۵۹]

ابن جریر رحمہ اللہ کے نزدیک وہ یرمیاہ تھے۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ

۵۔حضرت خضر علیہ السلام

سورہ کہف میں حضرت موسیٰ کی جس بندہ خدا کے ساتھ ملاقات کا ذکر ہے بخاری شریف میں اس کا نام خضر بتایا گیا ہے جو جمہور محدثین کے نزدیک اللہ کے نبی تھے۔اس اعتبار سے قرآن کریم میں ۳۰ انبیاء کا ذکر ہوا ہے ۲۵ کا نام کے ساتھ اور ۵ کا نام لئے بغیر۔

﴿......وَ اِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِیْهَا نَذِیْرٌ﴾ [فاطر ۳۵:۲۴]

اورنہیں کوئی جماعت لیکن اس میں گزر چکا ڈرانے والا۔

کہ اللہ تعالیٰ نے سب امتوں کی طرف رسول بھیجے ہیں۔

(۳) وَلَا یُؤْمَنُ فِیْ ذِکْرِ الْعَدَدِ: امن نیست در ذکر عدد معین۔نبیوں کی تعداد مقرر کرنے میں امن نہیں ہے بلکہ خوف وڈر ہے کہ کہیں غیر نبی شمار کرلیا جائے۔یا نبی کو غیر نبی کیونکہ ان کی تعداد کا تعین قطعی طور پر ثابت نہیں ہے۔

یُؤْمَنُ فِعْلٌ مَجْهُوْلٌ مِنَ الْاَمْنِ. (النبراس ۴۴۸)

لَا یُؤْمَنُ فعل مجہول امن سے نکلا ہے بمعنی بے خوف ہونا سلامت رہنا تو امن و سلامتی اسی میں ہے کہ نبیوں اور رسولوں کی تعداد مقرر نہ کی جائے بلکہ عدد و نام مقرر کئے بغیر سب پر ایمان لائے۔ وَلَا یُعْرَفُ یَقِیْنًا عَدَدُهُمْ. (حدیقه ندیه ۱:۲۹۰)

کہ یقینی طور پر ان کی تعداد و گنتی نہیں جانی جاسکتی اس لئے اجمالی ایمان ہی کافی ہے اسی لئے امام عمر نسفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔وَلَا یُؤْمَنُ الخ کہ عدد (گنتی) کے ذکر کرنے میں امن نہیں ہوتا ہے اس بات سے کہ داخل ہوجائے ان میں وہ شخص جو ان میں سے نہیں ہے اور ان سے باخبر ہوجائے جو ان میں داخل ہے ان کی تعداد میں کمی وبیشی ہوجانے کی وجہ سے۔

وَ كُلُّهُمْ كَانُوْا مُخْبِرِيْنَ مُبَلِّغِيْنَ عَنِ اللّٰهِ تَعَالٰى

اور سب رسول خبریں دینے والے اور تبلیغ کرنے والے تھے اللہ تعالیٰ کے حکم (۱) سے۔

رسول خبریں دینے والے

شرح: (۱) کیونکہ نبوت ورسالت کا معنی تبلیغ احکام ہی ہے۔

چنانچہ علامہ سعد الدین تفتازانی لکھتے ہیں:

لِاَنَّ هٰذَا مَعْنَى النُّبُوَّةِ وَالرِّسَالَةِ. (۱)

کیونکہ یہ خبریں دینا اور تبلیغ کرنا ہی نبوت ورسالت کا مطلب ہے۔

مخبرین سے اشارہ اس طرف ہے کہ نبی اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبریں دینے والے ہوتے ہیں اور مبلغین سے یہ اشارہ ہے کہ رسول تبلیغ کرتے ہیں اور یہ صفتیں لانے میں عمدہ نکتہ ہے۔

(۱) شرح العقائد النسفية: ۱۴۰

صَادِقِيْنَ نَاصِحِيْنَ لِلْخَلْقِ

سچ بولنے والے مخلوق کو نصیحت کرنے والے۔(۱)

شرح: (۱) یعنی نبی سچ ہوتے ہیں اور لوگوں کو نصیحت کرنے والے ہوتے ہیں اور یہی بعثت و رسالت کا فائدہ ہے نیز اس میں اشارہ ہے کہ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام جھوٹ سے پاک ہیں خصوصاً ان امور میں جو کہ شریعت اور دین کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں یا امت کے لئے ارشاد و ہدایت کے متعلق ہوں ان میں کسی وجہ سے بھی کذب نہیں پایا جاتا کیونکہ تبلیغ احکام وغیرہ میں ان کا سچا ہونا ضروری ہے۔

تکمیل الایمان میں ہے:

مَعْصُوْمِيْنَ غَيْرُ مَعْزُوْلِيْنَ گناہوں سے پاک عہد نبوت و رسالت سے معزول نہیں کئے ہوئے ہیں۔

معصومین، گناہوں سے پاک اور گناہوں سے بچے ہوئے۔ چنانچہ انبیاء رسل کی بعثت کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ ان کے قول و فعل کی پیروی کی جائے پیروی تو نیک کاموں میں ضروری ہے نہ کہ معصیت میں اس لئے انبیاء و رسل کا گناہوں سے پاک ہونا ضروری ہے۔

مُبَرَّءُوْنَ عَنِ الْكُفْرِ وَالْكِذْبِ مُطْلَقًا وَ عَنِ الْكَبَائِرِ وَالصَّغَائِرِ الْمُنَفِّرَةِ كَسَرْقَةِ لُقْمَةٍ وَ تَطْفِيْفِ حَبَّةٍ وَ تَعَمُّدِ الصَّغَائِرِ غَيْرِ هَا بَعْدَ الْبِعْثَةِ.(۱)

عصمت کی حقیقت یہ کہ اللہ تعالیٰ بندہ میں گناہ پیدا نہ کرے باوجود یکہ اس میں قدرت اور اختیار باقی رہے اس واسطے شیخ ابومنصور ماتریدی کا ارشاد گرامی ہے کہ عصمت تکلیف کو زائل نہیں کرتی۔

(۱) طریقہ محمدیہ مع شرح حدیقہ ندیہ

قَالَ الشَّيْخُ اَبُوْ مَنْصُوْرِ الْمَاتُرِيْدِيُّ: اَلْعِصْمَةُ لَاتُزِيْلُ الْمِحْنَةَ اَيِ الْاِمْتِحَانَ وَالتَّكْلِيْفَ.(۱)

عصمت یعنی آزمائش اور مکلّف ہونے کو زائل نہیں کرتی۔

وہ باتیں جو کہ انبیاء علیہم السلام سے ثابت ہیں اور ان کا ظاہر دلالت کرتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام نے جھوٹ بولا تھا۔ سو ان کے جواب میں اول تو یہ کہ بعض ان میں سے بطریق اخبار احاد منقول ہیں لہذا وہ مردود ہیں اور قبول نہیں۔ دوم یہ کہ اگر خبر متواترہ کے ذریعہ سے ہوں تب بھی ان کا معنی ظاہر مراد نہیں ہے۔ سوم یہ کہ اگر ان کا اصراف عن الظاہر ممکن نہ ہو تو یہ کہا جائے گا کہ خلاف اولیٰ ہیں۔ چہارم ان کو بعثت سے قبل واقع ہونے پر محمول کیا جائے گا۔(۲)

اس کی زیادہ تفصیل کتاب الشفاء، مرام الکلام، شرح مواقف اور شرح مقاصد میں ہے

قَالَ الْاَئِمَّةُ الشَّيْخُ اَبُوْ مَنْصُوْرِ الْمَاتُرِيْدِيُّ اَلْاَنْبِيَاءُ اَحَقُّ بِالْعِصْمَةِ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ لِاَنَّ الْاُمَمَ مَاْمُوْرُوْنَ بِالْاِتِّبَاعِ لِلْاَنْبِيَاءِ لَاالْمَلٰٓئِكَةِ.(۳)

شیخ ابومنصور ماتریدی نے فرمایا کہ انبیاء عصمت کے فرشتوں سے زیادہ حقدار ہیں کیونکہ امتوں کو انبیاء کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے نہ کہ فرشتوں کی پیروی کا۔

خصائص نبوت:

نبیوں اور رسولوں میں جو سب سے زیادہ اچھی صفتیں خصوصیتیں پائی جاتی ہیں جن کی وجہ سے وہ ساری مخلوق میں ممتاز ہوئے ہیں ان کی صفات نبوت اور خصائص نبوت کہا جاتا ہے ان کی تعداد تو بہت زیادہ ہے مگر ان میں بعض یہ ہیں۔

(۱) النبراس، فقہ اکبر (۲) النبراس ٤٥٤ (۳) شرح العقائد النسفية ١٤٠،١٤١

(۱) عصمت، گناہوں سے پاک ہونا اور اہل حق کے نزدیک یہ خصائص نبوت سے ہے

(۲) صدق، کہ نبی ورسول کا قول وفعل میں سچا ہوتا ہے۔

(۳) امانت داری، اور اس کی ضد خیانت ہے۔

(۴) تبلیغ، ان تمام احکام کی تبلیغ کرنا جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے ہیں اور بے خوف ہوکر پیغام حق مخلوق تک پہنچانا اور تقیہ نہ کرنا۔

(۵) عدالت میں کامل ہونا۔

(۶) فطانت، کہ سب سے زیادہ عقل منداور دانا ہونا۔

(۷) ظاہری اعضاء شریفہ کا ہر قسم کے عیوب سے سلامت ہونا جن کی وجہ سے لوگوں میں نفرت پیدا ہو بلکہ سب سے زیادہ حسین وجمیل ہونا کہ جس طرح وہ دنیا میں نبی تھے عالم برزخ میں نبی ہیں اور قیامت کے دن بھی وہ اسی طرح نبی ہوں گے۔

وَ لَا تَبْطُلُ رِسَالَتُهُمْ بِمَوْتِهِمْ . (طریقہ محمدیہ)

اور ان کی نبوت ورسالت موت کی وجہ سے باطل نہیں ہوتی۔

علامہ عبدالغنی نابلسی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

فَهُمُ الْاٰنَ رُسُلٌ وَ اَنْبِيَاءُ عَلَيْهِمُ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ وَ اِنْ نُسِخَتْ شَرَائِعُهُمْ اِذْ لَا يَلْزَمُ مِنَ النَّسْخِ بُطْلَانُ الرِّسَالَةِ وَالنُّبُوَّةِ .فَاِنْ قُلْتَ اِلٰى مَنْ هُمُ الْاٰنَ مُرْسَلُوْنَ وَ فِيْ حَقِّ اَحْكَامِ مَنْ هُمْ اَنْبِيَاءُ؟ قُلْتُ هُمْ مُرْسَلُوْنَ الْاٰنَ اِلٰى اُمَمِهِمُ الْمَاضِيْنَ وَ اَنْبِيَاءُ فِيْ حَقِّ اَحْكَامِهِمْ . وَ قَدِ انْتَقَلُوْا هُمْ وَ اُمَمُهُمْ مِنْ دَارِالدُّنْيَا اِلَى الْبَرْزَخِ وَ انْقَطَعَتْ تَكَالِيْفُ اُمَمِهِمْ بِمَا جَاءُوْا بِهٖ لِانْتِهَاءِ اَحْكَامِ شَرَائِعِهِمْ فِيْ حَقِّهِمْ وَ حُجَجُهُمْ قَائِمَةٌ عَلٰى اُمَمِهِمْ بِالْحَقِّ فَاِذَا كَانَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

ظَهَرَ مَاهُمُ الْاٰنَ فِيْهِ مِنَ الرِّسَالَةِ وَالنُّبُوَّةِ كَمَا قَالَ تَعَالٰى ﴿فَلَنَسْئَلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَ لَنَسْئَلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ۞﴾ [الاعراف ۷:۶] وَ لَوْلَا اَنَّهُمْ مُرْسَلُوْنَ حَتّٰى فِيْ يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَا سَمَّاهُمْ كَذٰلِكَ وَ فِيْ عُمْدَةِ الْعَقَائِدِ النَّسَفِيِّ قَالَ وَ كُلُّ مُؤْمِنٍ حَقِيْقَةً كَمَا فِيْ حَالِ نَوْمِهٖ وَ كَذَاالرُّسُلُ وَالْاَنْبِيَاءُ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ بَعْدَ وَفَاتِهِمْ رُسُلٌ وَ اَنْبِيَاءُ حَقِيْقَةً لِاَنَّ الْمُتَّصِفَ بِالنُّبُوَّةِ وَالْاِيْمَانِ وَالرُّوْحِ وَ هُوَلَا يَتَغَيَّرُ بِالْمَوْتِ ...... الی آخرہ کلامہ وَ مِثْلُ ذٰلِكَ الْوِلَايَةُ اَيْضًا فَالْاَوْلِيَاءُ بَعْدَ مَوْتِهِمْ اَوْلِيَاءُ كَمَا اَنَّهُمْ فِيْ حَالِ نَوْمِهِمْ كَذٰلِكَ وَالنَّوْمُ لَا تُبْطِلُ الْوِلَايَةَ وَالْمَوْتُ كَذٰلِكَ فَكَرَامَاتُ الْاَوْلِيَاءِ بَاقِيَةٌ بَعْدَ مَوْتِهِمْ اَيْضًا كَمَا اَنَّهَا بَاقِيَةٌ فِيْ حَالِ نَوْمِهِمْ . (حدیقہ ندیہ ۱:۲۱۰)

اور بغیۃ الرائد میں ہے:

وانبیاء معزول نشوند ومرتبہ نبوت ورسالت کہ اوتعالیٰ بفضل وکرم خویش ایشاں رابخشیدہ است ازایشاں بازنگیرد ورسالت بعداز موت ثابت ماند وخود انبیاء راموت نہ بود وزندہ ماند موت ہماں است کہ یک بارچشیدہ اند بعدازاں روح رابابداں ایشاں اعادہ کنند

سابقہ شرائع تو منسوخ ہوگئیں مگر نبی اسی طرح اوصاف نبوت سے موصوف ہیں۔

(واللہ اعلم بالصواب)

(۸) مرد ہونا کیونکہ دنیا میں جس قدر نبی اور رسول بھیجے گئے تھے سب مرد تھے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۞﴾ [النحل ۱۶:۴۳]

اور ہم نے آپ سے پہلے (رسول بنا کر) نہ بھیجے مگر مرد جن کی طرف ہم وحی بھیجتے تھے تو علم والوں سے پوچھو اگر تم نہیں جانتے۔

نیز سورہ انبیاء میں بھی ارشاد ربانی ہے:

﴿وَ مَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَکَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْٓ اِلَیْھِمْ فَسْئَلُوْٓا اَھْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ [الانبیاء۲۱:۷]

اور نہ بھیجے ہم نے آپ سے پہلے مگر مرد جن کی طرف ہم وحی فرماتے تھے تو علم والوں سے پوچھلو اگر تم نہیں جانتے۔

(۹) **النزاھۃ فی الاکتساب**، کہ کسب میں پاکیزہ ہونا اور باعث عار پیشوں اور کاموں سے دور رہنا

(۱۰) **النزاھۃ فی الذات** کہ ذاتی اعتبار سے برص، جذام اور اندھاپن وغیرہ سے پاک ہونا اور نیز حسب ونسب کے لحاظ سے پاک ہونا

(۱۱) اپنے زمانہ کے لوگوں سے زیادہ کامل اکمل ہونا اور زیادہ حسن اخلاق اور علم والا ہونا وغیرہ۔

وَ اَفْضَلُ الْاَنْبِیَاءِ مُحَمَّدٌ ﷺ

اور نبیوں میں سب سے افضل سیدنا محمد ﷺ ہیں۔

افضل الانبیاء:

شرح: مگر تمام نبیوں اور رسولوں کے امام اور سردار اور سب سے **افضل حضرت محمد** ﷺ ہیں اسی لئے حضرت مصنف فرماتے ہیں۔ وَ اَفْضَلُ الْاَنْبِیَاءِ مُحَمَّدٌ ﷺ کہ سارے نبیوں سے افضل محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں اور اسی پر اجماع ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ......﴾ [ال عمران۳:۱۱۰]

تم بہترین امت ہو ان سب امتوں میں جو لوگوں کے لئے ظاہر کی گئیں۔

جب یہ امت تمام امتوں سے **افضل** ہے **خیر الامم** ہے تو اس امت کا رسول تمام رسولوں سے **افضل** اور **خیر الرسل** ہے۔ سب نبیوں اور رسولوں نے بیت المقدس میں حضور کی اقتداء میں نماز پڑھی۔

﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ﴾ [الانبیاء ۲۱:۱۰۷]

اور ہم نے نہیں بھیجا آپ کو (اے محبوب) مگر رحمت سارے جہانوں کے لئے۔

حضور ﷺ فرماتے ہیں:

اَنَا سَیِّدُ وَلَدِ آدَمَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ وَ لَا فَخْرَ. (۱)

میں اولاد آدم کا سردار ہوں اور کوئی فخر کی بات نہیں (بلکہ تحدیث نعمت کے طور پر ہے)

(۱) جامع ترمذی، کتاب تفسیر القرآن، باب ۱۷ ح: ۳۱۴۸

مشکوٰۃ المصابیح، باب فضائل سید المرسلین ﷺ، الفصل الثانی: ۵۱۳

ولد آدم اور اولاد آدم کا معنی ایک ہے اور ولد آدم سے جنس سے بشری مراد ہے سو حضرت آدم بھی اس میں شامل ہیں یعنی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ حضرت آدم اور ساری اولاد آدم کے سردار ہیں۔

صاحب امالی کیا خوب فرماتے ہیں:

اِمَامُ الْاَنْبِیَاءِ بِلَا اِخْتِلَافٍ   وَ تَاجُ الْاَصْفِیَاءِ بِلَا اِخْتِلَالٍ

مرتبہ نبوت و رسالت میں سب نبی برابر ہیں مگر مراتب و مدارج اور فضائل کے اعتبار سے بعض کو بعض پر فضیلت دی گئی ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿تِلْکَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ مِنْهُمْ مَّنْ کَلَّمَ اللّٰهُ وَ رَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ط......﴾ (۱)

یہ سب رسول ہم نے ان کے بعض کو بعض پر فضیلت دی ان میں کسی سے اللہ نے کلام فرمایا اور کسی کو (سب پر) درجوں بلندی عطا فرمائی۔

﴿......وَ لَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِیّٖنَ عَلٰی بَعْضٍ وَّ اٰتَیْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ۞﴾ (۲)

اور بیشک ہم نے بعض نبیوں کو بعض نبیوں پر فضیلت دی اور داؤد کو ہم نے زبور عطا فرمائی

معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ نے مراتب و مدارج، خصائص وفضائل اور کمالات میں بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے مگر رسول اللہ ﷺ تمام مراتب میں افضل الرسل ہیں اور آپ کو حق تعالیٰ نے عالم ارواح میں نبوت عطا فرمائی اور روح مصطفیٰ کو سب سے اول پیدا کیا گیا۔

حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

(۱) [البقرہ۲:۲۵۳]   (۲) [الاسراء۱۷:۵۵]

وَ آدَمُ بَیْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ. (۱)

کہ میں نبی تھا دراں حال کہ حضرت آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے۔

یعنی وہ ابھی تک پیدا نہیں ہوئے تھے سب نبیوں رسولوں سے ایمان لانے اور مدد کرنے کا میثاق لیا سب نے بیت المقدس میں حضور ﷺ کی اقتداء میں نماز پڑھی۔ آپ ﷺ کو صاحب المعراج صاحب شفاعت کبریٰ اور صاحب قرآم کی صفتوں سے متصف فرمایا گیا آپ ﷺ کی رسالت عامہ ہے اور رحمۃ اللعالمین خاتم النبیین کے لقبوں اور ناموں سے ملقب وموسوم فرمایا گیا۔

خصائص مصطفیٰ:

رسول اللہ ﷺ اپنے خصوصیات کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

فُضِّلْتُ عَلَی الْاَنْبِیَاءِ بِسِتٍّ: اُعْطِیْتُ جَوَامِعَ الْکَلِمِ، وَ نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ، وَ اُحِلَّتْ لِیَ الْمَغَانِمُ، وَ جُعِلَتْ لِیَ الْاَرْضُ طَهُوْرًا وَ مَسْجِدًا وَ اُرْسِلْتُ اِلَی الْخَلْقِ کَافَّةً، وَ خُتِمَ بِیَ النَّبِیُّوْنَ. (۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھ کو چھ باتوں کی وجہ سے دوسرے نبیوں پر فضیلت دی گئی ہے۔

(۱) مجھے جوامع کلم عطا کئے گئے ہیں (مراد قرآن کریم اور اقوال رسول)

(۲) رعب (ودبدبہ) کے ذریعہ میری مدد کی گئی۔

(۳) میرے لئے غنیموں کو حلال کیا گیا۔

(۱) الترمذی، کتاب المناقب، باب ما جاء فی فضل النبی ﷺ ح: ۳۶۰۹
مشکوٰۃ المصابیح، باب فضائل سید المرسلین ﷺ، الفصل الثانی: ۵۱۳
(۲) المسلم، کتاب المساجد، باب المساجد و مواضع الصلاۃ ح: ۵
مشکوٰۃ المصابیح، باب فضائل سید المرسلین ﷺ، الفصل الاول: ۵۱۲

(٤) میرے لئے تمام زمین نماز کی جگہ اور پاک کرنے والی بنادی گئی۔

(٥) میں، جن وانس کافر ومومن تمام مخلوق کی طرف بھیجا گیا ہوں۔

(٦) اور میرے اوپر نبوت ختم کردی گئی (یعنی میں خاتم النبیین ہوں)

حضرت حذیفہ ؓ والی حدیث میں تین فضیلتوں کا ذکر ہے ان میں تیسری چیز کا ذکر اس ارشاد میں ہے۔

جُعِلَتْ صُفُوْفُنَا كَصُفُوْفِ الْمَلٰٓئِكَةِ . (١)

کہ ہماری صفیں فرشتوں کہ صفوں کی طرح کی گئیں ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ ؓ روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے اپنی خصوصی باتوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ:

وَ بَيْنَا اَنَا نَائِمٌ اُوْتِيْتُ بِمَفَاتِيْحِ خَزَائِنِ الْاَرْضِ فَوُضِعَتْ فِيْ يَدَيَّ (٢)

اور ایک مرتبہ میں سو رہا تھا کہ زمین کے خزانوں کی کنجیاں لائی گئیں اور میرے دونوں ہاتھوں میں رکھ دی گئیں۔

حضرت ابو ہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ تو وصال فرما گئے اور تم زمین کے خزانے نکال رہے ہو۔

حضرت جابر ؓ سے جو حدیث مروی ہے اس میں شفاعت کا ذکر ہے۔

اُعْطِيْتُ الشَّفَاعَةَ. (٣)

---

(١) المسلم ، کتاب المساجد ، باب المساجد و مواضع الصلاة ح : ٤

(٢) المسلم ، کتاب المساجد ، باب المساجد و مواضع الصلاة ح : ٦

(٣) البخاری ، کتاب التیمم ، باب ١ ح : ٣٣٥

المسلم ، کتاب المساجد ، باب المساجد و مواضع الصلاة ح : ٣

النسائی ، کتاب الغسل والتیمم بالصعید ، ح : ٤٣٢

مجھے شفاعت کا منصب بھی عطا کیا گیا ہے۔

اُعْطِيْتُ خَوَاتِيْمَ سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ مِنْ بَيْتِ كَنْزٍ مِنْ تَحْتِ الْعَرْشِ لَمْ يُعْطَهُنَّ نَبِيٌّ قَبْلِيْ . (١)

مجھے سورہ بقرہ کی آخری آیات عرش کے نیچے کے خزانہ سے عطا کی گئی ہیں مجھ سے پہلے کسی نبی کو عطا نہیں کی گئیں۔

وَ جُعِلَتْ اُمَّتِيْ خَيْرَ الْاُمَمِ . فتح المبدی ١: ١٧٥

اور میری امت کو تمام امتوں سے افضل بنایا گیا۔

آپ ﷺ کا اول الانبیاء اور خاتم النبیین ہونا خصوصیات میں سے ہے۔

حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ صحابہ کرام نے عرض کیا: یارسول اللہ (ﷺ)

مَتٰى وَجَبَتْ لَكَ النُّبُوَّةُ؟ قَالَ وَ آدَمُ بَيْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ . (٢)

آپ کے لئے کب نبوت ثابت ہوئی (ملی) آپ ﷺ نے فرمایا حضرت آدم ؑ اس وقت روح بدن کے درمیان تھے (یعنی ابھی حضرت آدم ؑ اس وقت پیدا نہیں ہوئے تھے)

اَیْ قَبْلَ تَعَلُّقِ رُوْحِهٖ بِجَسَدِهٖ وَالْمُرَادُ السَّبْقُ وَالتَّقَدُّمُ. حاشیة الترمذی

حضرت عرباض بن ساریہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اِنِّيْ عِنْدَ اللّٰهِ مَكْتُوْبٌ خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ وَ اِنَّ آدَمَ لَمُنْجَدِلٌ فِيْ طِيْنَتِهٖ وَ سَاُخْبِرُكُمْ بِاَوَّلِ اَمْرِيْ دَعْوَةُ اِبْرَاهِيْمَ وَ بَشَارَةُ عِيْسٰى وَ رُؤْيَا اُمِّيَ الَّتِيْ رَاَتْ حِيْنَ وَضَعَتْنِيْ وَ قَدْ خَرَجَ لَهَا نُوْرٌ اَضَاءَ لَهَا مِنْهُ قُصُوْرُ الشَّامِ .(٣)

---

(١) مسند احمد بن حنبل ، ٨: ٥١١،٥١٢ ح : ٢١٩٥١ تا ٢١٩٥٣

(٢) الترمذی ، کتاب المناقب ، باب ما جاء فی فضل النبی ﷺ ح : ٣٦٠٩

مشکوٰۃ المصابیح ، باب فضائل سید المرسلین ﷺ ، الفصل الثانی : ٥١٣

(٤) مشکوٰۃ المصابیح ، باب فضائل سید المرسلین ﷺ ، الفصل الثانی : ٥١٣

میں اللہ کے ہاں اس وقت آخری نبی لکھا ہوا تھا جب کہ آدم گوندھی مٹی میں پڑے تھے (پیدا نہیں ہوئے تھے) میں تم کو اپنے امر کی ابتدا بتلاتا ہوں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت اور اپنی والدہ کا وہ نظارہ ہوں کہ جب میں پیدا ہوا انہوں نے دیکھا کہ ایک نور ان سے نکلا ہے جس سے ملک شام کے محلات روشن ہو گئے ہیں۔

حبیب خدا ﷺ:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں سے کچھ لوگ بیٹھے ہوئے تھے پھر حضور انور تشریف لائے حتیٰ کہ ان حضرات سے قریب ہو گئے تو انہیں کچھ تذکرہ کرتے سنا۔ ان میں سے بعض نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل بنایا۔ دوسرے صاحب بولے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا۔ ایک اور صاحب بولے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا کلمہ اور اس کی روح ہیں۔ اور ایک صاحب نے کہا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے برگزیدہ کر لیا۔

تب ان کے پاس رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور فرمایا کہ ہم نے تمہاری گفتگو اور تمہارا تعجب کرنا سنا۔ یقیناً حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے خلیل ہیں اور وہ اسی مرتبہ والے ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی روح اور کلمہ ہیں وہ ایسے ہی ہیں اور حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے چن لیا وہ واقعہ ہی ایسے مرتبہ والے ہیں۔ مگر یاد رکھو! میں اللہ تعالیٰ کا حبیب ہوں یہ فخر یہ نہیں کہتا۔ قیامت کے دن حمد کا جھنڈا میں ہی اٹھائے ہوئے ہوں گا جس کے نیچے حضرت آدم علیہ السلام اور ان کے سوا اور ہوں گے۔ فخر یہ نہیں کہتا میں سب سے پہلے شفاعت کرنے والا ہوں اور میں مقبول الشفاعت ہوں۔ قیامت کے دن میں پہلا وہ شخص ہوں جو جنت کے دروازوں کی زنجیروں کو ہلاؤں گا تب اللہ تعالیٰ اس جنت کے دروازہ کو کھولے گا پھر

اس میں مجھے داخل کرے گا میرے ساتھ فقراء مسلمان ہوں گے۔ میں فخر یہ نہیں کہتا ہوں میں سارے اگلوں پچھلوں میں اللہ کے نزدیک زیادہ عزت والا ہوں فخر یہ نہیں کہتا ہوں۔(۱)

اس حدیث میں بطور تحدیث نعمت متعدد فضائل بیان کئے گئے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کا حبیب ہوں اور حبیب وہ ہے جس میں سب خوبیاں ہوں۔

حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

حبیب خدا اشرف انبیاء — کہ عرش مجیدش بود متکا

رسول اللہ ﷺ کو معجزہ معراج کے ساتھ فضیلت عطا فرمائی جو بڑی فضیلت و بزرگی کی دلیل ہے اس کے علاوہ دیگر کمالات ظاہری اور باطنی عطا کئے گئے ہیں جو حد و شمار سے باہر ہیں

حضرت امام شرف الدین بوصیری صاحب قصیدہ بردہ شریف کیا خوب فرماتے ہیں

فَاقَ النَّبِيِّيْنَ فِيْ خَلْقٍ وَّ فِيْ خُلُقٍ — وَ لَمْ يُدَانُوْهُ فِيْ عِلْمٍ وَّلَا كَرَم

تمام نبیوں پر فوقیت لے گئے خلقت اور خلق میں — اور نہیں پہنچ سکا کوئی علم اور کرم میں

فَهُوَ الَّذِيْ تَمَّ مَعْنَاهُ وَ صُوْرَتُهٗ — ثُمَّ اصْطَفَاهُ حَبِيْبًا بَارِئُ النَّسَمِ

سو وہی ہیں کہ کمالات ظاہری اور باطنی ان پر ختم ہیں — پھر حبیب بنالیا انکو مخلوق پیدا کرنیوالے نے

مُنَزَّهٌ عَنْ شَرِيْكٍ فِيْ مَحَاسِنِهٖ — فَجَوْهَرُ الْحُسْنِ فِيْهِ غَيْرُ مُنْقَسِم

اپنی خوبیوں میں شریک سے پاک ہیں — تو ان میں جو جوہر حسن ہے وہ بے تقسیم ہے

فَاِنَّ فَضْلَ اللّٰهِ لَيْسَ لَهٗ — حَدٌّ فَيُعْرِبُ عَنْهُ نَاطِقٌ بِفَم

بیشک رسولوں کی فضیلتوں کی کوئی حد نہیں ہے — جو کوئی کہنے والا اپنے منہ سے ظاہر کرے

وَ كُلُّ اٰيٍ اَتَى الرُّسُلُ الْكِرَامُ بِهَا — فَاِنَّمَا اتَّصَلَتْ مِنْ نُوْرِهٖ بِهِم

(۱) الترمذی، کتاب المناقب، باب [سلوا الله لی الوسیلة] ح: ۳۶۱۶

مشکوٰة المصابیح، باب فضائل سید المرسلین ﷺ، الفصل الثانی: ۵۱۴، ۵۱۳

اورتمام معجزات جو بزرگ رسول لائے ہیں　　وہ انکو آپ کے نور پاک سے حاصل ہوئے

فَاِنَّهٗ شَمْسُ فَضْلٍ هُمْ كَوَاكِبُهَا　　يُظْهِرْنَ اَنْوَارَهَا لِلنَّاسِ فِي الظُّلَمِ

آپ فضل الٰہی کا سورج ہیں تمام انبیاء کرام اس کے ستارے۔ دکھاتے ہیں روشنیاں لوگوں کے لئے تاریکیوں میں۔

حقوق مصطفیٰ ﷺ:

حقوق العباد کے متعدد شعبے اور قسمیں ہیں مگر حقوق اللہ کے بعد ساری مخلوقات سے سب سے زیادہ مقدم اور اہم حقوق جو ہم پر لازم ہیں اور جن کا پورا کرنا فرض عین ہے وہ حقوق مصطفیٰ ﷺ ہیں اس کے بعد دیگر حقوق العباد کا درجہ ہے۔

سید الانبیاء رحمت دو عالم محبوب کائنات ﷺ کے حقوق ہم پر سب انسانوں کے حقوق سے کئی زیادہ ہیں کیونکہ آپ ﷺ کے جو احسانات ہم پر ہیں وہ بے شمار ہیں آپ ﷺ نے ڈوبتی ہوئے انسانیت کو سہارا دیا اور دوزخ میں گرتے ہوؤں کا بچایا۔ مظلوموں کو ظالموں سے نجات دلائی۔ کفر وشرک اور گناہوں سے پاک فرمایا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذریعے قرآن وحدیث اور اسلام وایمان عطا فرمایا۔ جو ہماری نجات کا ذریعہ ووسیلہ ہیں۔ لہذا ہمیں چاہیے کہ ہم حقوق مصطفیٰ ﷺ کو پہچانیں اور ان کو سمجھیں کہ وہ کیا ہیں اور ان کی ادائیگی کا طریقہ کیا ہے؟ پھر ان کو پورا کرنے کی سعی کریں کیونکہ ادائیگی میں دنیاوآخرت کی کامیابی ہے۔

جاننا چاہیے کہ درحقیقت حقوق مصطفیٰ ﷺ حقوق اللہ میں داخل ہیں۔

چنانچہ شیخ احمد حاشیہ صاوی میں اس آیت کریمہ کے ماتحت فرماتے ہیں:

اَلَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اِيَّاهُ بِاَنْ لَّا تُشْرِكُوْا مَعَهٗ فِي الْعِبَادَةِ غَيْرَهٗ فَتَمَثَّلُوْا اَوَامِرَهٗ

وَ تَجْتَنِبُوْا نَوَاهِيَهٗ وَ دَاخِلٌ فِيْ ذَالِكَ الْاِقْرَارُ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ بِالرِّسَالَةِ وَ مَحَبَّتُهٗ وَ تَعْظِيْمُهٗ لِاَنَّ ذَالِكَ مِنْ جُمْلَةِ الْمَاْمُوْرِ بِهٖ . قَالَ تَعَالٰى ﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ﴾ (۱)

کہ تم عبادت کرو مگر صرف اس اللہ کی یہ کہ تم اللہ کے ساتھ عبادت میں کسی کو شریک مت ٹھہراؤ۔ اس کے احکام پر عمل کرو اور اس کی نواہی سے بچو اور رسول اللہ کی رسالت کا اقرار کرنا۔ آپ ﷺ کی محبت اور تعظیم وتوقیر کرنا اس میں داخل ہے کیونکہ ان تمام باتوں اور کاموں کے کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: کہ اے حبیب فرمایئے! اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا۔

اور حقوق مصطفیٰ ﷺ تو بے شمار ہیں مگر چند مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانا　　(۲) محبت رسول ﷺ

(۳) اتباع واطاعت رسول ﷺ　　(٤) تعظیم وتوقیر رسول ﷺ

(۵) رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی سے بچنا　　(٦) خیر خواہی رسول ﷺ

(۷) رسول اللہ ﷺ پر صلوٰۃ وسلام پیش کرنا　　(۸) قبر شریف اور مسجد نبوی کی زیارت کرنا

(۹) اصحاب وآل وازواج مطہرات کی تعظیم اور محبت وغیرہ ان کا اجمالی ذکر کیا جاتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانا:

سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانا ضروری ہے اور ان کی تمام باتوں کی تصدیق کرنا لازم ہے جو اللہ کی طرف سے لائے ہیں۔ ایمان بالرسول کے بغیر کوئی شخص مسلمان نہیں ہوسکتا۔ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ سو تم ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے

(۱) حاشیہ صاوی ۲: ۳٤۲

رسول امی نبی پر۔

﴿فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِیْٓ اَنْزَلْنَا ط......﴾ [التغابن ٦٤:٨]

تو ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر اور اس نور پر جو ہم نے اتارا۔

﴿وَمَنْ لَّمْ یُؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ فَاِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِیْنَ سَعِیْرًا۞﴾ [الفتح ٤٨:١٣]

اور جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان نہ لائے تو بیشک ہم نے منکروں کے لئے بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے۔

حب محبوب خدا اے دل جسے حاصل نہیں
لاکھ مومن ہو مگر ایمان میں کامل نہیں

۲۔محبت رسول اللہ ﷺ:

حضور ﷺ سے محبت کرنا ایمان وعبادت اور عمل کی جان ہے۔ نبی رحمت کی محبت کا وجوب قرآن اور حدیث سے ثابت ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ وَ اِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ وَ عَشِیْرَتُكُمْ وَ اَمْوَالُ ن اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَ مَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَیْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ جِهَادٍ فِیْ سَبِیْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ط وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ۞﴾ [التوبہ ٩:٢٤]

(اے محبوب) آپ فرمائیں اگر تمہارے باپ دادا اور تمہارے بیٹے اور تمہارے (سگے) بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارا کنبہ اور تمہارے مال جو تم نے کمائے اور تجارت جس کے مندا پڑ جانے سے تم ڈرتے ہو اور رہائشی مکانات جنہیں تم پسند کرتے ہو زیادہ محبوب ہوں

تمہیں اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم لے آئے اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں فرماتا۔

اللہ کی ذات پاک سب سے زیادہ محبت کرنے کے لائق ہے اور ان کی محبت ایمان کی جان و مال کا نور ہے اور سینے کا سرور ہے۔

محمد کی محبت دین حق کی شرط اول ہے
اسی میں ہو اگر خامی تو سب کچھ نامکمل ہے

چنانچہ حق تعالیٰ قرآن مجید فرقان حمید میں ارشاد فرماتا ہے:

﴿اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَ اَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ ط......﴾ [الاحزاب ٣٣:٦]

یہ نبی ایمان والوں کے ساتھ ان کی جانوں سے زیادہ قریب ہیں اور ان کی بیویاں مومنوں کی مائیں ہیں۔

یعنی ہر دین و دنیا کے امر میں حضور ﷺ مومنوں کو اپنی جانوں سے زیادہ پیارے ہیں

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا یُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰی اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَ وَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ. (۱)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا۔ جب تک میں اس کی اولاد والدین اور تمام لوگوں سے زیادہ

(۱) البخاری، کتاب الایمان، باب حب الرسول من الایمان ح: ١٥
المسلم، کتاب الایمان، باب وجوب محبة رسول الله ح: ٧٠
النسائی، کتاب الایمان و شرائعه ح: ٥٠١٧،٥٠١٦
ابن ماجة، کتاب السنة، باب فی الایمان ح: ٦٧
مشکوٰة المصابیح، کتاب الایمان الفصل الاول: ١٢

عزیز نہ ہو جاؤں۔

اس حدیث میں اولاد اور والدین کی محبت کی نفی نہیں کی گئی اور نہ اس کو برا قرار دیا ہے بلکہ فرمایا کہ ان سے محبت ہو مگر سب سے زیادہ مجھ سے محبت ہونی چاہیے۔ کیونکہ حضور ﷺ کی محبت کامیابی کی ذریعہ ہے اور کامل ایمان کی اصل ہے۔

حب محبوب خدا اے دل جسے حاصل نہیں
لاکھ مومن ہو مگر ایمان میں کامل نہیں

علامات محبت تو بے شمار ہیں ان میں سے بکثرت محبوب کا ذکر کرنا ہے۔

مَنْ اَحَبَّ شَيْئًا اَكْثَرَ ذِكْرَهُ.

جو شخص جس چیز کے ساتھ محبت کرتا ہے اس کا ذکر بھی زیادہ کرتا ہے۔ جس کے ساتھ محبت ہوتی ہے اس کی اتباع و اطاعت بھی ضروری کی جاتی ہے۔ محبت محبوب کی علامت ہی اتباع محبوب ہے

۳۔ اتباع و اطاعت رسول ﷺ:

رسول اللہ کی اتباع و اطاعت ضروری اور فرض ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی کامل پیروی کا نام محبت رسول ہے۔ آپ ﷺ کے اوامر کا امتثال اور آپ کے نواہی سے اجتناب لازم ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ج......﴾ (۱)

جس نے رسول کی فرمانبرداری کی بیشک اس نے اللہ کا حکم مانا۔

کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْۤا اَعْمَالَكُمْ ۞﴾ (۲)

(۱) [النساء۴:۸۰] (۲) [محمد۴۷:۳۳]

اے ایمان والو اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور اپنے اعمال کو رائیگاں نہ کرو۔

﴿......وَ مَاۤ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَ مَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ......﴾ (۱)

اور رسول جو کچھ تمہیں دیں وہ لے لو اور جس سے منع فرمائیں رک جاؤ۔

﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ط......﴾ (۲)

(اے محبوب! اہل کتاب سے) فرما دیجئے اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری فرمانبرداری کرو اللہ تمہیں اپنا محبوب بنا لے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔

﴿وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۞﴾ (۳)

اور ان کی پیروی کرو تا کہ تم ہدایت یافتہ ہو جاؤ۔

۴۔ رسول اللہ کی نافرمانی سے بچنا:

حضور ﷺ کے حکم کی مخالفت اور آپ ﷺ کی سنت کی تبدیلی گمراہی اور نافرمانی میں شامل ہے۔ جس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسوائی اور عذاب کی وعید ہے۔

چنانچہ رب تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿......فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖۤ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۞﴾ (۴)

تو وہ لوگ ڈریں جو رسول کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں کہ انہیں کوئی آفت پہنچے یا دردناک عذاب انہیں جائے۔

(۱) [الحشر۵۹:۷] (۲) [ال عمران۳:۳۱]
(۳) [الاعراف۷:۱۵۸] (۴) [النور۲۴:۶۳]

﴿وَ مَنْ یُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُ الْهُدٰی وَ یَتَّبِعْ غَیْرَ سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰی وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ط……﴾ [النساء٤:١١٥]

اور جو مخالفت کرے رسول کی اس کے بعد کہ روشن ہو گیا اس کے لئے سیدھا راستہ اور وہ چلے مسلمانوں کی راہ کے خلاف تو اسی طرف ہم اسے پھیر دیں گے جدھر وہ پھرا اور پہنچائیں گے اسے جہنم میں۔

خلاف پیغمبر کسے راہ گزید — کہ ہرگز بمنزل نہ خواہد رسید
مپندار سعدی کہ راہ صفا — تواں رفت جز در پے مصطفیٰ

۵۔ تعظیم رسول اللہ ﷺ:

حقوق مصطفیٰ میں سے ایک حق توقیر و تعظیم رسول ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:

﴿اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا ۝ لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تُعَزِّرُوْهُ وَ تُسَبِّحُوْهُ بُکْرَةً وَّ اَصِیْلًا ۝﴾ [الفتح٤٨:٨-٩]

بیشک ہم نے آپ کو مشاہدہ کرنے والا اور خوشخبری سنانے والا اور (عذاب سے) ڈرانے والا بنا کر بھیجا۔ تاکہ تم (لوگ) اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور رسول کی تعظیم بجا لاؤ اور ان کی توقیر کرو اور اللہ کی پاکی بیان کرو صبح اور شام۔

اس آیت کی انداز قابل غور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایمان کے بعد تعظیم رسول کا حکم اور تعلیم دی ہے اور اس کے بعد اپنی عبادت کا حکم فرمایا عبادت وہی معتبر ہے جو تعظیم رسول کی روشنی میں ادا کی جائے۔

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَ قُوْلُوا انْظُرْنَا وَ اسْمَعُوْا ط وَ لِلْکٰفِرِیْنَ عَذَابٌ

اَلِیْمٌ ۝﴾ [البقرہ٢:١٠٤]

اے ایمان والو (اپنے رسول کو) رَاعِنَا نہ کہو اور اُنْظُرْنَا کہو اور خوب سن لو اور کافروں کے لئے دردناک عذاب ہے۔

﴿لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَکُمْ کَدُعَآءِ بَعْضِکُمْ بَعْضًا ط……﴾ (١)

نہ بنا لو اپنے درمیان رسول کے پکارنے کو جیسے تم ایک دوسرے کو پکارتے ہو۔

یعنی نام لے کر نہ پکارو بلکہ یا نبی اللہ یا رسول اللہ یا حبیب اللہ کہہ کر عرض کرو۔

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَ لَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ کَجَهْرِ بَعْضِکُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُکُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝﴾ (٢)

اے ایمان والو اس نبی کی آواز پر اپنی آوازیں بلند نہ کرو اور ان کے سامنے زیادہ بلند آواز سے بات نہ کرو ایک دوسرے کے ساتھ تمہارے بلند آواز سے باتیں کرنے کی طرح (ایسا نہ ہو) کہ تمہارے عمل ضائع ہو جائیں اور تمہیں شعور (بھی) نہ ہو۔

معلوم ہوا جس طرح کفر و شرک کے ارتکاب سے عمل ضائع ہوتے ہیں اسی طرح رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں بے ادبی سے عمل ضائع ہو جاتے ہیں۔

۶۔ خیر خواہی رسول اللہ ﷺ:

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿……وَ لَا عَلَی الَّذِیْنَ لَا یَجِدُوْنَ مَا یُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ط……﴾ (٣)

اور نہ ان لوگوں پر جو نہیں پاتے وہ چیز جسے وہ خرچ کریں جب کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے لئے خلوص رکھنے والے ہوں۔

---

(١) [النور٢٤:٦٣] (٢) [الحجرات٤٩:٢] (٣) [التوبہ٩:٩١]

نیکوکاروں پر کوئی گرفت نہیں ہے اور اللہ بہت بڑا بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

اس آیت میں نَصَحُوا سے مراد خیر خواہ ہونا اور مخلص ہونا ہے۔

عَنْ تَمِيمِ الدَّارِيِّ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ :اَلدِّيْنُ النَّصِيْحَةُ ، قُلْنَا: لِمَنْ؟ قَالَ: لِلّٰهِ وَ لِكِتَابِهٖ وَ لِرَسُوْلِهٖ وَ لِاَئِمَّةِ الْمُسْلِمِيْنَ وَ عَامَّتِهِمْ .(۱)

حضرت تمیم داری ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک دین خیر خواہی ہے (تین مرتبہ فرمایا) صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ کس کی خیر خواہی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی اور اللہ کے رسول کی خیر خواہی، اس کی کتاب کی، مسلمانوں کے اماموں کی اور عام مومنوں کی خیر خواہی۔

نصیحت اللہ سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کی معرفت، اوامر ونواہی کی اتباع اور دین کی مدد ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے خیر خواہی کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کی تعظیم وتوقیر کرنی ضروری ہے اور آپ ﷺ کی سنتوں کی پیروی کرنا ہے۔ قرآن کی خیر خواہی سے مراد اس کو سیکھنا اور اس کے احکام پر عمل کرنا ہے۔ اماموں سے خیر خواہی کرنے کا مطلب ان کے نیک کاموں میں پیروی کرنا ہے۔ عام مسلمانوں کی راہنمائی کرنا ان کی خیر خواہی ہے۔ خواص مسلمانوں کی تین قسمیں ہیں بادشاہ اور اہل حکومت جن کی نیک کاموں میں اتباع لازم ہے دوسری قسم علماء کرام اور تیسری قسم مشائخ طریقت ہیں۔ آخری دونوں قسموں کی تعظیم وتکریم کرنی چاہیے اور ان کی لغزشوں سے درگذر کرنا چاہیے۔(۲)

﴿......وَ يَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ط......﴾ (۳)

(۱) المسلم ، كتاب الايمان ، باب تفاضل اهل الايمان فيه ، ح: ۸۹

(۲) مكتوبات شيخ عبدالحق محدث دهلوى (۳) [الحشر ۸:۵۹]

اور اللہ کے اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں۔

مراد اللہ اور اس کے رسول کے دین کی مدد ہے اور اسی طرح دین کی نشر واشاعت اور تبلیغ کرنا ہے۔

۷۔ حضور ﷺ کے آل وازواج کی تعظیم وتکریم لازمی ہے:

حضور ﷺ کی تعظیم وتکریم اور محبت میں سے یہ بھی ہے کہ آپ کی آل واولاد اور ازواج مطہرات کی تعظیم وتکریم اور محبت اور ان سے حسن سلوک کرے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿......اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ......﴾ (۱)

اللہ یہی ارادہ فرماتا ہے کہ اے رسول کے گھر والو تم سے ہر قسم کی ناپاکی کو دور فرمادے۔

﴿......وَ اَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ ط......﴾ (۲)

اور ان کی بیویاں مومنوں کی مائیں ہیں۔

﴿......قُلْ لَّاۤ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى ط......﴾ (۳)

آپ فرمادیجئے اس (تبلیغ رسالت) پر میں تم سے کوئی بدلہ طلب نہیں کرتا قرابت کی محبت کے سوا۔

﴿يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ......﴾ (۴)

اے نبی کی (پاک) بیویو تم عورتوں میں سے کسی کی مثل نہیں اگر اللہ سے ڈرتی ہو،

(۱) [الاحزاب ۳۳:۳۳] (۲) [الاحزاب ۶:۳۳]

(۳) [الشوریٰ ۲۳:۴۲] (۴) [الاحزاب ۳۲:۳۳]

(اور یقیناً ڈرتی ہو)

﴿......وَ لَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْ ۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا ؕ......﴾ [الاحزاب۳۳:۵۳]

اور نہ یہ کہ ان کے بعد کبھی ان کی بیویوں سے نکاح کرو (ابد تک)

۸۔ صلوٰۃ وسلام:

حقوق مصطفیٰ میں سے آپ ﷺ کی بارگاہ میں ہدیہ صلوٰۃ وسلام عرض کرنا ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب مقدس کتاب فرماتا ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾ [الاحزاب۳۳:۵٦]

بیشک اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں اس بنی پر اے ایمان والو تم ان پر درود بھیجو اور خوب سلام بھیجا کرو۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ صلوٰۃ وسلام دونوں کا بھیجنا ضروری ہے اور یہ حکم عام ہے صلوٰۃ وسلام کے کلمات منقولہ ہوں یا غیر منقولہ اور جس طریقہ کے ساتھ پڑھے کھڑے ہو کر خواہ بیٹھ کر، پست آواز سے یا اونچی آواز کے ساتھ ہر طرح جائز ہے حضور ﷺ پر درود پڑھنے کے بے شمار فضائل وفوائد ہیں۔

چنانچہ حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ مَرَّةً وَاحِدَةً صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ عَشْرًا. (۱)

(۱) مسلم ۱:۳۰٦(٤٠٨)، ابو داود ۲:۱۸٤(۱۵۳۰)، النسائی ۱:۳۸٤(۱۲۱۹) الترمذی ۲:۳۵۰(٤٨٥) و قال هذا حديث حسن۔ و رواه احمد ۲:۳۷۲،۳۷۵، الدارمی ۲:٤٠٨(۲۷۷۲) البخاری فی "الادب المفرد" ۲۲٤(٦٤٥)، ابو یعلی ٦:۷۳(٦٤٦٤) ابن حبان ۳:۸۷(۹۰٦) والبیهقی فی "الشعب" ٤:۱۸۹(۱٤۵٤)

جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجے گا اللہ تعالیٰ اس پر دس مرتبہ رحمت نازل فرمائے گا

السلام اے سرور عالی جناب	السلام اے شافع یوم الحساب
السلام اے مقتدائے مرسلین	السلام اے رحمۃ اللعالمین
السلام اے ذکر تو ایمان من	السلام ذکر تو درمان من
السلام اے دستگیر بے کساں	السلام اے چارہ دردنہاں
ہر دم از ما صد درود صد سلام	بر رسول وآل وصحابش تمام
چہ وصفت کند سعدی ناتمام	علیک الصلوٰۃ اے نبی والسلام

۹۔ قبر شریف اور مسجد نبوی کی زیارت:

حقوق مصطفیٰ میں سے ایک حق قبر شریف کی زیارت ہے جس کا ثبوت قرآن و حدیث میں موجود ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿......وَ لَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَ اسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا۝﴾ [النساء٤:٦٤]

اور اگر وہ کبھی اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھے تھے تو آجاتے آپ کے پاس پھر مغفرت طلب کرتے اللہ سے اور مغفرت طلب کرتا ان کے لئے رسول تو ضرور پاتے اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا، بے حد رحم فرمانے والا۔

ارشاد نبوی ہے: مَنْ زَارَ قَبْرِيْ وَجَبَتْ لَهٗ شَفَاعَتِيْ. (۱)

(۱) روی البزار والدار قطنی باسنادهما عن ابن عمر رضی اللّٰه عنهما

جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لئے میری شفاعت واجب ہے۔

مَا مِنْ اَحَدٍ يُسَلِّمُ عَلَيَّ اِلَّا رَدَّاللّٰهُ عَلَيَّ رُوْحِيْ حَتّٰى اَرُدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ (١)

کہ مجھ پر کوئی سلام نہیں بھیجتا مگر اللہ تعالیٰ مجھ پر میری روح لوٹا تا ہے حتی کہ میں اس کا جواب دیتا ہوں۔

روح لوٹانے سے مراد توجہ کرم فرماتا ہے کیونکہ رات و دن کی ساعتوں میں سے کوئی ایسی ساعت (وقت) نہیں ہے جس میں آپ ﷺ کو سلام نہ عرض کیا جاتا ہو بلکہ ہر گھڑی ہر لحظہ آپ ﷺ کو اہل ایمان سلام عرض کرتے ہیں لہذا یہ حدیث آپ کی دائمی زندگی اور ہمیشہ سننے اور سلام کا جواب دینے کی واضح اور روشن دلیل ہے نیز وہ کتنے خوش نصیب لوگ ہیں جن کو رسول اللہ ﷺ جواب سلام سے مشرف فرماتے ہیں۔

بہر سلام مکن رنجہ درجواب لب
کہ صد سلام مرا بس یکے جواب ازتو

ہر مرتبہ میرے سلام عرض کرنے کے جواب میں ہونٹوں کو تکلیف نہ دیں کیونکہ میرے سو مرتبہ سلام عرض کرنے میں آپ ﷺ کا ایک ہی مرتبہ جواب دینا میرے لئے کافی ہے

مَنْ جَاءَ نِيْ زَائِرًا لَا تَعْمَلُهُ حَاجَةٌ اِلَّا زِيَارَتِيْ كَانَ حَقًّا عَلَيَّ اَنْ اَكُوْنَ شَفِيْعًا لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ .(٢)

(١)ابو داود ٢:٥٣٤(٢٠٤١)،احمد ٢:٥٢٧، البيهقى فى "السنن" ٥:٢٤٥، و فى "حياة الانبياء" ٩٦(١٥) ، "مسند اسحاق بن راهويه"(مسند ابى هريرة)١::٤٥٣(٥٢٦)، الطبرانى فى "الاوسط" ٤:٨٤(٣١١٦)

المشكوٰة، وفاء الوفاء ،شفاء السقام ،نسيم الرياض ،جذب القلوب

(٢) شفاء السقام :١٤ ، سبل الهدىٰ والرشاد فى سيرة خير العباد ١٢: ٣٧٩

جو میری زیارت کے لئے آئے اور اس کو اور کوئی حاجت نہ لائی تو مجھ پر فرض ہے کہ میں قیامت کے دن اس کی شفاعت کروں گا۔

مسجد نبوی شریف کی زیارت کرے یہ حضور ﷺ کے مبارک ہاتھوں کی تعمیر کی ہوئی ہے اس کی زیارت اور اس میں نماز پڑھنے کی بڑی ہی فضیلت ہے چنانچہ جن مسجدوں کی طرف سفر کر کے جانے کی ترغیت دی گئی ہے ان میں سے مسجد نبوی شریف بھی ہے۔

حضرت ابوسعید خدری ؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

لَا تُشَدُّالرِّحَالُ اِلَّا اِلٰى ثَلٰثَةِ مَسَاجِدَ : اَلْمَسْجِدِالْحَرَامِ ، وَ مَسْجِدِ الرَّسُوْلِ ﷺ وَ مَسْجِدِ الْاَقْصٰى . (١)

کجاوے نہ کسے جائیں (یعنی سفر نہ کیا جائے) مگر تین مسجدوں کی طرف مسجد حرام، مسجد اقصیٰ اور میری اس مسجد کی طرف۔

یعنی حصول ثواب کی زیادتی لے لئے صرف ان تین مسجدوں کی طرف سفر کرنا چاہیے کیونکہ ان میں نماز پڑھنے کا ثواب زیادہ ہے اور باقی دنیا کی تمام مسجدیں برابر و یکساں ہیں لہذا ان کی طرف بڑے اہتمام و مشقت کے ساتھ سفر نہ کیا جائے اس حدیث میں عام دنیا کی مساجد کی طرف زیادتی ثواب کی خاطر سفر کرنے سے منع کیا گیا ہے نہ کہ دوسرے مقاصد کے لئے سفروں سے روکا ہے۔

(١)البخارى ، كتاب فضل الصلاة فى مسجد مكة ، باب فضل الصلاة فى مسجد مكة ح:١١٨٩

مسلم ، كتاب الحج ، باب سفر المرأة مع محرم الى حج و غيره ح : ٤١٥

ابو داود ، كتاب المناسك ، باب فى اتيان المدينة ح : ٢٠٣٣

الترمذى ، كتاب الصلاة ، باب ما جاء فى اى مساجد افضل ح : ٣٢٦

النسائى ، كتاب المساجد ، باب ما تشد الرحال اليه من المساجد ح : ٧٠١

حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

صَلٰوۃٌ فِیْ مَسْجِدِیْ ھٰذَا خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ صَلٰوۃٍ فِیْمَا سِوَاہُ اِلَّا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ . (۱)

مسجد حرام کے علاوہ میری اس مسجد میں ایک نماز پڑھنا (دوسری) مسجدوں میں ہزار نماز پڑھنے سے زیادہ بہتر ہے۔

حضرت انس بن مالک ؓ نے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

مَنْ صَلّٰی فِیْ مَسْجِدِیْ اَرْبَعِیْنَ صَلٰوۃً لَا تَفُوْتُہٗ صَلٰوۃٌ کُتِبَتْ لَہٗ بَرَاءَۃٌ مِّنَ النَّارِ وَ بَرَاءَۃٌ مِّنَ الْعَذَابِ وَ بَرَاءَۃٌ مِّنَ النِّفَاقِ . (۲)

جو شخص میری مسجد میں چالیس نمازیں پڑھے اور اس کی نماز فوت نہ ہو تو اس کے لئے آگ، عذاب دوزخ اور نفاق سے آزادی اور نجات لکھی جائے گی۔

حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

مَا بَیْنَ بَیْتِیْ وَ مِنْبَرِیْ رَوْضَۃٌ مِّنْ رِّیَاضِ الْجَنَّۃِ وَ مِنْبَرِیْ عَلٰی حَوْضِیْ (۳)

میرے گھر اور میرے منبر کی درمیانی جگہ جنت کی کیاریوں میں سے ایک کیاری ہے اور میرا منبر میرے حوض پر ہے۔

---

(۱) الترمذی ، کتاب الصلاۃ ، باب ما جاء فی ای مساجد افضل ح : ۳۲۵

(۲) مشکوٰۃ المصابیح ،

(۳) البخاری کتاب فضل الصلاۃ فی مسجد مکۃ، باب فضل ما بین القبر والمنبر ح : ۱۱۹۶

الترمذی ، کتاب المناقب ، باب ما جاء فی فضل المدینۃ ح : ۳۹۱۵

النسائی ، کتاب المساجد ، باب مسجد النبی ﷺ والصلاۃ فیہ ح : ۶۹۶

دیار حبیب ﷺ کی تعظیم:

مکہ معظمہ رسول ﷺ کی ولادت باسعادت کی جگہ ہے۔ نزول قرآن کا مقام ہے۔ مدینہ منورہ نزول وحی اور آپ ﷺ کی دائمی آرام گاہ ہے۔ دونوں شہر آپ ﷺ کے ہیں۔

ہر دو جائے تست یا بدر الدجیٰ۔

کہ دونوں جگہیں آپ ﷺ کی ہیں اے تاریک رات کے ماہتاب!

لہذا رسول اللہ ﷺ کی تعظیم میں سے یہ بھی ہے کہ ہر وہ چیز جس کے ساتھ آپ ﷺ کا تعلق رہا ہے اس کی تعظیم کرے اور حرمین شریف کے ہر ذرہ سے محبت کرے۔

امام قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ جہاں سید المرسلین ﷺ نے قیام فرمایا اور اسے اپنا ٹھکانہ بنایا جہاں سے نبوت کے چشمے پھوٹے اور جہاں کثرت سے فیض جاری ہوا جن مکانات میں نبوت لپٹی گئی اور وہ زمین پہلی زمین ہے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے جسم اطہر نے مس کیا یہ زمین ایسی ہی ہے کہ اس کے میدانوں کی تعظیم کی جائے اس کی خوشبوؤں کو اپنی روح میں رچایا جائے اس کے مکانوں اور دیواروں کو بوسہ دیا جائے۔ (کتاب الشفاء)

چونکہ یہ محبوب کائنات ﷺ کا دیار ہے اور کوئے محبوب کی ہر چیز محبوب ہوتی ہے اسی لئے امام المحبین حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ دیار مصطفیٰ ﷺ کے شوق میں فرماتے ہیں:

یَا دَارَ خَیْرِ الْمُرْسَلِیْنَ وَ مَنْ بِہٖ   ھُدِیَ الْاَنَامُ وَ خُصَّ بِالْاٰیَاتِ

اے سردار انبیاء کے وطن اور وہ جگہ جس کے باعث لوگوں کو ہدایت ملی اور معجزات ظاہر ہوئے

عِنْدِیْ لِاَجْلِکِ لَوْعَۃٌ وَ صَبَابَۃٌ   وَ تَشَوُّقٌ مُتَوَقِّدُ الْجَمَرَاتِ

میرے اندر تیرے سبب سوزش اور عشق ہے اور ایسا شوق ہے کہ اس سے انگارے سلگ جائیں

وَعَلَیَّ عَھْدٌ اِنْ مَلَأْتُ مَحَاجِرِیْ   مِنْ تِلْکُمُ الْجُدْرَاتِ وَالْعَرَصَاتِ

میں نے عہد کر رکھا ہے کہ میں اپنی آنکھوں کو تیری دیواروں اور میدانوں کے نظاروں سے بھر لونگا

لَاُعَفِّرَنَّ مَصُوْنَ شَیْبِیْ بَیْنَھَا   مِنْ کَثْرَةِ التَّقْبِیْلِ وَالرَّشَفَاتِ

البتہ میں غبار آلود کرلوں گا اپنی سفید داڑھی کو اس زمین کی عمارتوں کو کثرت سے چوم چوم کر اور چوس چوس کر

لَوْلَا الْعَوَادِیْ وَالْاَعَادِیْ زُرْتُھَا   اَبَدًا وَ لَوْسَحْبًا عَلَی الْوَجَنَاتِ

اگر رکاوٹیں اور دشمن نہ ہوتے تو ہمیشہ اس کی زیارت کرتا خواہ میرے رخسار ذلیل ہی کیوں نہ ہوتے

لٰکِنْ سَاُھْدِیْ مِنْ حَفِیْلِ تَحِیَّتِیْ   لِقَطِیْنِ تِلْکَ الدَّارِ وَالْحُجُرَاتِ

لیکن میں عنقریب اپنے کثیر سلام کا نذرانہ بطور تحفہ ان گھروں اور حجروں کے رہنے والوں کی خدمت میں بھیجونگا

اَزْکٰی مِنَ الْمِسْکِ الْمُفَتَّقِ نَفْحَةً   تَغْشَاهُ بِالْآصَالِ وَالْبُکُرَاتِ

جو مشک سے زیادہ پاک ہے اور جسکی خوشبو کی لپٹیں اسے صبح وشام ڈھانکے رکھتی ہیں۔

وَ تَخُصُّهُ بِزَوَاکِی الصَّلَوَاتِ   وَ نَوَامِیَ التَّسْلِیْمِ وَالْبَرَکَاتِ (۱)

اور اسے پاکیزہ درودوں اور بڑھنے والے سلاموں اور برکتوں سے خاص کئے رہتی ہیں۔

(۱) الشفاء بتعریف حقوق المصطفی ﷺ، فصل و من اعظامه و اکباره ۲: ۳۸،۳۷

وَالْمَلٰٓئِکَةُ عِبَادُ اللّٰهِ تَعَالٰی الْعَامِلُوْنَ بِاَمْرِهٖ وَلَا یُوْصَفُوْنَ بِذُکُوْرَةٍ وَ لَا اُنُوْثَةٍ۔

اور فرشتے اللہ تعالیٰ کے نیک بندے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے کام کرتے ہیں اور ان کی مذکر (نر) مونث (مادہ) ہونے کے ساتھ تعریف وتوصیف نہیں کی جائے گی۔

فرشتے

شرح: (۱) فرشتے اجسام نوری ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ طاقت دی ہے کہ جو شکل چاہیں بن جائیں کبھی وہ انسان کی شکل میں ہوتے ہیں اور کبھی دوسری شکل میں۔ وہ ہر قسم کے چھوٹے بڑے گناہوں سے پاک ہیں۔ انہیں مختلف خدمتیں سپرد ہیں۔ بعض کے ذمہ حضرات انبیاء کرام کی خدمت میں وحی لانا، کسی کے متعلق پانی برسانا، کسی کے متعلق بدن انسانی کے اندر تصرف کرنا، کسی کے متعلق ذاکرین کا مجمع تلاش کر کے اس میں حاضر ہونا، کسی کا کام نامہ اعمال لکھنا، بہتوں کا دربار رسالت میں حاضر ہونا، کسی کے متعلق سرکار ﷺ کی بارگاہ میں صلوٰۃ و سلام پہنچانا، بعضوں کے ذمہ مردوں سے سوال کرنا، کسی کے ذمہ قبض روح، بعضوں کے ذمہ عذاب کرنا، کسی کے ذمہ صور پھونکنا۔ ان کے علاوہ بہت سے کام ہیں جو ملائکہ انجام دیتے ہیں

(عقیدہ) کسی فرشتہ کے ساتھ ادنیٰ سی گستاخی کرنا کفر ہے۔ جاہل لوگ اپنے کسی دشمن یا مبغوض کو دیکھ کر کہتے ہیں کہ ملک الموت یا عزرائیل آ گیا یہ کلمہ قریب کفر ہے۔ اسی طرح فرشتوں کے وجود کا انکار کرنا بھی کفر ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، فرشتوں کو نور

سے پیدا کیا گیا ہے جنات کو آگ کے شعلوں سے پیدا کیا گیا ہے جو تمہیں بتادی گئی ہے (یعنی مٹی سے) (مسلم)

الملائکة ، مَلَک کی جمع ہے اور مَلَک اَلُوْکَۃ سے ماخوذ ومشتق ہے جس کا معنی پیغام رسانی اور ملک کا لفظی معنی فرشتہ یا فرستادہ کے ہیں اور ان کو ملائکہ اس لئے کہتے ہیں کہ ان کا کام خالق کا پیغام مخلوق تک لانا ہے۔

لِاَنَّھُمْ وَسَائِط بَیْنَ اللّٰہِ وَ بَیْنَ النَّاسِ وَ ھُمْ رُسُلُ اللّٰہِ اِلَیْھِمْ اَوْ کَالرُّسُلِ

کیونکہ وہ اللہ اور کے بندوں کے درمیان واسطہ (وسائط) ہیں اور وہ اللہ کے قاصد ہیں بندوں کی طرف یا قاصدوں کی طرح ہیں۔

فرشتے نہ نر ہیں اور نہ مادہ کیونکہ اس پر کوئی دلیل وارد نہیں ہوئی اور نہ عقل اس پر شہادت دیتی ہے اور جو بت پرستوں نے کہا ہے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں یہ امر باطل و محال ہے اور حد سے گزرنا ہے۔ فرشتے انسانی شکل میں ظاہر ہو سکتے ہیں جیسے حضرت ابراہیم اور حضرت لوط علیہما الصلاۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اور حضرت جبرئیل علیہ السلام حضور ﷺ کی بارگاہ میں کئی مرتبہ انسانی شکل میں حاضر ہوئے۔ ان کی تعداد کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

﴿.....وَ مَا یَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّکَ اِلَّا ھُوَ ط.....﴾ [المدثر۷٤:۳۱]

اور نہیں جانتا آپ کے رب کے لشکروں کو مگر وہی (رب)۔

فرشتوں کا ثبوت قرآن حدیث سے ثابت ہے جو ان کے موجود ہونے کا انکار کرے وہ بے دین اور گمراہ ہے اور فرشتے اللہ تعالیٰ اور اس کے نبیوں رسولوں کے درمیان وسیلہ اور واسطہ ہیں اسی لئے ایمان باللہ کے بعد فرشتوں پر ایمان لانے کا ذکر ہے فرشتوں کا

ذکر ادب واحترام سے کرنا ضروری ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے نیک اور معزز بندے ہیں۔

سب سے زیادہ مشہور فرشتے یہ ہیں:

(۱) حضرت جبریل علیہ السلام (۲) حضرت میکائیل علیہ السلام

(۳) حضرت اسرافیل علیہ السلام (٤) حضرت عزرائیل علیہ السلام (ملک الموت)

فرشتوں کی صفتیں:

قرآن مجید میں ان کے متعدد اوصاف مذکور ہیں۔

(۱) نبیوں اور رسولوں کے درمیان وحی لانا،

چنانچہ فرمان الٰہی ہے:

﴿اَللّٰہُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ رُسُلًا.....﴾ [الحج ۲۲:۷۵]

اللہ (ہی کا کام ہے کہ وہ) چن لیتا ہے فرشتوں میں سے رسولوں کو۔

جو نبیوں اور رسولوں کی طرف اللہ تعالیٰ کا پیغام اور وحی لاتے ہیں

(۲) منہیات سے دور رہنا اور اوامر پر عمل کرنا جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿.....لَّا یَعْصُوْنَ اللّٰہَ مَآ اَمَرَھُمْ وَ یَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ۝﴾ [التحریم٦٦:٦]

وہ اللہ کا کوئی حکم نہیں ٹالتے اور وہی کام کرتے ہیں جس کا انہیں حکم ہو۔

(۳) وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں۔

﴿لَا یَسْبِقُوْنَہٗ بِالْقَوْلِ وَ ھُمْ بِاَمْرِہٖ یَعْمَلُوْنَ۝﴾ [الانبیاء۲۱:۲۷]

کسی بات میں اس سے سبقت نہیں کرتے اور وہ اسی کے حکم کے مطابق عمل کرتے ہیں۔

﴿.....لَا یَسْتَکْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِہٖ وَ لَا یَسْتَحْسِرُوْنَ۝﴾ [الانبیاء۲۱:۱۹]

وہ اس کی عبادت سے سرکشی نہیں کرتے اور نہ وہ تھکتے ہیں۔

﴿یُسَبِّحُوْنَ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ لَا یَفْتُرُوْنَ۝﴾ (۱)

رات اور دن اس کی پاکی بیان کرتے ہیں (اور ذرا) سستی نہیں کرتے۔

(٤) چوتھی صفت اللہ تعالیٰ سے ہمیشہ ڈرنا ہے

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿......وَ هُمْ مِّنْ خَشْیَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ۝﴾ (۲)

اور وہ اس کے رعب وجلال سے ڈرتے ہیں۔

(٥) ان کا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بڑا اقرب اور بلند مرتبہ ہے

﴿......ط بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ۝﴾ (۳)

بلکہ (وہ سب فرشتے) اس کے بندے ہیں عزت والے۔

(٦) فرشتے نہ تو مرد ہیں اور نہ عورت یعنی ان کو مذکر ومونث ہونے کی صفتوں سے متصف نہیں کیا جاسکتا۔

ارشاد باری ہے:

﴿وَ جَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِیْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا ط اَشَهِدُوْا خَلْقَهُمْ ط......﴾(٤)

اور انہوں نے فرشتوں کو جو رحمٰن کے بندے ہیں (اس کی) بیٹیاں قرار دیا، کیا یہ ان کی پیدائش کے وقت حاضر تھے؟

چونکہ کفار، فرشتوں کو اناث (عورتیں) کہتے تھے تو حق تعالیٰ نے ان کے عقائد کا

---

(۱) [الانبیاء۲۱:۲۰] (۲) [الانبیاء۲۱:۲۸]

(۳) [الانبیاء۲۱:۲۶] (٤) [زخرف۴۳:۱۹]

انکار کیا ہے تو وہ جب عورتیں نہیں ہیں تو ان میں مرد بھی نہیں لہٰذا ان کو ان سے موصوف نہیں کیا جاتا۔

فرشتوں کی قسمیں:

فرشتوں کی بہت سے قسمیں ہیں اور وہ یہ ہیں:

(۱) وہ فرشتے جو عرش کو اٹھانے والے ہیں۔

﴿......وَ یَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ یَوْمَئِذٍ ثَمٰنِیَةٌ۝﴾ (۱)

اور آپ کے رب کے عرش کو اس دن اٹھائیں گے آٹھ فرشتے۔

(۲) دوسری قسم ان فرشتوں کی جو عرش کے اردگرد طواف کرنے والے ہیں۔

﴿وَ تَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّیْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ یُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ ج......﴾(۲)

اور (اے حبیب) آپ فرشتوں کو دیکھیں گے عرش الٰہی کے آس پاس حلقہ باندھے اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتے ہوں گے۔

(۳) اکابر فرشتوں میں حضرت جبرئیل اور حضرت میکائیل کا ذکر قرآن میں آیا ہے اور حضرت عزرائیل اور حضرت اسرافیل کا ذکر حدیث نبوی سے ثابت ہے۔ علیہم الصلاۃ والسلام

(٤) وہ فرشتے جو اللہ کے دوستوں کی مدد کرتے ہیں اور ان کے دشمنوں کو دفع کرتے ہیں جیسا کہ غزوہ بدر وغیرہ میں مسلمانوں کی مدد کی اس کا ذکر سورہ آل عمران کی آیت ۱۲۴ اور سورہ انفال میں وارد ہے۔

(٥) وہ فرشتے جو جنت پر مقرر کیے گئے ہیں کہ ایمان والوں پر ہر دروازہ سے داخل ہوں گے۔

---

(۱) [الحاقه۶۹:۱۷] (۲) [الزمر۳۹:۷۵]

﴿......وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ﴾ (١)

اور فرشتے ان پر ہر دروازے سے داخل ہوں گے۔

(٦) ایسے فرشتے جو دوزخ پر مقرر ہیں۔

﴿عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ﴾ (٢)

اس پر انیس (فرشتے) مقرر ہیں۔

﴿سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ﴾ (٣)

ہم (بھی) دوزخ پر مقرر کئے ہوئے طاقتور فرشتوں کو ابھی بلالیں گے۔

(٧) وہ فرشتے جو بنی آدم پر مقرر ہیں۔

﴿مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ﴾ (٤)

وہ زبان سے کوئی بات نہیں کہتا مگر اس کے پاس (اس کا) نگہبان لکھنے کے لئے تیار ہوتا ہے۔

(٨) وہ فرشتے جو بنی آدم کے اعمال لکھتے ہیں۔

﴿وَ اِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ ۝ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ ۝ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ۝﴾ (٥)

اور بیشک تم پر ضرور نگہبان (مقرر) ہیں۔ معزز (فرشتے) لکھنے والے۔ وہ جانتے ہیں جو تم کرتے ہو۔

یہ چار فرشتے ہیں جو دن رات میں آتے جاتے ہیں۔

(٩) وہ فرشتے جو قبر میں مردوں سے سوال کرتے ہیں جیسے حدیث شریف میں آیا

(١) [الرعد١٣: ٢٣] (٢) [المدثر٧٤: ٣٠] (٣) [العلق٩٦: ١٨]

(٤) [ق٥٠: ١٨] (٥) [الانفطار٨٢: ١٢-١١-١٠]

ہے یعنی منکر اور نکیر۔

(١٠) وہ جو شکم مادر میں چار باتیں لکھتے ہیں یعنی رزق، عمل، نیک بختی یا بدبختی وغیرہ

(١١) وہ فرشتے جو روح قبض کرتے ہیں۔

﴿وَ لَوْ تَرٰٓى اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَ اَدْبَارَهُمْ وَ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۝﴾ (١)

اور (اے مخاطب) اگر تو دیکھے جب فرشتے کافروں کی جان نکالتے ہیں مارتے ہیں ان کے چہروں اور ان کی پیٹھوں پر اور (کہتے ہیں) چکھو آگ کی عذاب۔

(١٢) وہ فرشتے جو مجالس ذکر کی تلاش کرتے ہیں اور حاضر ہوتے ہیں

(١٣) وہ فرشتے جو انسان کو آفتوں اور بلاؤں سے حفاظت کرنے پر مامور کئے گئے ہیں یعنی بچوں، بوڑھوں اور کمزوروں پر اور جن کے متعلق اللہ کا حکم ہوتا ہے ان کی حفاظت کرتے ہیں ان کو حفظہ کہتے ہیں۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿......وَ يُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً ط......﴾ (٢)

اور بھیجتا ہے تم پر نگہبان (فرشتے)۔

تفسیر عزیزی میں ہے کہ حدیث رسول میں ہے:

وُكِّلَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِائَةٌ وَّ سِتُّوْنَ مَلَكًا.

کہ ایمانداروں پر ایک سو نوے فرشتے مقرر کئے گئے ہیں۔

اور فرشتے ایمانداروں کے لئے دعائیں کرتے ہیں۔

(١) [الانفال٨: ٥٠] (٢) [الانعام٦: ٦١]

﴿اِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ﴾ [الطارق٨٦:٤]

ہر جان پر ایک محافظ مقرر ہے۔

قرآن کریم میں فرشتوں کی قسمیں کھا کر ان کی مختلف صفتیں بیان کی گئی ہیں دیکھئے سورۃ صافات، سورہ ذاریات اور سورہ نازعات وغیرہ۔ خیال رہے کہ فرشتے نہ مذکر ہیں اور نہ مونث، جیسے کہ پہلے ذکر گزر چکا ہے مذکورہ سورتوں میں فرشتوں کی جماعتیں مراد ہیں اور لفظ جماعت مونث ہے نہ کہ فرشتے مونث ہیں۔ نیز قرآن مجید اہل عرب کے محاورہ میں نازل ہوا ہے اور اہل عرب فرشتوں کے لئے مونث کے صیغے استعمال کرتے ہیں۔

جنات:

جنات بھی اللہ کی مخلوق ہیں اور وہ بھی موجود ہیں اور ان کا انکار کرنا قرآن وحدیث کے ارشاد کا انکار کرنا ہے لہذا ان پر ایمان لانا بھی ضروری ہے اور جن، اجسام لطیفہ ناریہ رکھتے ہیں اور مختلف شکلوں میں ظاہر ہو سکتے ہیں اور یہ انسانوں کی طرح مرد وزن ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو آگ سے پیدا کیا ہے۔

﴿وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ﴾ [الحجر١٥:٢٧]

اور ہم نے اس سے پہلے جن کو پیدا کیا بے دھوئیں کی آگ سے۔

ان میں مومن اور کافر بھی ہوتے ہیں ان کا حضور ﷺ سے قرآن سننے کا ذکر سورہ احقاف ۲۹ اور سورہ جن میں آیا ہے۔

شیطان جنوں میں سے ہے:

شیطان جنوں میں سے ہیں نہ کہ فرشتوں میں سے جیسا کہ لوگ شبہ رکھتے ہیں۔

فرمان الٰہی ہے:

﴿.....كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ط.....﴾ [الکہف١٨:٥٠]

وہ جنوں سے تھا تو اس نے اپنے رب کے حکم سے سرکشی کی۔

سوال: کیا ابلیس نے کفر نہیں کیا حالانکہ وہ فرشتوں میں سے تھا ورنہ اس کا استثناء کس طرح درست ہوتا۔

﴿.....فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ط.....﴾ [الکہف١٨:٥٠]

تو سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے۔

جواب: نہیں شیطان تو دراصل جن تھا جس پر قرآن کریم کا ارشاد ہے:

﴿.....كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ط.....﴾ [الکہف١٨:٥٠]

وہ جنوں سے تھا تو اس نے اپنے رب کے حکم سے سرکشی کی۔

دلالت کرتا ہے لیکن چونکہ وہ عبادت اور مراتب عالیہ کے اعتبار سے فرشتہ صفت تھا اور ایک جن ان میں مستور تھا تغلیباً اس کا استثناء کیا گیا۔

سوال: ہاروت اور ماروت بھی تو فرشتے ہی تھے جنہوں نے ارتکاب سحر سے کفر کیا لہذا آپ کا ملائکہ کو بری کرنا درست نہ ہوا۔ وہ لوگوں کو سحر سکھلایا کرتے تھے جس پر کہ قرآن کریم کی آیات دلالت کرتی ہیں لہذا ان کا پاک ہونا کس طرح درست ہوا۔

جواب: ہاروت اور ماروت کے متعلق اگرچہ کہا گیا ہے کہ وہ انسان تھے مگر اصح قول یہی ہے کہ وہ دو فرشتے تھے مگر ان سے نہ تو کفر کا صدور ہوا اور نہ ہی انہوں نے کبیرہ کا ارتکاب کیا تھا ان کو جو سزا دی گئی وہ صرف تنبیہاً تھی جیسا کہ رسولوں کو خطا پر تنبیہ کی جاتی ہے (بلکہ) وہ تو لوگوں کو وعظ اور نصیحت کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ ہم صرف آزمائش کے لئے اتارے گئے پس تو کفر نہ کر۔ لہذا معلوم ہوا کہ وہ ناصح اور مبلغ تھے نہ کہ بدکار اور مرتکب

کبیرہ۔ سحر کا تعلیم کرنا کفر نہیں بلکہ کفر تو اس کے اعتقاد کرنے اور اس پر عمل کرنے میں ہے(۱)

علامہ عبدالعزیز پرہاروی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

قَالَ الْمُحَقِّقُوْنَ وَ مِنْهُمُ الْاِمَامُ اَبُوْ مَنْصُوْرِ الْمَاتُرِيْدِيُّ لَيْسَ عَمَلُ السِّحْرِ عَلٰى اِطْلَاقِهٖ كُفْرًا بَلْ اِذَا كَانَ فِيْهِ تَكْذِيْبُ مَا وَجَبَ الْاِيْمَانُ بِهٖ وَ اِلَّا فَكَبِيْرَةٌ وَ قَالَ بَعْضُ الْعُلَمَاءِ كُفْرٌ مُطْلَقًا وَ هُوَ ظَاهِرُ كَلَامِ الشَّارِحِ. (۲)

محققین نے فرمایا اور انہیں میں سے امام ابومنصور ماتریدی ہیں کہ مطلقاً جادو کا عمل کفر نہیں ہے بلکہ جب اس میں اس چیز کو جھٹلانا لازم آئے جس پر ایمان لانا واجب ہے (تب کفر ہے) ورنہ گناہ کبیرہ ہے۔ اور بعض علماء نے مطلقاً کفر کہا اور یہی کلام شارح کا ظاہر معنی ہے۔

---

(۱) شرح العقائد النسفية : ١٤٢،١٤٣

(۲) النبراس : ٤٦٤

وَلِلّٰهِ تَعَالٰى كُتُبٌ اَنْزَلَهَا عَلٰى اَنْبِيَائِهٖ وَبَيَّنَ فِيْهَا اَمْرَهٗ وَنَهْيَهٗ وَ وَعْدَهٗ وَ وَعِيْدَهٗ

اور اللہ تعالیٰ کی کتابیں (۱) ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں پر اتارا ہے اور ان میں اپنا حکم اور نہی اور اپنا وعدہ اور وعید کو بیان فرمایا۔

اللہ تعالیٰ کی کتابیں

شرح: (۱) کُتُب" جمع کتاب کی ہے بمعنی مکتوب فیہ جس میں کچھ لکھا ہوا ہے۔ اَنْزَلَ اِنْزَال سے بنا ہے بمعنی اتارنا چانکہ تمام کتابوں کو اتارا گیا ہے اس لئے انزل فرمایا ہے اَلْاَنْبِیَاء بمعنی غیب کی خبریں دینے والا۔ وَعْدَهٗ (اچھے کام کرنے والوں سے جنت کا وعدہ کیا) وَعِيْدَهٗ (نافرمانی کرنے والوں کو عذاب کی دھمکی دی) اور دیگر احکام ضروریہ کو بیان کیا ہے۔ اس بات پر ایمان رکھنا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض رسولوں کو روشن دلیلوں کے ساتھ مبعوث فرمایا "اور ہم نے اتاری ہے ان کے ساتھ۔ کتاب اور میزان (عدل) تا کہ لوگ انصاف پر قائم رہیں"۔ (جمال القرآن)

اللہ تعالیٰ نے بہت سی کتابیں اور صحیفے نازل فرمائے جن کی تعداد اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے مگر ان سے چار کتابیں زیادہ مشہور ہیں۔

(۱) تورات حضرت موسیٰ علیہ السلام پر (۲) انجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر

(۳) زبور حضرات داؤد علیہ السلام پر (۴) قرآن مجید حضرت محمد ﷺ پر نازل ہوا۔

توراۃ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل کی گئی۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

﴿اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّ نُوْرٌ ج يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ

هَادُوْا وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ ج ...﴾ [المائدہ٥:٤٤]

بے شک ہم نے تورات اتاری جس میں ہدایت اور نور ہے فیصلہ کرتے رہے اس کے مطابق اللہ کے نبی جو ہمارے مطیع فرمان تھے ان لوگوں کا جو یہودی ہوئے اور (اسی کے مطابق حکم دیتے رہے) اللہ والے اور علماء کیوں کہ وہ اللہ کی کتاب کے محافظ بنائے گئے تھے اور وہ اس پر گواہ تھے۔

زبور حضرت داوٗد علیہ السلام پر اتاری۔ چنانچہ فرمان الٰہی ہے:

﴿...وَاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ۞﴾ [النساء٤:١٦٣]

اور ہم نے داؤد کو زبور دی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر انجیل اتاری۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿...وَقَفَّيْنَا بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ ۙ...﴾ [الحدید٥٧:٢٧]

اور ہم ان کے پیچھے لائے عیسیٰ ابن مریم کو اور ہم نے انہیں انجیل عطا فرمائی۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں تورات، انجیل اور زبور کی تعریف فرمائی ہے اور ان کتابوں کو نور و ہدایت فرمایا ہے اور ان کے احکام پر عمل کرنے میں دنیا آخرت کی کامیابی قرار دیا ہے مگر خوب یاد رکھیں کہ جن کتابوں کی اللہ تعالیٰ نے قرآن میں تعریف فرمائی ہے ان سے مراد توراۃ، زبور اور انجیل وہ اصلی کتابیں مراد ہیں جن کو اللہ نے اپنے اپنے وقتوں میں نبیوں پر نازل فرمایا تھا اور موجودہ اہل کتاب اپنے پاس جو کتابیں رکھتے ہیں جن کے مجموعہ کا نام ہے بائبل یہ وہ اصلی توراۃ، زبور، انجیل نہیں ہیں بلکہ یہ محرف شدہ کتابیں ہیں۔ ایک تو ان کے احکام قرآن نے منسوخ کر دیئے تھے اور دوسرے ان کتابوں کو بدل دیا گیا تھا لہذا یہ وہ

کتابیں نہیں ہیں جن کا ذکر قرآن فرماتا ہے اب دنیا میں جو اصلی کتاب موجود ہے وہ صرف قرآن مجید ہی ہے جو تمام آسمانی کتابوں کا خلاصہ اور ہر قسم کے تغیر و تبدل سے محفوظ و مامون ہے۔ بعض اہل کتاب سادہ لوح مسلمانوں کو مغالطہ دیتے ہیں کہ قرآن مجید میں کہیں بھی تورات اور انجیل کے رد و بدل اور تحریف اور زیادتی اور نقصان کرنے کا ذکر نہیں آیا ہے حالانکہ قرآن مجید کے مختلف مقامات پر صراحت سے ذکر آیا ہے۔

﴿مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ...﴾ (١)

یہودیوں میں سے کچھ لوگ پھیر دیتے ہیں اللہ کے کلموں کو ان کی جگہوں سے۔

﴿فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ۙ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ ۞﴾ (٢)

تو بڑی خرابی ہے ان کے لئے جو (اللہ کی) کتاب (میں منگھڑت باتیں) اپنے ہاتھوں سے لکھیں پھر کہہ دیں یہ اللہ کی طرف سے ہے تاکہ اس کے بدلے تھوڑی سی قیمت حاصل کر لیں تو ان کے لئے ہلاکت ہے اس چیز سے جو ان کے ہاتھوں نے لکھی اور ان کے لئے اس چیز سے تباہی ہے جو وہ کماتے ہیں۔

﴿...قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِيْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا وَّهُدًى لِّلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِيْسَ تُبْدُوْنَهَا وَتُخْفُوْنَ كَثِيْرًا ۚ...﴾ (٣)

فرما دیجئے اس کتاب کو کس نے اتارا جسے موسیٰ لے کر آئے کہ وہ لوگوں کے واسطے روشنی اور ہدایت تھی تم نے اس کے الگ الگ کاغذ بنا لئے انہیں ظاہر کرتے ہو اور ان کا بہت سا حصہ چھپا لیتے ہو۔

(١) [النساء٤:٤٦] (٢) [البقرہ٢:٧٩] (٣) [الانعام٤:٩١]

﴿وَ اِنَّ مِنۡهُمۡ لَفَرِيۡقًا يَّلۡوٗنَ اَلۡسِنَتَهُمۡ بِالۡكِتٰبِ لِتَحۡسَبُوۡهُ مِنَ الۡكِتٰبِ وَ مَا هُوَ مِنَ
الۡكِتٰبِ ۚ وَ يَقُوۡلُوۡنَ هُوَ مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ وَ مَا هُوَ مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ ۚ وَ يَقُوۡلُوۡنَ عَلَى اللّٰهِ
الۡكَذِبَ وَ هُمۡ يَعۡلَمُوۡنَ ۞ مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنۡ يُّؤۡتِيَهُ اللّٰهُ الۡكِتٰبَ وَ الۡحُكۡمَ وَ النُّبُوَّةَ
ثُمَّ يَقُوۡلَ لِلنَّاسِ كُوۡنُوۡا عِبَادًا لِّيۡ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ......﴾ [ال عمران ۳:۷۹-۷۸]

اور بیشک ان میں کچھ ایسے لوگ ہیں کہ وہ (اللہ کی) کتاب (تورات) پڑھنے میں اپنی زبانوں کو موڑ لیتے (اور اس میں تحریف کرتے) ہیں کتاب تا کہ تم سمجھو کہ وہ کتاب کا حصہ ہے حالانکہ وہ کتاب سے نہیں اور کہتے ہیں کہ وہ اللہ کی طرف سے ہے حالانکہ وہ اللہ کی طرف سے نہیں اور اللہ پر جھوٹ بولتے ہیں جان بوجھ کر۔ کسی بشر کو لائق نہیں کہ اللہ اس کو کتاب اور حکم اور نبوت دے پھر وہ لوگوں سے کہے کہ تم اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے ہو جاؤ۔

﴿يٰۤاَهۡلَ الۡكِتٰبِ قَدۡ جَآءَكُمۡ رَسُوۡلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمۡ كَثِيۡرًا مِّمَّا كُنۡتُمۡ تُخۡفُوۡنَ مِنَ
الۡكِتٰبِ وَ يَعۡفُوۡا عَنۡ كَثِيۡرٍ ؕ......﴾ (۱)

اے کتاب والو بیشک آ گیا ہے تمہارے پاس ہمارا رسول بیان فرماتا ہے تمہارے لئے بہت سی ایسی چیزیں جنہیں تم چھپاتے تھے کتاب سے اور درگزر فرماتا ہے بہت سی باتوں سے

اور توراۃ، زبور اور انجیل کے علاوہ بھی کچھ صحیفے اتارے گئے تھے جن کا ذکر اس آیت مبارکہ میں ہے۔

﴿اِنَّ هٰذَا لَفِي الصُّحُفِ الۡاُوۡلٰى ۞ صُحُفِ اِبۡرٰهِيۡمَ وَ مُوۡسٰى ۞﴾ (۲)

بیشک یہ (قرآنی تعلیم) یقیناً پہلے صحیفوں میں موجود ہے۔ ابراہیم اور موسیٰ کے صحیفوں میں

اور قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ نے خاتم النبیین احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ پر نازل فرمایا جو تمام

(۱) [المائدہ ۵:۱۵] (۲) [الاعلیٰ ۸۷:۱۹-۱۸]

آسمانی کتابوں کا محافظ ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَيۡكَ الۡكِتٰبَ بِالۡحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيۡنَ يَدَيۡهِ مِنَ الۡكِتٰبِ وَ مُهَيۡمِنًا عَلَيۡهِ
فَاحۡكُمۡ بَيۡنَهُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ......﴾ [المائدہ ۵:۴۸]

اور (اے حبیب) ہم نے یہ کتاب آپ پر حق کے ساتھ اتاری تصدیق کرتی ہوئی اس کی جو اس کے سامنے ہے (آسمانی) کتاب سے اور اس پر نگہبان تو فیصلہ کیجئے اس کے درمیان اس سے جو اللہ نے اتارا۔

اس آیت شریفہ میں ایک تو یہ فرمایا کہ قرآن نبی ﷺ پر نازل کیا ہے اور دوسرا قرآن مجید کی یہ صفت بیان ہوئی کہ وہ "مُهَيۡمِنٌ" ہے کہ یہ ان کتابوں کا شاہد اور محافظ ہے۔

اَیْ اَمِیْنًا عَلَی الْکُتُبِ الَّتِیْ قَبْلَهٗ.

کہ یہ امین ہے ان کتابوں پر جو اس سے پہلے ہیں۔

اور معنی یہ ہے کہ جب قرآن مجید تمام کتابوں پر امین اور محافظ ہے تو پھر یہ تبدیل وتحریف اور نسخ سے محفوظ ہے اور کسی قسم کی تبدیلی نہیں آ سکتی۔ قرآن مجید تمام علوم کا جامع اور مجموعۂ اعجاز ہے

﴿......وَ نَزَّلۡنَا عَلَيۡكَ الۡكِتٰبَ تِبۡيَانًا لِّكُلِّ شَيۡءٍ......﴾ [النحل ۱۶:۸۹]

اور ہم نے یہ قرآن آپ پر اتارا جو ہر چیز کا روشن بیان ہے۔

یعنی قرآن مجید علوم الاولین وعلوم الآخرین کا جامع ہے اور اس کا ہر حکم واجب الاتباع ہے قرآن مجید کے متعلق تفصیلی باتیں یعنی فضائل وفوائد اور مسائل مدت نزول جمع قرآن، اعجاز قرآن، علوم قرآن وغیرہ راقم السطور نے ''عظمت قرآن مجید'' میں بیان کر دی ہیں جو کہ قرآن مجید کے متعلق بڑی معلوماتی کتاب ہے اسلئے یہاں زیادہ تفصیل سے کام نہیں لیا گیا۔

اعجاز قرآن:

تمام اہل ایمان کا اس پر اتفاق ہے کہ قرآن مجید معجزہ ہے اور اس کی مثل کوئی کلام پیش کرنا انسانی طاقت سے باہر ہے۔ قرآن مجید کی ٦٦٦٦ آیتیں ہیں تو ہر آیت ایک معجزہ ہے۔

فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا﴾ [اسراء ١٧: ٨٨]

فرمایئے اگر آدمی اور جن سب اس بات پر جمع ہو جائیں کہ وہ اس قرآن کی مثل لائیں تو وہ اس کی مثل نہ لاسکیں گے اگر چہ وہ ایک دوسرے کے مددگار ہو جائیں۔

﴿وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ص وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ [البقرہ ٢: ٢٣]

اور اگر تم شک میں ہو اس سے جو (کلام) ہم نے اپنے (مقدس) بندے پر اتارا تو لے آؤ اس جیسی کوئی سورت اور اللہ کے سوا اپنے حمایتیوں کو بلاؤ اگر تم سچے ہو۔

قرآن مجید کے دائمی معجزہ کے متعلق امام قرطبی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

فَالْقُرْاٰنُ مُعْجِزَةٌ لِنَبِيِّنَا الْبَاقِيَةُ بَعْدَهٗ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ. (تفسیر قرطبی ١: ٧٢)

کہ قرآن کریم ہمارے نبی مکرم ﷺ کا معجزہ ہے جو ان کے بعد قیامت تک باقی ہے۔

امام ابوصیری علیہ الرحمۃ قصیدہ بردہ شریف میں فرماتے ہیں:

دَامَتْ لَدَيْنَا فَفَاقَتْ كُلَّ مُعْجِزَةٍ   مِنَ النَّبِيِّيْنَ اِذْ جَآءَتْ وَلَمْ تَدُمِ

معجزہ قرآن ہمارے پاس ہمیشہ کیلئے ہے تو یہ معجزہ تمام انبیاء کے معجزوں سے فائق ہے اس لئے کہ وہ معجزے جو انبیاء لائے وہ ہمیشہ نہ رہے۔

وَالْمِعْرَاجُ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى فِي الْيَقْظَةِ بِشَخْصِهٖ اِلَى السَّمَآءِ ثُمَّ اِلٰى مَاشَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى مِنَ الْعُلٰى حَقٌّ.

اور معراج مصطفیٰ ﷺ کے لئے بیداری میں اپنے جسم کے ساتھ آسمان تک پھر بلندیوں تک جہاں تک اللہ تعالیٰ نے چاہا (لے گیا) حق ہے۔

معراج مصطفیٰ ﷺ

شرح: لفظ معراج، عروج سے مشتق ہے۔ جس کے معنی چڑھنے اور بلند ہونے کے ہیں اسی طرح معراج زینہ کو بھی کہتے ہیں۔

اَطْلَقَ الْمِعْرَاجَ وَاَرَادَ الْعُرُوْجَ اِشَارَةً اِلٰى اَنَّ الْعُرُوْجَ كَانَ بِالْمِعْرَاجِ (١)

لفظ معراج بول کر عروج مراد لیا ہے۔ جس میں اس طرف اشارہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا عروج آسمانوں پر چڑھنا معراج (سیڑھی) پر تھا۔

نیز عرج بی کا جملہ بھی استعمال کیا گیا ہے نیز اسراء بھی اس کو کہتے ہیں اور یہ اسراء معراج رسول اللہ ﷺ کے خصائص سے ہے کہ مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک اور وہاں سے ساتویں آسمان اور کرسی و عرش تک بلکہ بالائے عرش رات کے ایک قلیل حصہ میں مع جسم تشریف لے گئے اور وہ قرب خاص حاصل ہوا کہ کسی بشر و ملک کو نہ کبھی حاصل ہوا اور نہ ہوگا جمال الٰہی بچشم سر دیکھا اور کلام الٰہی بلا واسطہ سنا اور تمام ملکوت السموات والارض کو بالتفصیل ذرہ ذرہ ملاحظہ فرمایا۔ (٢)

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی سورہ اسراء کی پہلی آیت اور سورہ نجم کی ابتدائی آیات میں اس عظیم الشان واقعہ کا اختصار سے بیان فرمایا اور احادیث نبویہ میں اس مجموعہ کمالات معجزہ

(١) حاشیہ شرح العقائد النسفیۃ ص: ١٤٤ حاشیۃ ٢   (٢) عقائد اسلام

کا ذکر بڑی تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

سورہ اسراء میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا الَّذِیۡ بٰرَکۡنَا حَوۡلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنۡ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّہٗ ہُوَ السَّمِیۡعُ الۡبَصِیۡرُ ۞﴾ [اسراء۱۷:۱]

ہر عیب سے پاک ہے اسے جو لے گیا اپنے (مقدس) بندے کو رات کے تھوڑے سے حصہ میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک جس کے اردگرد ہم نے بہت برکتیں فرمائیں تاکہ ہم (اپنے) اس (مقدس بندہ) کو اپنی نشانیوں میں سے دکھائیں بیشک وہی سننے والا دیکھنے والا ہے

اور سورہ نجم میں رسول اللہ ﷺ کے آسمانی معراج کا یوں ذکر کیا گیا ہے۔

﴿وَ لَقَدۡ رَاٰہُ نَزۡلَۃً اُخۡرٰی ۞ عِنۡدَ سِدۡرَۃِ الۡمُنۡتَہٰی ۞ عِنۡدَہَا جَنَّۃُ الۡمَاۡوٰی ۞ اِذۡ یَغۡشَی السِّدۡرَۃَ مَا یَغۡشٰی ۞ مَا زَاغَ الۡبَصَرُ وَ مَا طَغٰی ۞ لَقَدۡ رَاٰی مِنۡ اٰیٰتِ رَبِّہِ الۡکُبۡرٰی ۞﴾ (۱)

اور بیشک انہوں نے اسے دوسری بار ضرور دیکھا۔ سدرۃ المنتہیٰ کے قریب۔ اس کے پاس جنت الماویٰ ہے۔ جب ڈھانپ لیا سدرہ کو اس (عظیم چیز) نے جس نے ڈھانپ لیا۔ نہ ایک طرف مائل ہوئی نظر اور نہ حد سے بڑھی۔ بیشک انہوں نے اپنے رب کی بڑی نشانیاں ضرور دیکھیں۔

خیال رہے کہ واقع معراج کو قرآن وحدیث اور علماء ربانی کے ارشادات واقوال کی روشنی میں راقم الحروف نے کتاب معراج مصطفیٰ ﷺ میں مدلل بیان کر دیا ہے لہذا یہاں پورے واقعہ کو تفصیلاً بیان نہیں کیا گیا۔

(۱) [النجم۵۳:۱۸-۱۷-۱۶-۱۵-۱۴-۱۳]

وَ کَرَامَاتُ الْاَوْلِیَاءِ حَقٌّ

اور ولیوں کی کرامتیں حق (۱) ہیں۔

کرامات اولیاء

شرح: (۱) کَرَامَاتٌ، کَرَامَۃٌ کی جمع ہے۔ بمعنی بزرگی، بڑائی، سرداری اور عزت کرنا عزت دینا ہے۔ چونکہ بذریعہ کرامت صاحب کرامت کی بزرگی ظاہر ہوتی ہے اور اس کو عزت دی جاتی ہے اس لئے کرامت بمعنی بزرگی اور عزت دینا ہے کرامت یہ ہے کہ عادت کے خلاف کوئی فعل اس سے ظہور میں آجائے۔ بشرطیکہ وہ نبوت کا مدعی نہ ہو۔

شرح النسفیہ میں ہے:

وَ ہِیَ وُقُوْعُ اَمْرٍ خَارِقٍ لِلْعَادَۃِ مِنْ صَالِحٍ وَ لَیْسَ مَعَہٗ دَعْوَی الرِّسَالَۃِ

اور خرق عادت بمعنی یہ کہ حکیم مطلق اس جہاں میں سب کاموں کو ان کے سببوں کے ساتھ باندھا ہے اور اللہ تعالیٰ کی سنت یوں جاری ہے کہ بغیر سببوں کے کام پیدا نہیں کرتا اس کو عادت کہتے ہیں اور کبھی اپنی قدرت سے اس عادت کو توڑ کر بغیر سبب کے اپنے بندے کے ہاتھ پر اس کام کو پیدا کر دیتا ہے اصل میں خرق عادت اللہ تعالیٰ کا فعل ہے نہ کہ بندوں کا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی عادت توڑنا بندہ سے ممکن نہیں ہے۔ (۱)

اِنَّ الْخَارِقَ لِلْعَادَۃِ سِتَّۃٌ وَ ہِیَ الْمُعْجِزَۃُ وَالْاِرْہَاصُ وَالْکَرَامَۃُ وَ الْمَعُوْنَۃُ وَالْاِہَانَۃُ وَالْاَوَّلُ وَالثَّانِیُّ مُخْتَصَّانِ بِالْاَنْبِیَاءِ عَلَیْہِمُ السَّلَامُ وَالثَّالِثُ بِالْاَوْلِیَاءِ وَالرَّابِعُ بِکُلِّ مُؤْمِنٍ وَالْاَخِیْرَانِ بِالْفُسَّاقِ وَالْفُجَّارِ. (۲)

بیشک خارق عادت کی چھ قسمیں ہیں۔ ایک معجزہ، دوسری ارہاص، تیسری کرامت،

(۱) توضیح البیان (۲) شرح قصیدہ بدء الامالی : ۷۲

چوتھی معونت، پانچویں استدراج اور چھٹی اہانت۔ پہلی دو قسمیں نبیوں کے ساتھ خاص ہیں، تیسری قسم اولیاء کے ساتھ، چوتھی ہر ایماندار کے ساتھ اور آخری دو قسموں کا تعلق فاسق وفاجر سے ہے۔

اولیاء ولی کی جمع ہے بروزن فعیل بمعنی مفعول دوست بنایا ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مدد سے اطاعت پر دوام حاصل ہو اور اطاعت کرنے والوں سے حق تعالیٰ محبت کرتا ہے یا ولی بمعنی فاعل ہے یعنی مدد کرنے والا اپنی ذات کی اطاعت کرنے اور برائی کو ترک کرنے کے ساتھ یا ولی بمعنی قریب ہے کہ وہ حق تعالیٰ کے قرب میں ہوتا ہے۔

علامہ سعدالدین تفتازانی ولی کی تعریف میں فرماتے ہیں:

وَالْوَلِيُّ هُوَ الْعَارِفُ بِاللّٰهِ تَعَالٰى وَ صِفَاتِهٖ حَسْبَ مَا يُمْكِنُ الْمُوَاظِبُ عَلَى الطَّاعَاتِ الْمُجْتَنِبُ عَنِ الْمَعَاصِيْ الْمُعْرِضُ عَنِ الْاِنْهِمَاكِ فِي اللَّذَّاتِ وَالشَّهَوَاتِ. (شرح العقائد النسفية: ١٤٦،١٤٥)

یعنی ولی وہ شخص ہے جس کو خداوند تعالیٰ کے صفات کی معرفت ہو مع دوام اطاعت کے اور معاصی سے اعراض کرنے والا ہو۔ دنیاوی لذتوں اور شہوتوں سے اعراض کرتا ہو اور دنیاوی امور میں دنیاداروں کی طرح ڈوبا ہوا نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ اپنے ولیوں کی شان میں فرماتا ہے:

﴿اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۞ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ كَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۞﴾ [یونس ۱۰: ۶۳-۶۲]

خبردار! بیشک اللہ کے ولیوں پر نہ کچھ خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ جو ایمان لائے اور پرہیزگار رہے۔

معلوم ہوا کہ ولی وہ ہے جو ایمان اور تقویٰ کا جامع ہو۔ ولیوں کی کرامتیں کتاب وسنت سے ثابت ہیں۔

اَیْ ثَابِتٌ بِالْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ وَ لَا عِبْرَةَ بِمُخَالَفَةِ الْمُعْتَزِلَةِ وَ اَهْلِ الْبِدْعَةِ فِيْ اِنْكَارِ الْكَرَامَةِ. (۱)

کرامت کتاب وسنت سے ثابت ہیں لہذا معتزلہ کی مخالفت اور اہل بدعت کے انکار کرنے کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ حضرت سیدنا مریم رضی اللہ عنہا کی کرامت کا ذکر فرماتا ہے:

﴿...... كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ ۙ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا ۭ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۞﴾ (۲)

جب بھی زکریا اس (کی عبادت) کے حجرے میں اس کے پاس آتے تو اس کے قریب (تازہ) رزق (موجود) پاتے، زکریا نے کہا اے مریم یہ (رزق) کہاں سے آیا مریم نے کہا وہ اللہ کے پاس سے ہے بیشک اللہ جسے چاہے بے حساب رزق دیتا ہے۔

حضرت آصف بن برخیا جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے وزیر اور صحابی تھے ان کی کرامت کا ذکر قرآن میں آیا ہے کہ انہوں نے تخت بلقیس کو ایک پل میں لاکر حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں پیش کردیا۔

﴿قَالَ الَّذِيْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ ۭ......﴾ [النمل ۲۷: ۴۰]

جس کے پاس کتاب کا علم تھا اس نے کہا میں اسے آپ کے پاس اس سے پہلے

(۱) شرح العقائد النسفية: ۱۴۵ حاشية ۵ (۲) [آل عمران ۳: ۳۷]

لے آتا ہوں کہ آپ کی پلک جھپکے۔

نبی کریم ﷺ کے تمام صحابہ اولیاء اللہ ہیں بلکہ ولیوں کے سردار ہیں، ان کی کرامات سے کتب احادیث لبریز ہیں مگر یہاں ان تفصیلات کے بیان کی گنجائش نہیں ہے اور اسی طرح بعد میں جو اللہ تعالیٰ کے نیک اور مقبول بندے ہوئے ہیں ان کی کرامتیں بھی بہت زیادہ اور مشہور ہیں۔

كَرَامَاتُ الْوَلِيِّ بِدَارِ دُنْيَا
لَهَا كَوْنٌ فَهُمْ اَهْلُ النَّوَالِ

دنیا کے گھر میں اولیاء کی کرامات کیلئے ثبوت ہے سو وہ (اللہ تعالیٰ کے کرم و) عطاء کے لائق واہل ہیں۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

بعض کے نزدیک یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ ولی کی کرامت اس کے ارادہ اور اختیار سے باہر ہوتی ہے لیکن یہ بات ضروری ہے کہ ولایت وکرامت کا دعوی کرنا غیر ضروری ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ نبی سے جو چیز بطور معجزہ ظاہر ہوتی ہے وہ ولی اللہ سے بطریق کرامت ظاہر ہوسکتی ہے اختیار یا عدم اختیار کی قید وتخصیص ضروری نہیں بعض کرامات اختیاری اور بعض غیر اختیاری ہوتی ہیں...... ولایت کے لئے ضروری نہیں کہ اظہار کرامت بھی ہو۔ ولی اللہ بغیر کرامت کے بھی ولی اللہ ہوسکتا ہے۔ اصل ولایت تو یہ ہے کہ دین پر استقامت دکھائی جائے، اَلْاِسْتِقَامَةُ فَوْقَ الْكَرَامَةِ. (تکمیل الایمان ۱۸۳)

کیا معجزات وکرامات کا وقوع ظاہری زندگی کے ساتھ ہے یا کہ بعد از وصال بھی ان کا وقوع جائز ہے بعض کہتے ہیں کہ ظاہری زندگی سے متعلق ہیں مگر بعض محققین کے نزدیک

معجزات وکرامات کا سلسلہ ختم نہیں ہوتا بلکہ ظاہری دنیاوی زندگی کے بعد باقی رہتا ہے۔

چنانچہ علامہ ابوسعید خادمی قونوی (متوفی ۱۱۷۶ھ) فرماتے ہیں:

وَ يَجُوزُ التَّوَسُّلُ اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى وَالْاِسْتِغَاثَةُ بِالْاَنْبِيَاءِ وَالصَّالِحِيْنَ بَعْدَ مَوْتِهِمْ لِاَنَّ الْمُعْجِزَةَ وَالْكَرَامَةَ لَا تَنْقَطِعُ بِمَوْتِهِمْ وَ عَنِ الرَّمْلِيِّ اَيْضًا بِعَدَمِ اِنْقِطَاعِ الْكَرَامَةِ بِالْمَوْتِ وَ عَنْ اِمَامِ الْحَرَمَيْنِ وَ لَا يُنْكِرُ الْكَرَامَةَ وَ لَوْ بَعْدَ الْمَوْتِ اِلَّا رَافِضِيٌّ وَ عَنِ الْاَجْهُورِيِّ الْوَلِيُّ فِي الدُّنْيَا كَالسَّيْفِ فِي غِمْدِهٖ فَاِذَا مَاتَ تَجَرَّدَ مِنْهُ فَيَكُوْنُ اَقْوٰى فِي التَّصَرُّفِ كَذَا نُقِلَ عَنْ نُوْرِ الْهِدَايَةِ لِاَبِيْ عَلِيِّ السَّنْجِيِّ. (۱)

اللہ تعالیٰ کی طرف توسل اور انبیاء وصالحین کے وصال کے بعد ان سے استغاثہ جائز ہے کیونکہ ان کے وصال کے بعد معجزہ اور کرامت منقطع نہیں ہوتے۔ امام رملی سے بھی موت کے بعد کرامت کے منقطع نہ ہونے کا قول منقول ہے۔ امام الحرمین سے ہے کہ کرامت کا انکار، اگرچہ موت کے بعد ہو رافضی ہی کرتا ہے۔ امام اجہوری سے منقول ہے کہ ولی دنیا میں ایسے ہوتا ہے جیسے تلوار میان میں ہوتی ہے۔ جب ولی کا وصال ہوتا ہے تو گویا تلوار میان سے باہر نکل کر آزاد ہوگئی۔ پس وہ تصرف کرنے میں زیادہ قوی ہوتا ہے۔ اسی طرح ابوعلی السنجی کی نورالہدایہ سے منقول ہے۔

---

(۱) البريقة شرح الطريقة : ۲۷۰

فَتَظْهَرُ الْكَرَامَةُ عَلٰى طَرِيْقِ نَقْضِ الْعَادَةِ لِلْوَلِيِّ مِنْ قَطْعِ الْمَسَافَةِ الْبَعِيْدَةِ فِي الْمُدَّةِ الْقَلِيْلَةِ وَظُهُوْرِ الطَّعَامِ وَالشَّرَابِ وَاللِّبَاسِ عِنْدَ الْحَاجَةِ وَالْمَشْيِ عَلَى الْمَاءِ وَالطَّيَرَانِ فِي الْهَوَاءِ وَكَلَامِ الْجَمَادِ وَالْعَجْمَاءِ وَانْدِفَاعِ الْمُتَوَجِّهِ مِنَ الْبَلَاءِ وَكِفَايَةِ الْمُهِمِّ عَنِ الْاَعْدَاءِ اَوْغَيْرِ ذٰلِكَ مِنَ الْاَشْيَاءِ

پس ظاہر ہوتی ہے کرامت بطریق خرق عادت ولی کے لئے (جیسے) دور کی مسافت کا تھوڑے سے عرصہ میں طے کرنا اور کھانا پینا اور لباس کی چیزوں کا حاجت وضرورت کے وقت ظاہر ہونا اور پانی پر چلنا اور ہوا میں اڑنا اور بے جان چیزوں اور جانوروں کا باتیں کرنا اور پھر دنیا سامنے آنے والی بلاؤں کا اور مصیبتوں کو پھیر (ٹال) دینا اور دشمنوں سے اپنے مقاصد پورے کرنا اور ان کے علاوہ دوسری چیزیں۔

کرامات کی تفصیل

شرح: (۱) ایک نسخہ میں الکرامۃ کی جگہ الکرامات اور تظہر کی بجائے یظھر ہے۔

یہاں خوارق عادات میں چند مثالیں پیش کی جارہی ہیں۔

(۱) طویل مسافت کو مدت قلیلہ میں طے کرنا جیسے حضرت آصف بن برخیا نے تخت بلقیس کو پلک مارنے سے پہلے لاکر پیش کردیا تھا جس کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے:

﴿......اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ ط......﴾ [النمل ۲۷: ۴۰]

میں اسے آپ کے پاس اس سے پہلے لے آتا ہوں کہ آپ کی پلک جھپکے۔

(۲) غیب سے حاجت کے وقت ان چیزوں کا مل جانا جیسے حضرت مریم رضی اللہ عنہا کے پاس رزق آتا تھا جیسا کہ فرمان باری میں ہے:

﴿......كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ لا وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ج......﴾ (۱)

جب بھی زکریا اس (کی عبادت) کے حجرے میں اس کے پاس آتے تو اس کے قریب (تازہ) رزق (موجود) پاتے۔

(۳) چنانچہ تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ حضرت محمد ﷺ نے علاء بن حضرمی کو ایک لڑائی پر بھیجا راستہ میں ایک جگہ گہری نیند آئی انہوں نے اللہ بزرگ برتر کے نام سے دعا کی اور پانی پر چلنے لگے۔ (۲)

(۴) البریقہ شرح الطریقہ میں لکھا ہے کہ ابو عمران واسطی کو ایک بڑی مشکل کے وقت ہوا میں اڑتے ہوئے ایک بزرگ نے ایک انجیر کے ذریعہ سے پانی کا برتن دیا جو برف سے زیادہ ٹھنڈا اور شہد سے زیادہ میٹھا تھا اس سے دریافت کیا گیا کہ یہ مرتبہ تمہیں کیسے ملا تو اس نے کہا کہ اللہ کی رضا کے لئے خواہشات کو ترک کرنے سے۔

(۵) جیسے حضرت سلمان فارسی ؓ اور حضرت ابو درداء ؓ کے سامنے پیالے نے تسبیح پڑھی اور ان دونوں نے سن لی اور بے زبان کا کلام کرنا۔ جیسے اصحاب کہف کے کتے نے ان سے گفتگو کی۔ (شرح العقائد النسفية : ۱۴۷)

(۶) جیسے حضرت عمر ؓ کا مدینہ شریف میں منبر پر بیٹھ کر اپنے لشکر کو شہر نہاوند میں دیکھ کر امیر لشکر کو کہنا یَا سَارِيَةُ الْجَبَلَ الْجَبَلَ اور حضرت ساریہ ؓ کا اس آواز کو سن لینا باوجود دور کی مسافت کے۔

(۷) حضرت خالد بن ولید ؓ کا زہر کھانا اور ضرر نہ ہونا اور دریائے نیل کا حضرت عمر فاروق اعظم ؓ کے خط سے جاری ہونا اور اس طرح کی اور مثالیں بہت سی ہیں۔

(۱) [آل عمران ۳: ۳۷]

(۲) مصباح العقائد : ۹۹ بحوالہ تفسیر کبیر

وَيَكُوْنُ ذٰلِكَ مُعْجِزَةً لِلرَّسُوْلِ الَّذِى ظَهَرَتْ هٰذِهِ الْكَرَامَةُ لِوَاحِدٍ مِّنْ اُمَّتِهٖ لِاَنَّهٗ يَظْهَرُ بِهَا اَنَّهٗ وَلِيٌّ وَ لَنْ يَّكُوْنَ وَلِيًّا اِلَّا وَ اَنْ يَّكُوْنَ مُحِقًّا فِىْ دِيَانَتِهٖ، وَدِيَانَتُهُ الْاِقْرَارُ بِرِسَالَةِ رَسُوْلِهٖ.

اور خوارق عادات کا ظہور اس رسول علیہ السلام (۱) کا معجزہ ہوگا جس کی امت کے ایک فرد کے لئے یہ کرامت ظاہر ہوئی ہے اس لئے کہ اس کرامت سے یہ معلوم ہوگا کہ وہ ولی ہے۔ اور کوئی شخص ہرگز ولی (۲) نہیں ہوسکتا مگر یہ کہ وہ اپنی دیانت میں حق پر ہو اور اس کی دیانتداری زبان سے اپنے رسول علیہ السلام کی رسالت کا اقرار کرنا ہے۔ (اس کے اوامر ونواہی میں اس کی اطاعت کرتے ہوئے)

کرامت ولی معجزہ رسول ہے۔

شرح: (۱) یعنی کرامت جو خلاف عادت ہے اور ولی سے ظاہر ہوتی ہے یہی کرامت ﷺ کا معجزہ ہے کیونکہ یہ شخص جو کہ ولی، بوجہ کمال اطاعت ربی اور ایمان بالرسول وغیرہ سے ہوا ہے نبی کا معجزہ ہے کیونکہ نبی کے امتی سے واقع ہو تو بالاضافة الی النبی معجزہ ہے اور بنسبة الی الولی کرامت ہے۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

دراصل ولی کی کرامت اس نبی کے معجزات کا عکس ہوتا ہے جس کی امت میں وہ ولی ہوتا ہے جیسا کہ نبی علیہ السلام کے کئی قسم کے معجزات ہیں۔ بعض معجزات تو بعثت سے ہی پہلے ظاہر ہوئے تھے ایسے معجزات کو ارہاصات کہتے ہیں۔ بعض معجزات اعلان رسالت کے بعد تا دم حیات ظاہر ہوئے رہے۔ مگر بعض معجزات ایسے بھی ہیں جو بعد از رحلت وقوع پذیر ہوئے۔ یہ

معجزات آپ کے تابعین یا اولیاء اللہ سے ظاہر ہوتے رہے۔ درحقیقت ان تمام کرامات کو بھی حضور علیہ السلام کے معجزات کے سلسلہ کی ایک کڑی کہا جائے گا۔ یہ معجزات نبی علیہ السلام کے صدق اور صحت دین بن گئے ہیں۔ (۱)

(۲) یعنی ولی وہی ہوتا ہے جو اپنے دین میں ثابت اور پختہ ہو اور اس کی دین پر ثابت قدمی اور دین داری یہ ہے کہ وہ اپنے رسول کی رسالت کا زبان سے اقرار کرے اور دل سے تصدیق کرے۔ عقائد نسفی کے ایک نسخہ میں اقرار کے بعد تصدیق بھی ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ ولی وہ ہے جو رسول ﷺ کی رسالت دل سے مانے اور زبان سے اقرار کرے اور پھر رسول ﷺ کی کامل اتباع کرے جب ایسے مرد حق پرست سے خلاف عادت کوئی واقعہ وقوع پذیر ہو تو وہ کرامت ہے اور یہ کرامت رسول ﷺ کا معجزہ ہے کیونکہ یہ ولی اس رسول ﷺ کا امتی ہے۔

علم کلام میں خلافت وامامت کی بحث لانے کی حکمت بیان کرتے ہوئے حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

خلافت وامامت کی بحث اہل سنت وجماعت کے نزدیک اگرچہ دین کے اصول میں سے نہیں ہے اور نہ ہی اعتقاد کے ساتھ کچھ تعلق رکھتی ہے لیکن چونکہ شیعہ نے اس بارہ میں بڑی زیادتی اور افراط وتفریط کی ہے اس لئے علماء حق نے اس بحث کو علم کلام کے متعلق کیا ہے اور حقیقت حال کو بیان فرمایا ہے۔ (۲)

---

(۱) تکمیل الایمان: ۱۸۳-۱۸۲

(۲) مکتوبات دفتر ۲ مکتوب ٦٧

وَ اَفْضَلُ الْبَشَرِ بَعْدَ نَبِيِّنَا ﷺ اَبُوْ بَكْرِ نِ الصِّدِّيْقُ رضی اللہ عنہ

اور تمام انسانوں سے بہتر ہمارے نبی ﷺ کے بعد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ

شرح: یعنی ہمارے نبی ﷺ کے بعد سب انسانوں سے افضل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں اور حضرت ابوبکر کو صدیق اس لئے کہا جاتا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی نبوت کو بلا کسی چوں و چرا کے تسلیم کر لیا اور معراج کو بھی بلا ریب و شک مان لیا۔ صدیق قول و فعل میں سچے سچ ماننے والے کو کہتے ہیں۔

لَقَّبَهُ النَّبِيُّ ﷺ بِذَالِكَ وَ اِسْمُهُ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ اَبِىْ قُحَافَةَ. (۱)

کہ نبی ﷺ نے ابوبکر کو صدیق کا لقب عطا فرمایا اور ان کا نام عبداللہ بن ابی قحافہ تھا۔

اور ابوبکر کنیت سے بمعنی اولیت۔ مردوں میں سے سب سے پہلے اسلام لائے مدت خلافت ۲ برس ۳ ماہ ۲۰ دن ہے۔ ۲۲ جمادی الثانی ۱۳ھ کو وصال ہوا آپ کی عمر شریف ۶۳ برس تھی اور پہلوئے رسول ﷺ میں دفن کئے گئے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے فضائل آسمان کے ستاروں اور ریت کے ذروں سے زیادہ ہیں کیونکہ وہ رسول اللہ ﷺ کے بعد تمام انسانوں سے افضل ہیں یعنی نبیوں اور رسولوں کے بعد آپ ہی عظمت والے ہیں۔

ارشاد خداوندی ہے:

﴿وَ سَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ۝ الَّذِىْ يُؤْتِىْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى ۝ وَ مَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓى ۝ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى ۝ وَلَسَوْفَ يَرْضٰى ۝﴾ (۲)

(۱) شرح العقائد النسفية :۱۴۹ حاشية ۷ — (۲) [اللیل ۹۲: ۱۷ تا ۲۱]

اور اس سے (بہت) دور رکھا جائے گا سب سے بڑا پرہیزگار۔ جو اپنا مال (اللہ کی راہ میں) دیتا ہے کہ (اعلیٰ درجے کی) پاکیزگی حاصل کرے۔ اور اس پر کسی کا کچھ احسان نہیں جس کا بدلہ دیا جائے۔ (وہ اپنا مال دیتا ہے) صرف اپنے رب کی رضا طلب کرنے کے لئے جو سب سے بلند ہے۔ اور ضرور وہ عنقریب راضی ہوگا۔

ابن جوزی کہتے ہیں یہ آیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور اس میں تصریح موجود ہے کہ آپ ساری امت سے متقی ہیں اور اتقی، اللہ تعالیٰ کے نزدیک اکرم ہوتا ہے جیسے کہ وہ فرماتا ہے:

﴿......اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ط......﴾ (۱)

بیشک اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ بزرگی والا وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہو۔

پس نتیجہ یہ نکلا کہ آپ بقیہ امت سے افضل ہیں۔

﴿اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِىَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِى الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ج......﴾ (۲)

اگر تم نے رسول کی مدد نہ کی تو اللہ نے ان کی مدد فرمائی جب کافروں نے رسول اللہ کو بے وطن کیا اس حال میں کہ وہ دو میں سے دوسرے تھے جب وہ دونوں غار میں تھے جب وہ اپنے ساتھی سے فرما رہے تھے غمگین نہ ہو بیشک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

﴿هُوَ الَّذِىْ يُصَلِّىْ عَلَيْكُمْ وَ مَلٰٓئِكَتُهٗ لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ط......﴾

وہی ہے جو تم پر درود بھیجتا ہے اور اس کے فرشتے تا کہ تمہیں نکالے تاریکیوں سے نور کی طرف۔

(۱) [الحجرات ۴۹: ۱۳] — (۲) [التوبہ ۹: ۴۰] — (۳) [الاحزاب ۳۳: ۴۳]

عبد بن حمید نے مجاہد سے بیان کیا ہے کہ جب آیت

﴿اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾ (۱)

بیشک اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں اس نبی پر اے ایمان والو تم ان پر درود بھیجو اور خوب سلام بھیجا کرو۔

نازل ہوئی تو حضرت ابوبکر ؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے جو بھلائی بھی آپ پر نازل کی ہے ہم اس میں شریک رہے ہیں تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

﴿هُوَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَمَلٰٓئِكَتُهٗ لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ......﴾ (۲)

وہی ہے جو تم پر درود بھیجتا ہے اور اس کے فرشتے تاکہ تمہیں نکالے تاریکیوں سے نور کی طرف۔

حضرت ابوسعید خدری ؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا انسانوں میں سب سے زیادہ جس شخص نے میرا ساتھ دیا اور میری خدمت اور میری خوشنودی میں اپنا وقت اور اپنا مال سب سے زیادہ لگایا وہ ابوبکر ہیں۔ اگر میں کسی شخص کو اپنا خلیل یعنی سچا جانی دوست بناتا یقیناً ابوبکر کو ایسا دوست بناتا تاہم اسلامی اخوت ومحبت اپنی جگہ (بلند وبرتر) ہے مسجد نبوی میں ابوبکر کے گھر کی کھڑکی یا روشندان کے علاوہ اور کوئی کھڑکی یا روشندان باقی نہ رکھا جائے ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: آپ ﷺ نے فرمایا: اگر میں اللہ کے سوا کسی اور کو خلیل بناتا تو یقیناً ابوبکر ہی کو خلیل بناتا۔

حضرت ابوہریرہ ؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایسا کوئی شخص نہیں ہے

(۱) [الاحزاب ۳۳:۵۶] (۲) [الاحزاب ۳۳:۴۳]

جس نے ہمیں کچھ دیا ہو یا ہماری امداد کی ہو اور ہم نے اس کا (جوں توں) اس سے بھی زیادہ بدلہ اس کو نہ دے دیا ہو علاوہ ابوبکر کے۔ یہ حقیقت ہے کہ ابوبکر ؓ نے ہمارے ساتھ عطاو امداد کا جو سلوک کیا ہے اس کا بدلہ (یعنی کامل بدلہ) قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ہی ان کو عطا کرے گا اگر میں کسی کو اپنا خلیل یعنی جانی دوست بناتا تو یقیناً ابوبکر کو اپنا خلیل بناتا۔ یاد رکھو تمہارے صاحب (یعنی رسول اللہ ﷺ) اللہ کے خلیل ہیں (کہ وہ اللہ کے علاوہ کسی کو حقیقی دوست نہیں رکھتے)۔

ثُمَّ عُمَرُ الفَارُوْقُ ؓ

پھر (ان کے بعد) عمر (۱) فاروق ؓ ہیں۔

حضرت عمر ؓ

شرح:۱ حضرت عمر ؓ کو فاروق اس لئے کہا جاتا ہے کہ انہوں نے حق و باطل میں امتیاز کر دیا لوگوں کے مقدمات اور خصوصیات کے فیصلے عادلانہ فرمائے اور کفر و اسلام میں فرق کیا جب کہ مکہ شریف میں اسلام کو ظاہر کیا۔ آپ کا نام عمر، لقب فاروق، کنیت ابو حفص اور والد کا نام خطاب ہے۔ مدت خلافت ۱۰ برس ۶ ماہ ۴ دن ہے۔ عمر ۶۳ برس تھی بروز بدھ ۲۵ ذوالحجہ ۲۳ھ میں جام شہادت نوش فرمایا۔ پہلوئے رسول ﷺ اور ابوبکر صدیق کے قریب دفن کئے گئے حضرت عمر فاروق ؓ کی شان میں قرآن کریم کی کچھ آیات نازل ہوئی ہیں بلکہ قریباً بیس آیات تو ایسی ہیں جو آپ کی رائے اور آپ کی تمنا کے موافق اتری ہیں ان میں سے چند آیتیں ایسی ہیں کہ ان آیتوں کی ''موفقات عمر'' کہا جاتا ہے۔

ارشاد باری ہے:

﴿وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ط......﴾ (۱)

اور (حکم دیا گیا کہ) مقام ابراہیم کو نماز پڑھنے کی جگہ بنالو۔

سورہ احزاب میں ارشاد خداوندی ہے:

﴿......وَ اِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ط......﴾ (۲)

اور جب تم نبی کی بیویوں سے کوئی سامان مانگو تو پردے کے پیچھے سے مانگو۔

اور سورہ تحریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

(۱) [البقرہ۲:۱۲۵] (۲) [الاحزاب۳۳:۵۳]

﴿عَسٰى رَبُّهٗۤ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗۤ اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ تٰٓئِبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰٓئِحٰتٍ ثَيِّبٰتٍ وَّ اَبْكَارًا ۞﴾ [التحریم۶۶:۵]

اگر وہ تمہیں طلاق دے دیں تو بعید نہیں کہ ان کا رب بدل دے ان کے لئے تم سے بہتر بیویاں فرمانبردار، ایماندار، باادب، توبہ شعار، عبادت گزار، روزہ دار، شوہر دیدہ اور (بعض) کنواری۔

حضرت ابن مسعود اور حضرت انس بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اَللّٰهُمَّ اَعِزَّ الْاِسْلَامَ بِاَحَبِّ هٰذَيْنِ الرَّجُلَيْنِ اِلَيْكَ بِاَبِىْ جَهْلٍ اَوْ بِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ۔ (الترمذی، المناقب باب مناقب ابی حفص عمر بن الخطاب ح: ۳۶۸۱)

اے اللہ! ابوجہل یا عمر بن خطاب دونوں میں جو شخص تجھے زیادہ محبوب ہے اس کے ذریعہ اسلام کو عزت دے۔

حضرت ابوبکر ؓ اور حضرت ثوبان ؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

اَللّٰهُمَّ اَعِزَّ الدِّيْنَ بِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ خَاصَّةً ۔

اے اللہ! عمر بن خطاب کے ذریعے خاص طور پر دین کو عزت دے۔

اور دوسری روایت میں آتا ہے کہ دعائے مصطفیٰ ﷺ کا یہ اثر ظاہر ہوا کہ دوسرے ہی دن جب صبح ہوئی تو عمر بن خطاب نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہو گئے اور پھر آنحضرت ؓ نے مسجد حرام میں علانیہ نماز پڑھی۔

حضرت عقبہ ابن عامر ؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم نے ارشاد فرمایا:

لَوْ كَانَ بَعْدِىْ نَبِىٌّ لَكَانَ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ. (الترمذی، المناقب ح: ۳۶۸۶)

کہ اگر میرے بعد کوئی اور نبی ہوتا تو وہ عمر ہوتے۔

ثُمَّ عُثْمَانُ ذُوْ النُّوْرَيْنِ رضی اللہ عنہ

پھر (ان کے بعد) عثمان (۱) دونور والے ہیں۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ

شرح: (۱) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ذوالنورین اس لئے کہا جاتا ہے کہ نبی ﷺ نے آپ کو اپنی لخت جگر حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا نکاح میں دی تھی جب آپ کی وفات ہوگئی تو آپ ﷺ نے دوسری صاحبزادی حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا نکاح میں دیدی۔

جب ان کا وصال ہوگیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لَوْ كَانَتْ عِنْدِیْ ثَالِثَةٌ لَزَوَّجْتُكَهَا. (۱)

اگر میرے پاس تیسری بیٹی ہوتی تو اے عثمان! وہ بھی تیرے نکاح میں دے دیتا۔

اسی وجہ سے آپ کو دونوروں والا کہا جاتا ہے آپ کی مدت خلافت ۱۱ سال ۱۱ ماہ ۱۸ دن ہے جمعہ کے دن اپنے گھر میں عید قربان کی صبح کو ۳۵ھ میں شہید ہوئے اور جنت البقیع میں دفن کئے گئے۔ (۲)

آپ کے فضائل میں قرآن کریم کی چند آیتیں بھی نازل ہوئیں جن میں سے کچھ مندرجہ ذیل ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَا اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ اَذًى لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾ [البقرہ۲:۲۶۲]

جو لوگ اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں پھر دینے کے بعد نہ احسان جتائیں

(۱) الطبرانی فی الکبیر ۱۸۴:۱۷ رقم: ۴۹۰ و راجع "مجمع الزوائد" ۹ : ۸۳

(۲) شرح العقائد النسفیة : ۱۵۰

جتائیں اور نہ تکلیف دیں ان کے لئے ان کا ثواب ان کے رب کے پاس ہے اور نہ ان پر کچھ خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

سورہ احزاب میں فرمان الٰہی ہے:

﴿مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ج فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ز وَ مَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ﴾ [الاحزاب۳۳:۲۳]

ایمان والوں میں سے کچھ ایسے (قوی) مرد ہیں جنہوں نے سچا کر دیا اس عہد کو جو اللہ سے کیا تھا تو ان میں کوئی (جہاد میں شہید ہو کر) اپنی نذر پوری کر چکا اور ان میں سے کوئی انتظار کر رہا ہے اور انہوں نے (اپنے وعدہ میں کچھ بھی) ردو بدل نہیں کیا۔

ثُمَّ عَلِيٌّ ؓ

پھر (ان کے بعد) علی المرتضیٰ ؓ ہیں۔

حضرت علی ؓ

شرح: حضرت علی ؓ کو مرتضیٰ کہا گیا ہے کیونکہ مرتضیٰ کے معنی چنے ہوئے اور برگزیدہ بندے کے آتے ہیں۔ آپ کا نام علی، کنیت ابوالحسن، لقب کرار، حیدر اور ابوتراب ہے۔ شب جمعۃ المبارک ۲۱ رمضان المبارک ۴۰ھ میں ۶۳ سال کی عمر میں شہید ہوئے اور مدت خلافت ۴ سال ۱۰ ماہ ہے۔ (ؓ اللہ ان سب پر راضی ہے) حضرت علی المرتضیٰ ؓ کی شان میں متعدد آیات قرآنیہ اور بکثرت احادیث نبویہ میں بیان ہوئی ہیں۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد ہے:

﴿يُوفُونَ بِالنَّذْرِ وَ يَخَافُونَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهُ مُسْتَطِيرًا ۞ وَ يُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِينًا وَّ يَتِيمًا وَّ اَسِيرًا ۞ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّ لَا شُكُورًا ۞ اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوسًا قَمْطَرِيرًا ۞ فَوَقٰهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ الْيَوْمِ وَ لَقّٰهُمْ نَضْرَةً وَّ سُرُورًا ۞﴾ [دھر ۷۶: ۱۱-۱۰-۹-۸-۷]

جو (اپنی) نذر پوری کرتے ہیں اور اس دن سے ڈرتے ہیں جس کی مصیبت ہر طرف پھیلی ہوگی۔ اور اللہ کی محبت میں وہ مسکین اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں۔ (اور ان سے کہہ دیتے ہیں کہ) ہم تمہیں صرف اللہ کے لئے کھلاتے ہیں۔ ہم نہ کوئی بدلہ تم سے چاہتے ہیں نہ شکریہ۔ بیشک ہم اپنے رب سے اس دن کا خوف رکھتے ہیں جو نہایت ترش بے حد سخت ہے۔ تو اس دن کی مصیبت اللہ انہیں بچالے گا اور انہیں تازگی اور فرحت بخشے گا۔

سورہ مجادلہ آیت ۱۲ میں ارشاد ہے: [المجادلہ ۵۸: ۱۲]

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ط ذٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَ اَطْهَرُ ط فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۞﴾

اے ایمان والو جب تم رسول سے تنہائی میں کچھ عرض کرنا چاہو تو اپنی بات عرض کرنے سے پہلے کچھ صدقہ دے دیا کرو یہ تمہارے لئے نہایت اچھا اور بہت پاکیزہ ہے تو اگر تم (کچھ) نہ پاؤ تو بیشک اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے۔

سیدنا سعد بن وقاص ؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے سیدنا علی ؓ کے لئے فرمایا تھا:

اَنْتَ مِنِّيْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُّوْسٰى اِلَّا اَنَّهٗ لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ. (۱)

کہ دنیا و آخرت میں قرابت و مرتبہ میں اور دینی مددگار ہونے کے اعتبار سے تم میرے لئے ایسے ہی ہو جیسے موسیٰ ؑ کے لئے ہارون ؑ تھے بس فرق یہ ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔

حضرت براء بن عازب ؓ اور زید بن ارقم ؓ خطبہ غدیر کا ذکر کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی ؓ کی شان میں فرمایا:

مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ اَللّٰهُمَّ وَالِ مَنْ وَالَاهُ اَللّٰهُمَّ عَادِ مَنْ عَادَاهُ. (۲)

اے اللہ! جس شخص کا میں دوست ہوں علی اس کا دوست ہے۔ اے اللہ! تو اس شخص کو دوست رکھ جو علی کو دوست رکھے اور تو اس شخص کو اپنا دشمن قرار دے جو علی سے دشمنی رکھے۔

اس واقعہ کے بعد حضرت عمر ؓ جب حضرت علی ؓ سے ملے تو ان سے بولے اے ابن ابی طالب! مبارک ہو تم کو صبح کے وقت بھی اور شام کے وقت بھی (یعنی ہر آن ہر لحظہ) مسلمان مرد و عورت کے دوست اور محبوب ہو۔ (۳)

---

(۱) متفق علیہ (۲) ابن ماجہ، کتاب السنۃ: ۱۱۶ (۳) مسند احمد

وَخِلَافَتُهُمْ ثَابِتَةٌ عَلٰى هٰذَا التَّرْتِيْبِ. وَالْخِلَافَةُ ثَلٰثُوْنَ سَنَةً ثُمَّ بَعْدَهَا مُلْكٌ وَّاِمَارَةٌ.

اوران کی خلافت بھی اسی ترتیب پر ہوئی (۱) ہے اور خلافت تیس برس رہی ہے پھر اس کے بعد بادشاہت اور سلطنت ہوگی (۲)۔

ترتیب اور مدت خلافت

شرح: (۱) یعنی رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد باتفاق صحابہ کرام ان خلفاء اربعہ کی خلافت اسی مذکورہ ترتیب کے مطابق تھی۔

چنانچہ علامہ سعد الدین تفتازانی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

يَعْنِيْ اَنَّ الْخِلَافَةَ بَعْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ لِاَبِيْ بَكْرٍ ثُمَّ لِعُمَرَ ثُمَّ لِعُثْمَانَ ثُمَّ لِعَلِيٍّ ؓ. (۱)

یعنی خلافت رسول ﷺ کے بعد حضرت ابوبکر، پھر حضرت عمر، پھر حضرت عثمان اور پھر حضرت علی ؓ کے لئے تھی اور جو ترتیب فضیلت میں ہے اسی کے مطابق خلافتیں کی ہیں۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں:

اَفْضَلُهُمْ عَلٰى تَرْتِيْبِ الْخِلَافَةِ وَالْمُرَادُ بِالْاَفْضَلِيَّةِ اَكْثَرُ الثَّوَابِ. (۲)

چاروں صحابہ کرام کی افضلیت ان کی خلافت کی ترتیب سے دیکھی جاسکتی ہے اور اس فضیلت سے ثواب کی زیادتی بھی پائی جاتی ہے۔

(مُلْكٌ) بِالضَّمِّ وَالسُّكُوْنِ بادشاہی (وَاِمَارَةٌ) بِالْكَسْرِ امیر شدن وَالْفَرْقُ اَنَّ الْخِلَافَةَ نِيَابَةُ الرَّسُوْلِ ﷺ وَالْمُلْكُ وَالْاِمَارَةُ هُوَ السَّلْطَنَةُ اَعَمُّ

(۱) شرح العقائد النسفیة: ۱۵۰   (۲) تکمیل الایمان: ۱۵۳

مِنْ اَنْ يَكُوْنَ نِيَابَةً عَنِ النَّبِيِّ ﷺ اَمْ لَا. (النبراس ۵۰۴)

لفظ مُلْكٌ میم کی پیش اور لام کے سکون کے ساتھ ہے جس کا لفظی معنی بادشاہی ہے اور اِمارۃ زیر کے ساتھ بمعنی امیر ہونا ہے اور فرق یہ کہ خلافت، رسول ﷺ کی نیابت کو کہتے ہیں اور بادشاہی اور امیر ہونا وہ سلطنت عام ہے نبی ﷺ سے نیابت کے طور پر ہو یا نیابت کے طور پر نہ ہو۔

(۲) چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اَلْخِلَافَةُ بَعْدِيْ ثَلٰثُوْنَ سَنَةً ثُمَّ تَكُوْنُ مُلْكًا عَضُوْضًا.

کہ خلافت میرے بعد تیس بر ہوگی پھر اس کے بعد چک مارنے والی سلطنت رہے گی۔

یعنی ظالم بادشاہ ہوں گے جن کے ڈنگ سے شاید کوئی بچے گا

حضرت سفینہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ خلافت کا زمانہ تیس برس ہوگا اس کے بعد خلافت بادشاہت میں بدل جائے گی۔

حضرت سفینہ ؓ نے فرمایا کہ حساب کر کے دیکھو کہ تیس برس کی مدت کیسے ہوئی ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق ؓ کی خلافت کا زمانہ دو سال، حضرت عمر فاروق ؓ کی خلافت کا زمانہ دس سال، حضرت عثمان غنی ؓ کی خلافت کا زمانہ بارہ سال اور حضرت علی ؓ کی خلافت کا زمانہ چھ سال۔

حدیث کے راوی حضرت سفینہ ؓ نے تیس برس کا جو حساب بیان کیا ہے وہ تخمیناً

(۲) اخرجه ابوداؤد فی "السنن" (۴۶۴۶، ۴۶۴۷)، والترمذی فی "الجامع" (۲۲۲۷) احمد فی "المسند" (۵: ۲۲۰، ۲۲۱) الحاکم فی "المستدرک" (۳: ۱۴۵)

(۲) مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الفتن، الفصل الثانی: ۴۶۳

(اندازاً) ہے اور اس پر مبنی ہے کہ انہوں نے کسور کو بیان نہیں کیا کیونکہ دیگر صحیح روایتوں اور مستند تاریخوں میں تیس سالہ مدت خلافت کو اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ کی خلافت کا زمانہ دوسال چار ماہ، حضرت عمر فاروق ؓ کی خلافت کا زمانہ دس برس چھ ماہ حضرت عثمان غنی ؓ کی مدت خلافت چند روز کم بارہ سال تھی اور حضرت علی المرتضیٰ ؓ کی مدت خلافت کا زمانہ چار سال نو ماہ رہا ہے اس طرح چاروں خلفاء کی مجموعہ مدت خلافت انتیس سال سات ماہ ہوتی ہے اور پانچ ماہ باقی رہے وہ حضرت امام حسن ؓ کی خلافت کا زمانہ ہے پس حضرت امام حسن ؓ بھی خلفائے راشدہ میں سے ہوئے۔ (مظاہر حق)

خلافت نبوی کی اسی قدر مدت مقرر تھی جس میں دو باتوں کا ہونا ضروری تھا۔

(۱) ملک میں قدرت حاصل ہونا۔ (۲) ارکان اسلام کا قائم رکھنا

خلافت نبوی کے معنی سوائے ان دو امروں کے نہیں ہیں شرعی خلافت اسی کو کہتے ہیں جب خلافت نبوی کا زمانہ گزر گیا اور حکومت اور سلطنت اور امارت کا دور شروع ہوا تو حضرت امام حسن ؓ نے حضرت معاویہ ؓ سے صلح کر لی اس لئے انہیں اہل سنت و جماعت نے اسلام کا پہلا سلطان مانا ہے۔ (مصباح العقائد)

حضرت ابوبکر ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو منبر پر خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے دیکھا کہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما آپ ﷺ کے دائیں یا بائیں پہلو میں بیٹھے تھے کبھی آپ لوگوں کی طرف دیکھتے اور کبھی حسن ابن علی ؓ کی طرف دیکھنے لگتے اور فرماتے:

إِنَّ ابْنِي هٰذَا سَيِّدٌ وَ لَعَلَّ اللّٰهَ اَنْ يُّصْلِحَ بِهٖ بَيْنَ فِئَتَيْنِ عَظِيْمَتَيْنِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ. (۱)

(۱) البخاری، کتاب الصلح، باب قول النبی للحسن بن علی رضی اللہ عنہما ح: ۲۷۰۴
مشکوۃ المصابیح، کتاب مناقب اهل بیت النبی، الفصل الاول: ۵۶۹

یہ میرا بیٹا سید (سردار) ہے شاید کہ اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ سے مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں کے درمیان صلح کرائے گا۔

اس حدیث میں دو بڑی جماعتوں سے مراد ایک حضرت حسن ؓ کی جماعت ہے جس کی تعداد چالیس ہزار بیان کی جاتی ہے اور دوسری حضرت امیر معاویہ ؓ کی جماعت ہے اور ان دونوں کو مسلمان فرمایا حضرت حسن ؓ نے امت مسلمہ میں اتفاق پیدا کرنے کی خاطر اکتالیس ہجری کو اپنی خلافت حضرت امیر معاویہ ؓ کے حوالے کر دی تو اسی صلح کے متعلق حضور ﷺ نے پہلے ہی ارشاد فرمایا کہ میرے اس بیٹے کے ذریعہ اللہ دونوں جماعتوں میں صلح کرادے گا۔

نیز حضرت حسن ؓ کا حضرت امیر معاویہ ؓ کا یہ صلح کرنا اور خلافت ان کے حوالہ کر دینا حضرت امیر معاویہ ؓ کی امارت برحق ہونے کی دلیل ہے جن سے حضرت حسن ؓ راضی رہے ہمیں بھی ان سے خوش ہونا چاہیے اگر حضرت امیر معاویہ حضرت حسن ؓ کی نگاہ میں حق پر نہ ہوتے تو حضرت حسن ؓ بھی خلافت ان کے سپرد نہ کرتے حضرت حسین ؓ کی طرح مقابلہ کرتے مگر ایسا نہیں ہوا جس سے معلوم ہوتا ہے یہ جو کچھ ہوا حق تھا۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَ صَلَحَ الْحَسَنُ مَعَ مُعَاوِيَةَ وَ اِسْتِقْرَارُهٗ وَ دَوَامُهٗ عَلٰى ذٰلِكَ عَلٰى صِحَّةِ اِمَارَتِهٖ . (حاشیہ مشکوۃ بحوالہ لمعات)

نیز اس حدیث میں حضرت ؓ کی بڑی شان بیان کی گئی ہے کہ حضور ﷺ نے دوران خطبہ شریف ان کو اپنا بیٹا فرمایا۔ لفظ سید کا اطلاق کئی معنوں پر ہوتا ہے مثلاً مربی، مالک شریف، فاضل، کریم، حلیم، قوم کی ایذا پر تحمل اور صبر کرنے والا رئیس سردار، پیشوا، (مظاہر حق ۵:۶۹ ۷)

علامہ بدرالدین عینی فرماتے ہیں:

کہ حضور ﷺ کا یہ خبر دینا اور پھر فرمان کے مطابق واقعہ کا ہو جانا یہ حضور ﷺ کا ایک عظیم الشان معجزہ ہے۔ نیز فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں حضرت حسن ؓ کی بڑی فضیلت ہے کہ انہوں نے زہد وتقوی کی بنا پر ملک، دنیا اور اس کی رونق کو ٹھکرا دیا۔ یہ فیصلہ کرنا اور خلافت کو ترک کرنا کسی علت، ذلت اور قلت کی بنا پر نہیں تھا حالانکہ چالیس ہزار افراد نے موت پر بیعت کی تھی کہ ان کی اقتداء میں جان دیں گے اور حضرت حسن ؓ نے یہ صلح اپنی اور امت کی بہتری اور رعایت کے لئے کی تھی۔ حضرت حسن ؓ کے لئے یہی شرف وبزرگی کافی ہے تو اور کوئی ان سے بڑا سردار نہیں ہے جس کا نام رسول اللہ ﷺ نے سید رکھا ہو۔ نیز فرماتے ہیں کہ قوم کا سردار وہ ہوتا ہے جس سے لوگ نفع اٹھائیں کیونکہ نبی کریم ﷺ نے سیادت کو لوگوں میں اصلاح کے ساتھ معلق کیا ہے۔ (عمدہ القاری ۱۳: ۲۸۴)

حضرت حسن ؓ نصف رمضان المبارک ۳ھ کو پیدا ہوئے اور ۴۶ سال کی عمر میں ربیع الاول ۵۹ھ کو شہادت پائی اور حضرت حسن ؓ کی عمر مبارک نبی کریم ﷺ کی وفات کے وقت تقریباً سات یا آٹھ سال کی تھی حضرت حسین ؓ ۵ شعبان ۴ھ کو مدینہ شریف میں پیدا ہوئے اور بروز جمعۃ المبارک عشرہ محرم ۶۰ھ کو میدان کربلا میں جام شہادت نوش فرمایا اور حضرت حسین ؓ کی عمر شریف نبی کریم ﷺ کے وصال پاک کے وقت ۶ سال یعنی ۶ سال ۷ ماہ ۷ دن تھی۔

بعض لوگ انتہائی شدت وسختی سے حضرت امیر معاویہ ؓ کی مخالفت کرتے ہیں اور دلوں میں بغض ودشمنی اور کینہ رکھتے ہیں یہ بہت بڑی غلطی ہے کیونکہ حضرت امیر معاویہ ؓ صحابی رسول، کاتب وحی اور کاتب خطوط ہیں۔ حضور کے قریبی رشتہ دار اور حضرت اُمّ

المومنین حضرت اُمّ حبیبہ رملہ بنت ابوسفیان بن امیہ کے بھائی ہیں۔ اس اعتبار سے حضرت امیر معاویہ ؓ تمام مسلمانوں کے ماموں ہیں۔ حضرت امیر معاویہ ؓ حضرت عمر ؓ کے زمانہ خلافت سے وفات تک حاکم رہے ہیں یعنی بیس سال تک تو خلفاء کے زمانہ میں حاکم رہے پھر ۴۱ھ میں خلافت حضرت حسن بن علی ؓ نے خلافت امیر معاویہ ؓ کے سپرد کردی تھی تو اس طرح مکمل طور پر حکومت حاصل ہوگئی۔ اور مسلسل بیس سال تک زمام حکومت ان کے ہاتھ رہی اور آخر کار بمقام دمشق رجب ۶۰ھ کو ۷۵ سال کی عمر میں انتقال فرمایا۔ (۱)

نبی کریم ﷺ نے حضرت امیر معاویہ ؓ کے لئے دعا فرمائی:

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ هَادِيًا مَهْدِيًّا وَ اهْدِ بِهٖ . (۲)

اے اللہ ان کو ہدایت دینے والا اور ہدایت یافتہ بنا اور کے ذریعہ سے دوسرے لوگوں کو ہدایت دے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ رسول ﷺ کی دعا مستجاب ہے پس جس شخص کے حق میں آپ ﷺ نے یہ دعا مستجاب فرمائی ہو اس کے بارے میں کسی طرح کا شک وشبہ ظاہر کرنا اور کوئی برا خیال قائم کرنا ہرگز جائز نہیں ہے۔

حضور ﷺ کا ایک اور ارشاد ہے:

اَللّٰهُمَّ عَلِّمِ الْمُعَاوِيَةَ الْحِسَابَ وَالْكِتَابَ وَ قِهِ الْعَذَابَ .(۳)

اے اللہ حضرت معاویہ کو حساب وکتاب سکھادے اور ان کو عذاب سے محفوظ فرما۔

(۱) اکمال فی السماء الرجال

(۲) الترمذی، کتاب المناقب، باب مناقب معاویة بن ابی سفیان، ح: ۳۸۴۲

(۳) البخاری فی "تاریخ الکبیر" (۵: ۲۴۰) الامام احمد فی مسنده (۴: ۱۲۷)، الطبرانی فی معجمه الکبیر (۱۸: ۲۵۱)

وَالْمُسْلِمُوْنَ لَابُدَّلَهُمْ مِنْ اِمَامٍ يَقُوْمُ بِتَنْفِيْذِ اَحْكَامِهِمْ، وَاِقَامَةِ حُدُوْدِهِمْ ،وَسَدِّ ثُغُوْرِهِمْ ،وَتَجْهِيْزِ جُيُوْشِهِمْ، وَاَخْذِ صَدَقَاتِهِمْ ، وَقَهْرِ الْمُتَغَلِّبَةِ وَالْمُتَلَصِّصَةِ وَقُطَّاعِ الطَّرِيْقِ ،وَاِقَامَةِ الْجُمَعِ وَالْاَعْيَادِ ، وَقَطْعِ الْمُنَازَعَاتِ الْوَاقِعَةِ بَيْنَ الْعِبَادِ ،وَقُبُوْلِ الشَّهَادَةِ الْقَائِمَةِ عَلَى الْحُقُوْقِ، وَتَزْوِيْجِ الصِّغَارِ الَّذِيْنَ لَا اَوْلِيَاءَ لَهُمْ وَقِسْمَةِ الْغَنَائِمِ

اور مسلمانوں کیلئے ایک امام کا ہونا ضروری ہے تا کہ مسلمانوں میں احکام جاری کرے، اور (ان میں) حدود قائم کرے اور دشمنوں کو ان پر سے روکے (سرحدوں کی حفاظت کرے) اور ان کے لشکروں کو سامان دے اور ان سے صدقات وصول کرئے اور سرکشوں کے سر دبائے اور چوروں اور رہزنوں کو زیر کرے اور جمعوں اور عیدوں کو قائم کرئے اور جھگڑوں کو دور کرے جو لوگوں کے درمیان واقع ہوئے ہیں اور حقوق کے ثابت کرنے کی گواہیاں سنے اور جن بچوں کے ولی نہیں ان کے نکاح کرے اور مسلمانوں میں غنیمتوں کے مال تقسیم کرے جو کفار سے جہاد کرنے میں ہاتھ آئے ہوں۔

مسلمانوں کے امام وخلیفہ کے فرائض:

شرح: (۱) امام کا معنی پیشوا، رہنما، بادشاہ، خلیفہ، حاکم وغیرہ موقع ومحل کے مطابق آتے ہیں مسلمانوں کے دلائل سمعیہ کی روشنی میں امام کا تقرر واجب وضروری ہے چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے خلیفہ مقرر کرنے کو نبی مکرم ﷺ کے دفن پر مقدم کیا تھا اگر ان کو از روئے شرع یہ معلوم نہ ہوتا کہ خلیفہ مقرر کرنا واجب ہے تو وہ ایسے بڑے کام پر ہرگز ہاتھ نہ ڈالتے ...... چونکہ بے

شمار احکام شرعیہ حاکم اسلام کی وجہ سے سرانجام پاتے ہیں اس لئے امام کا ہونا ضروری ہے اور امام کے تقرر کی تاکید احادیث میں بھی آئی ہے۔

امام المسلمین کے لئے ضروری ہے کہ وہ مندرجہ ذیل امور پورے کرے۔

(۱) مسلمانوں کے لئے احکام جاری کرنا۔

(۲) حدود قائم کرنا۔

(۳) کفار کی سرحدوں کا انسداد کرنا۔

(۴) لشکروں کا تیار کرنا۔

(۵) زکوٰۃ وصدقات کے اموال لینا۔

(۶) باغیوں، چوروں اور رہزنوں کو دفع کرنا۔

(۷) عیدوں اور جمعوں کو قائم کرنا۔

(۸) بندوں کے درمیان ہر قسم کے جھگڑوں کا دور کرنا اور فیصلہ کرنا۔

(۹) حقوق پر شہادتیں قبول کرنا۔

(۱۰) صغار وصغائر کہ جن کے وارث نہ ہوں ان کا نکاح کرنا۔

(۱۱) غنائم تقسیم کرنا اور اس کے مثل دہ امور جن کا کوئی متولی نہ ہو۔

ثُمَّ يَنْبَغِيْ اَنْ يَّكُوْنَ الْاِمَامُ ظَاهِرًا لَامَخْفِيًّا وَلَا مُنْتَظَرًا خُرُوْجُهٗ وَ يَكُوْنُ مِنْ قُرَيْشٍ وَلَا يَجُوْزُ مِنْ غَيْرِهِمْ وَلَا يَخْتَصُّ بِبَنِيْ هَاشِمٍ وَ اَوْلَادِ عَلِيٍّ رضی اللہ عنہ .

پھر امام کے لئے ضروری ہے کہ وہ ظاہر (۱) ہو نہ چھپا ہوا ہو اور نہ انتظار (۲) کیا گیا ہو اس کا نکلنا اور قریش میں امام ہو (۳) اور نہیں جائز سوائے ان (قریش) کے اور نہیں امام کا خاص ہونا بنی ہاشم اور اولاد حضرت علی رضی اللہ عنہ سے۔

امام کو ظاہر ہونا چاہیئے:

شرح: (۱) تا کہ اس کے امام بنانے کی غرض پوری ہو، وہ بندوں کے مصالح کو قائم کر سکے اور لوگ اس کی طرف بآسانی رجوع کر سکیں۔ لوگوں کی آنکھوں سے بوجہ دشمنوں کے ڈر سے چھپا اور پوشیدہ نہ ہو لہذا امام کا ظاہر ہونا ضروری ہے۔ شیعہ کہتے ہیں کہ ابوالقاسم بن حسن عسکری پیدا ہو چکے ہیں اور چھپے ہوئے ہیں اس لئے وہ ان کے آنے کا انتظار کرتے ہیں اور یہ ان کے نزدیک بارہویں امام ہیں مگر اہل سنت و جماعت کے نزدیک محمد مہدی بن عبداللہ ابھی تک پیدا نہیں ہوئے ہیں اور وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول سے قبل ظاہر ہوں گے اور عدل و انصاف سے دنیا کو بھر دیں گے۔ ان کی تشریف آوری کے بعد قیامت کی بڑی بڑی نشانیوں کا آغاز ہوگا۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ

(۲) کہ اس کا انتظار کیا جائے کہ وہ آخر زمانہ میں آئے گا جب کہ شر و فساد کا دور ختم ہو جائے ظالموں اور معاندوں کا خاتمہ ہو جائے اس وقت امام حق کو وجود ہوگا جیسے شیعہ لوگ گمان کرتے ہیں۔ امت کو جب مصلح دین کی ضرورت ہو اس وقت امام کا ہونا بھی لازم ہے اور

شیعہ کا اعتقاد باطل ہے اس وجہ سے کہ امام جب دشمنوں کے خوف سے پوشیدہ ہو جائے تو اس کا ہونا نہ ہونا دونوں برابر ہیں جو کہ امام کے مقرر ہونے سے بھلائی حاصل ہوتی ہے پھر وہ نہیں ہو سکتی تو اس کا ہونا نہ ہونا یکساں ہوا۔

(۳) یعنی امام کے لئے قریشی ہونا شرط ہے دوسری قوم کا ہونا درست نہیں ہے۔ اولاد علی اور بنی ہاشم کا ہونا ضروری نہیں ہے اور قریش ہونے کی شرط لگانے کی وجہ یہ حدیث ہے کہ

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اَلْاَئِمَّةُ مِنْ قُرَيْشٍ .

کہ امام قریشی ہوں۔

اس حدیث کو امام احمد نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور امام بیہقی نے اپنے سنن میں حضرت انس سے نقل کیا اور امام جلال الدین سیوطی نے اس کے متعلق ایک مستقل کتاب تالیف کی ہے۔ (البغية الرائد: ۱۳۱)

اور یہ حدیث اگرچہ خبر واحد ہے مگر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انصار کے مقابلے میں اس سے استدلال قائم کیا تھا اور اس حدیث کو سب نے تسلیم کیا اس تقدیر پر یہ حدیث مجمع علیہ ہو گئی ہے بوجہ اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم کے بلاشبہ لازم العمل ہوئی اور درجہ ظنی سے خارج ہو گئی۔ اس حدیث میں کسی نے اختلاف نہیں کیا سوا خوارج اور بعض معتزلہ کے کہ دونوں فرقے اختلاف کرتے ہیں کہ قریشی ہونا ضروری نہیں ہے مگر حدیث میں قریشی ہونے کی صراحت موجود ہے اس لئے ہاشمی و علوی ہونا ضروری نہیں ہے، کیونکہ حضرت ابوبکر، حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان غنی یعنی خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم قریشی تھے ان کی خلافتیں برحق تھیں باوجود اس کے کہ وہ تینوں ہاشمی نہیں تھے

مسند احمد بن حنبل، ٤: ٤٢١ ......ابن ابی عاصم فی السنة (٢: ٥٣٢)(رقم ١١٢٥) الطيالسی فی "المسند" (رقم ٩٢٦)

قریشی تھے اور قریش نضر بن کنانہ کی اولاد سے ہیں اور ہاشم جناب عبد المطلب کے والد گرامی کا اسم ہے جو حضور ﷺ کے پردادا ہیں۔

اور سرکار دو عالم ﷺ کا شجرہ نسب یوں ہے محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد المناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان۔

علامہ فضل اللہ تورپشتی حنفی امام کے قریشی ہونے کے متعلق فرماتے ہیں:

آنکہ امام قریشی باشد و جمہور اصحاب مذاہب درین قول متفق اند بناپر قول رسول علیہ السلام کہ (الائمة من قریش) امام ہا از قریش بود) و مذہب بعض از اہل ملت غیر این نیز او است و حمل معنی حدیث اما بر استحباب کردہ باشد یعنی قریش فاضل از دیگر درون شرائط امامت یابند و اما بر خبر یعنی چنیں خواہد بود یا غایت ایں چنیں بود و اگر مراد خبر است بعد ازیں ہمچنیں باشد۔ (معتمد فی المعتقد:۱۸۹)

وَ لَا يَشْتَرِطُ فِي الْاِمَامِ اَنْ يَّكُوْنَ مَعْصُوْمًا ،وَلَا اَنْ يَّكُوْنَ اَفْضَلَ مِنْ اَهْلِ زَمَانِهٖ ،وَ يَشْتَرِطُ اَنْ يَّكُوْنَ مِنْ اَهْلِ الْوِلَايَةِ الْمُطْلَقَةِ الْكَامِلَةِ ،سَائِسًا قَادِرًا عَلٰى تَنْفِيْذِ الْاَحْكَامِ وَحِفْظِ حُدُوْدِ دَارِ الْاِسْلَامِ ، وَ اِنْصَافِ الْمَظْلُوْمِ مِنَ الظَّالِمِ .

اور نہیں ہے شرط (امام میں) یہ کہ معصوم (۱) ہو اور نہ یہ شرط ہے کہ امام زمانہ کے سب لوگوں سے زیادہ افضل ہو (۲) اور (یہ شرط) ہے کہ امام ولایت مطلقہ کاملہ کی لیاقت رکھنے والا ہو (۳)، سیاست والا ہو احکام شریعت (۴) کے جاری کرنے اور حدود دار السلام کی نگہبانی کرنے والا ظالم سے مظلوم کی دادرسی کرنے پر قدرت (۵) رکھتا ہو۔

شرائط امامت:

شرح: (۱) یعنی امام کا گناہوں سے معصوم ہونا شرط نہیں ہے کیونکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی امامت (خلافت) ثابت ہو چکی ہے اور ان کی معصومیت پر کوئی دلیل نہیں۔ بلکہ غیر معصوم ہونے پر یقین ہے کیونکہ انبیاء اور فرشتوں کے علاوہ سب غیر معصوم ہیں اور عصمت کی حقیقت یہ ہے کہ باری تعالیٰ بندے کے اندر باوجود قدرت واختیار ہونے کے گناہ کو پیدا نہ کرے (۱)

(۲) یعنی یہ کوئی شرط نہیں ہے کہ امام اہل زمانہ میں سے افضل ہو۔

(۳) امام کے لئے شرط ہے کہ وہ ولایت مطلقہ کاملہ رکھتا ہو یعنی مسلمان آزاد مرد عاقل، بالغ ہو کیونکہ کافر کے لئے مسلمانوں پر حکومت وتسلط نہیں۔

(۱) شرح العقائد النسفیة: ۱۵۷

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿......وَ لَنْ یَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِیْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ سَبِیْلًا﴾ [النساء٤:١٤١]

اور کافروں کے لئے مسلمانوں کو مغلوب کرنے کا کوئی راستہ اللہ ہرگز نہ بنائے گا۔

غلام مولا کی خدمت میں مشغول ہوتا ہے نیز لوگوں کی نظروں میں حقیر سمجھا جاتا ہے اور عورتیں ناقص العقل والدین ہیں اس لئے وہ امامت کے لائق نہیں ہیں نیز ان پر پردہ کرنا فرض ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

وہ قوم ہرگز کامیاب نہیں ہوگی جس نے عورت کو اپنے معاملات پر حاکم بنایا ہے۔

لَنْ یُّفْلِحَ قَوْمٌ وَلَّوْا اَمْرَهُمُ امْرَأَةً . (١)

عورت جب کہ امامت صغری نہیں کرسکتی۔تو امامت کبری کے لئے منتخب کرنا کیسے جائز ہے اور بچے اور مجنون تو تدابیر امور کی صلاحیت ہی نہیں رکھتے۔

(۴) یعنی اپنے علم سے احکام شرع کے مطابق حدود وتعزیرات کو احسن طریقہ سے قائم کرنے والا ہو۔

(۵) یعنی مسلمانوں کے امور میں اپنی طاقت اور رائے اور غور وفکر کے ساتھ تصرف کرنے کا مالک ہو۔

(١) البخاری ، کتاب الفتن ، باب ١٨، ح: ٧٠٩٩

وَ لَا يَنْعَزِلُ الْإِمَامُ بِالْفِسْقِ وَالْجَوْرِ.

اور امام معزول نہیں کیا جائے گا نافرمانی اور ظلم کرنے کی وجہ سے۔ (١)

امام کی معزولی درست نہیں۔

شرح: (١) لَایَنْعَزِلُ (نہیں معزول ہوتا) لَایُنْعَزِلُ (معزول نہیں کیا جائے گا) دونوں طرح پڑھا جاتا ہے اور نیز ایک نسخہ میں الجور کی جگہ الفجور ہے مگر زیادہ صحیح الجور ہے۔لفظ فسق میں نافرمانی گناہ، اطاعت خداوندی سے نکل جانے کے معانی آتے ہیں لہذا دوبار فجور لانے کی کیا ضرورت ہے۔الجور کا معنی ظلم وزیادتی کرنا ہے لہذا یہی مناسب ہے۔

علامہ سعد الدین تفتازانی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

خلفاء راشدین کے بعد ائمہ اور امراء سے ظلم اور فسق ظاہر ہوا سلف نے ان کی اطاعت کی اور انہی کے اذن واجازت سے نماز جمعہ اور نماز عیدین کو قائم لیا اور ان کے خلاف (کوئی قدم اٹھانا) درست نہ سمجھا نیز عصمت اور گناہوں سے پاک ہونا امامت کے لئے شرط ابتدائی بھی نہیں تو بقاء کے لئے کیونکر شرط ہوگی۔

امام کا نہ پہلے معصوم ہونا شرط ہے اور نہ آخر میں شرط ہے جب یہ شرط نہ ہوئی تو ضرور امام بوجہ فسق اور ظلم کے معزول نہیں ہوسکتا نیز امام (حاکم) کو معزول کرنے میں جانوں کے ضائع ہونے اور فتنہ وفساد کے زیادہ ہونے کا قوی اندیشہ ہوتا ہے۔

(١) شرح العقائد النسفیة : ١٥٩

وَ تَجُوْزُ الصَّلٰوۃُ خَلْفَ کُلِّ بَرٍّ وَّ فَاجِرٍ
وَ یُصَلّٰی عَلٰی کُلِّ بَرٍّ وَّ فَاجِرٍ.

اور جائز ہے نماز پڑھنا ہر نیک و بد کے پیچھے، اور نماز (جنازہ) ہر نیک و بد کی پڑھی (۱) جائے گی۔

فاسق کی اقتداء (فروعات کا بیان)

شرح: جب مصنف علیہ الرحمہ علم کلام کے مقاصد اصلیہ، ذات باری تعالیٰ، صفات، افعال، خلق، افعال عباد، معاد، (عذاب قبر، بعث وحشر، ثواب وعذاب، نبوت وامامت اور خلافت) وغیرہ کو اہل اسلام اور اہل سنت وجماعت کے طریقہ پر بیان کرنے سے فارغ ہوئے تو انہوں نے ارادہ کیا کہ چند وہ مسائل بھی بیان کر دیئے جائیں جن کی وجہ سے اہل سنت وجماعت اپنے مقابل فرقوں (معتزلہ، شیعہ، فلاسفہ، ملاحدہ) وغیرہ سے ممتاز ہوں خواہ وہ مسائل فقہیہ کے فروعات سے ہوں یا ان کے سوا جو عقائد کے متعلق ہوں جیسا کہ عشرہ مبشرہ کے جنتی ہونے کے متعلق خبر دینا۔ غرضیکہ امتیاز اور فرق بیان کرنا ہے۔ لہٰذا خاتمہ کتاب میں بعض فروعی اور اعتقادی مسائل کو بیان کیا ہے۔

(۱) تَجُوْزُ کی جگہ بعض نسخوں میں نَجُوْزُ ہے، یُصَلّٰی کی جگہ نُصَلِّیْ بھی آیا ہے۔ برٌّ بمعنی نیک فَاجِرٌ بمعنی نافرمان، گناہ گار۔

چونکہ شیعہ کے نزدیک جس طرح امامت کبریٰ میں امام کا معصوم ہونا شرط ہے۔ اسی طرح امامت صغریٰ میں بھی معصوم ہونا ضروری ہے اور خوارج کے نزدیک فاجر گناہ گار کافر ہے۔ لہٰذا اس کی اقتداء میں نماز جائز نہیں ہے اس لئے امام نسفی فرماتے ہیں کہ ہر گناہگار

مسلمان کی اقتداء میں نماز درست ہے اور ہر گناہگار میت پر نماز جنازہ پڑھنا بھی جائز ہے کیونکہ یہ حضرات گناہ گار ہیں مگر اسلام سے تو خارج نہیں کہ نہ ان کی نماز جنازہ پڑھی جائے اور نہ زندگی میں ان کی اقتداء میں نماز پڑھی جائے بلکہ وہ مسلمان ہیں۔

وَالصَّلٰوۃُ خَلْفَ کُلِّ بَرٍّ وَّ فَاجِرٍ مِّنَ الْمُسْلِمِیْنَ جَائِزٌ.

مسلمانوں میں سے ہر نیک و بد کے پیچھے نماز جائز ہے۔

کتب عقائد کی عبارات سے معلوم ہوا کہ ہر نیک و بد کی اقتداء میں نماز درست ہے اور اس کی اصل مندرجہ ذیل حدیث پیش کی جاتی ہیں۔

حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

صَلُّوْا خَلْفَ کُلِّ بَرٍّ وَّ فَاجِرٍ .(۱)

کہ تم ہر نیک و بد کی اقتداء میں نماز پڑھو۔

حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

تمہارے اوپر جہاد ہر سردار کے ہمراہ خواہ وہ نیک و بد ہو واجب ہے اگر چہ وہ سردار گناہ کبیرہ کرتا ہو اور تم پر نماز ہر مسلمان کے پیچھے واجب ہے خواہ وہ (نماز پڑھانے والا) نیک ہو یا بد اگر چہ گناہ کبیرہ کرتا ہو اور نماز جنازہ ہر مسلمان پر واجب ہے خواہ نیک ہو یا بد اگر چہ گناہ کبیرہ کرتا ہو۔ (۲)

علامہ سعد الدین تفتازانی شرح عقائد میں فرماتے ہیں:

(۱) اخرجہ الدارقطنی فی "السنن" (۲:۵۶) الطبرانی فی "الکبیر" (۱۲:٤٤٧)

(۲) ابو داؤد، کتاب الصلاۃ، باب امامۃ البر والفاجر ح: ۵۹٤

مشکوۃ المصابیح، باب الامامۃ، الفصل الثانی: ۱۰۰

المرقاۃ شرح مشکوۃ ۳:۸٦

علماء امت، فاسقوں، خواہش پرستوں اور بدعتی قسم کے لوگوں کے پیچھے نمازیں پڑھا کرتے تھے بغیر کسی نکیر کے اور جو کہ بعض سلف نے نماز کو بدعتی کے پیچھے ممنوع فرمایا تو وہ کراہت پر محمول ہے اور اس کے مکروہ ہونے میں کوئی کلام نہیں ہے اور مکروہ نماز اس وقت ہو گی جب فاسق اور بدعتی حد کفر تک نہ پہنچ گیا ہو اور اگر اس کا فسق و بدعت حد کفر تک ہو تو پھر نماز کے عدم جواز میں کوئی کلام اور شک وشبہ نہیں ہے کہ ان کی اقتداء میں نماز ہرگز نہیں ہوگی (۱)

علامہ علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو فاجر امام کے پیچھے نماز جمعہ اور با جماعت نماز پڑھنا چھوڑ دے وہ بدعتی ہے اکثر علماء کے نزدیک۔ اور صحیح یہ ہے کہ وہ پڑھی ہوئی نماز درست ہے اور اس کو دوبارہ نہیں پڑھا جائے گا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ وغیرہ ولید بن عقبہ بن ابی معیط کے پیچھے نمازیں پڑھا کرتے تھے اور وہ شراب پیا کرتا تھا یہاں تک کہ اس نے ایک مرتبہ صبح کی نماز دو رکعت کی بجائے چار رکعتیں پڑھا دیں پھر اس نے کہا تمہیں اور زیادہ دوں حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا کہ ہم تو پہلے ہی زیادہ پڑھ چکے ہیں۔ (۲)

القول الفصل شرح فقہ الاکبر میں ہے کہ فاسقوں کے پیچھے نماز پڑھنے کے متعلق اسی طرح اثر وارد ہیں اور ظالم اماموں مثلاً یزید بن معاویہ اور اکثر خلفاء مروانیہ مثلاً ابن زیاد اور حجاج بن یوسف ثقفی کے زمانہ میں صحابہ و تابعین اسی پر چلے ہیں (یعنی وہ اس کے پیچھے نمازیں پڑھتے رہے) اور صحابہ و تابعین کا یہ فعل اس بات کی دلیل ہے کہ اعمال حقیقت ایمان سے خارج ہیں اور کبیرہ گناہ کا مرتکب مومن ہے اگرچہ فاسق ہو ورنہ کبھی نماز ان کے پیچھے جائز نہ ہوتی۔

لِاَنَّ الصَّلٰوۃَ لَا تَصِحُّ اِلَّا مِنَ الْمُسْلِمِ فَلَا یَجُوْزُ اِقْتِدَاءُ الْمُسْلِمِ فِی

(۱) شرح العقائد النسفية : ١٦١،١٦٠

(۲) شرح فقه اكبر : ٩٠ ، شرح عقيدة الطحاويه

الصَّلٰوۃِ اِلَّا بِالْمُسْلِمِ . (۱)

کیونکہ نماز درست نہیں تو نماز میں مسلمان کا اقتداء کرنا جائز نہیں مگر مسلمان امام کی یعنی ہر مسلمان کے پیچھے نماز جائز ہے۔

عقیدۃ الطحاویہ میں ہے:

وَ نَرَی الصَّلٰوۃَ خَلْفَ کُلِّ بَرٍّ وَّ فَاجِرٍ مِّنْ اَھْلِ الْقِبْلَۃِ وَ عَلٰی مَنْ مَّاتَ مِنْھُمْ .

اور ہم ہر ایک نیک و بد اہل قبلہ کی اقتداء میں نماز ادا کرنے کو درست سمجھتے ہیں اور اس قسم کے فوت شدہ لوگوں پر نماز ادا کرنے کو بھی درست جانتے ہیں۔

(۱) القول الفيصل : ٣١٢

(۲) العقيدة الطحاوية : ١٤

وَيُكَفُّ عَنْ ذِكْرِ الصَّحَابَةِ اِلَّا بِخَيْرٍ

اور روکا(۱) جائے گا صحابہ کا ذکر کرنے سے مگر بھلائی کے ساتھ۔

صحابہ کا ذکر بھلائی سے کیا جائے۔

شرح: ایک اور نسخہ میں یُكَفُّ کی بجائے نَكُفُّ ہے کہ ہم اپنی زبانوں کو روکتے ہیں صحابہ کے ذکر کرنے سے مگر نیکی کے ساتھ یعنی قرآن وحدیث میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کے فضائل ومناقب بھی بیان ہوئے ہیں لہذا جب بھی ان کا تذکرہ کیا جائے اجتماعی یا انفرادی طور پر، تحریر میں ہو یا تقریر میں تو پیار ومحبت اور عقیدت وبھلائی کے ساتھ کیا جائے اور طعن واعتراض سے زبان کو روکا جائے کیونکہ صحابہ کرام کا ذکر بھلائی وتعریف کے غیر مناسب طریقہ سے کرنا حرام ہے عام مسلمانوں کے ساتھ بلاوجہ بغض وکینہ اور عناد رکھنا ناجائز ہے تو اصحاب النبی ﷺ کے ساتھ بغض رکھنا تو موجب ہلاکت ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رحمہ اللہ تعالیٰ (الفقہ الاکبر: ۳۴) میں فرماتے ہیں:

وَ نَتَوَلَّاهُمْ جَمْعًا وَ لَا نَذْكُرُ اَحَدًا مِنْ اَصْحٰبِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اِلَّا بِخَيْرٍ

اور ہم ان (صحابہ کرام) سے محبت کرتے ہیں اور ہم اصحاب رسول ﷺ کا ذکر بھلائی کے ساتھ کرتے ہیں۔

حضرت امام ابوجعفر احمد طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَ لَا نَذْكُرُهُمْ اِلَّا بِالْخَيْرِ وَ حُبُّهُمْ دِيْنٌ وَ اِيْمَانٌ وَ اِحْسَانٌ وَ بُغْضُهُمْ كُفْرٌ وَ نِفَاقٌ وَ طُغْيَانٌ . (العقيدة الطحاويه : ۱۸،۱۷)

اور ہم صحابہ کا ذکر بھلائی کے سوا کچھ نہیں کرتے ان کی محبت دین کی علامت ہے ایمان واحسان کی نشانی ہے اور ان سے بغض ودشمنی، کفر ونفاق اور سرکشی کی علامت ہے۔

اللہ تعالیٰ اصحاب النبی ﷺ ؓ کی شان میں فرماتا ہے:

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ط وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا ز سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ط ......﴾ [الفتح ۴۸:۲۹]

محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں اور جو ان کے ساتھی ہیں کافروں پر بڑے سخت، آپس میں بڑے نرم دل ہیں (اے مخاطب) تو انہیں دیکھتا ہے رکوع کرتے سجدہ کرتے ہوئے وہ اللہ کا فضل اور اس کی خوشنودی چاہتے ہیں ان کی نشانی ان کے چہروں میں ہے سجدوں کے اثر سے۔

نیز اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿......رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ ط......﴾ [البینہ ۹۸:۸]

اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔

اسی طرح بے شمار آیات قرآنیہ میں عظمت صحابہ کرام کو بیان کیا گیا ہے اور احادیث نبویہ میں صحابہ کرام ؓ کے بکثرت فضائل بیان ہوئے ہیں اور ان کی شان میں زبان طعن کھولنے سے منع کیا گیا ہے اور ان کی تعظیم وتکریم کی تاکید کی گئی ہے۔

چنانچہ حضرت ابوسعید خدری ؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لَا تَسُبُّوْا اَصْحَابِيْ فَلَوْ اَنَّ اَحَدَكُمْ اَنْفَقَ مِثْلَ اُحُدٍ ذَهَبًا مَا بَلَغَ مُدَّ اَحَدِهِمْ وَ لَا نَصِيْفَهٗ . (۱)

(۱) البخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی، باب ٦ ح: ٣٦٧٣

مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب تحریم سب الصحابة ح: ٢٢٢،٢٢١

الترمذی، کتاب المناقب، باب فی من سب اصحاب النبی ح: ٣٨٦١

مشکوة المصابیح، باب مناقب الصحابة، الفصل الاول: ٥٥٣

کہ خبردار میرے صحابہ کو برا بھلا نہ کہنا اور گالی نہ دینا کیونکہ اگر کوئی تم سے (جو صحابی نہ ہو) احد پہاڑ کے برابر بھی سونا (اللہ تعالیٰ کی راہ میں) خرچ کردے تو اس کا یہ سونا میرے صحابہؓ کے ایک مٹھی بھر سونے برابر نہیں ہوگا اور اس کے آدھا (نصف) برابر ہوگا کہ ان کی تھوڑی سی نیکی کا ثواب ہماری زیادہ نیکیوں کے ثواب کے برابر نہیں ہے۔

حضرت عبداللہ بن مغفل ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اَللّٰهَ اَللّٰهَ فِيْ اَصْحَابِيْ اَللّٰهَ اَللّٰهَ فِيْ اَصْحَابِيْ لَا تَتَّخِذُوْهُمْ غَرَضًا مِنْ بَعْدِيْ . (۱)

تم اللہ سے ڈرو تم اللہ سے ڈرو میرے صحابہ کے حق میں تم اللہ سے ڈرو تم اللہ سے ڈرو میرے صحابہ کے حق میں کہ میرے بعد انہیں ہرگز نشانہ نہ بنانا۔

اور ان پر اعتراض نہ کرنا بلکہ ان سے محبت کرنا اور تعظیم کرنا۔

حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اَكْرِمُوْا اَصْحَابِيْ فَاِنَّهُمْ خِيَارُكُمْ ......الخ (۲)

کہ تم میرے صحابہ کی عزت کیا کرو کیونکہ وہ تم میں زیادہ افضل ہیں۔

حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب تفسیر مظہری فرماتے ہیں کہ وہ حضرات صحابہ کرام وحی الٰہی کے حفظ کرنے والے اور قرآن کریم کی روایت کرنے والے تھے جو شخص صحابہ کا منکر ہوگا اس کو قرآن مجید پر اور قرآن کے علاوہ دوسرے متواترات ایمانیہ پر ایمان لانا ممکن نہیں۔ (۳)

---

(۱) الترمذی ، کتاب المناقب ، باب فی من سب اصحاب النبی ح: ۳۸٦۲
مشکوۃ المصابیح ، باب مناقب الصحابة ، الفصل الثانی : ۵۵٤

(۲) احمد فی "مسند" (رقم ۱۱٤،۱۷۷)، الترمذی فی "الجامع" (۲۲۵٤) الحاکم فی "المستدرک" (۱۱۳،۱۱۵:۱) شرح العقائد النسفية ۱٦۲ (۳) ما لا بد منه

کیونکہ قرآن مجید ان ہی نفوس قدسیہ کے ذریعہ سے ملا ہے تو اگر ان کو عادل نہ سمجھا تو پھر اس کا قرآن پر کا ہے کا ایمان ہوگا لہذا جس کا ایمان قرآن پر ہوگا اس کا ایمان صحابہ پر ہوگا۔ صحابہ کرام ؓ کو بحالت ایمان دیدار جمال مصطفیٰ سے وہ مقام ملا ہے کہ امت کے بڑے بڑے علماء، فضلا، عابدین، زاہدین، غزاۃ اور مجاہدین کو نہیں مل سکا اسی لئے وہ تمام نبیوں اور رسولوں کے بعد ساری امت سے افضل ہیں کیونکہ صحبت رسول ﷺ باعث شرف و بزرگی ہے اور اس سے خاص اور زیادہ واضح دلیل (فضیلت صحابہ) کی کون سی ہوگی کہ انہوں نے بغیر کسی واسطہ و پردہ کے جمال مصطفوی کو دیکھا ہے، حضرت محمد ﷺ کے ساتھ صحبت و مجلس اور ہم نشینی رکھی ہے اور قرآن و حدیث کو حضور ﷺ کی مبارک زبان سے سنا اور بلاواسطہ اللہ تعالیٰ کے حکم و نہی سے مخاطب کئے گئے ہیں اور جان و مال اولاد اور پوتوں کو ان کی راہ میں بے تحاشہ قربان کیا اور حقیقت یہ ہے کہ صرف ایک نگاہ سے حضور ﷺ کے جمال کو دیکھنے اور ایک لمحہ ایک گھڑی ان کی مجلس شریف میں بیٹھنے اور ان کی زبان پاک سے ارشادات سننے سے جو کچھ حاصل ہو سکتا ہے دوسرے لوگ ساری خلوتوں چلہ کشیوں سے بھی حاصل نہیں کر سکتے۔ (۱)

حضرت شیخ عبدالحق رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

صحابہ کرام سب سے افضل کیوں نہ ہوں کہ انہوں نے حضور ﷺ کی محبت اختیار کی اور بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور حضور ﷺ سے علم، عمل اور حال کی باتیں سیکھتے اور جمال مصطفیٰ کے دیدار پاک سے لطف اندوز ہوتے اور آپ کے والضحیٰ والے چہرہ اقدس کا مشاہدہ کرتے رہے (ان کاموں اور وصفوں کی وجہ سے بعد الانبیا افضل الامم ہیں۔ (۲)

---

(۱) تکمیل الایمان: ۱۵۱

(۲) تکمیل الایمان: ۱۵۱

النبراس : ۵٤۷ ،حاشیہ: ۷

سخنے مگو درحق کس ازصحب احمد مصطفیٰ

سیاردانی ہریکے نے ہمچوشان کس راہبر

مشاجرات صحابہ کرام سے سکوت کرنا چاہیے۔

یعنی جو اختلافات اور جھگڑے صحابہ کرام کے درمیان اجتہادی طور پر ہوئے ہیں ان کا ذکر نہیں کرنا چاہیے اگر ضرورت بھی پڑے تو عمدہ تاویل سے کام لینا چاہیے کیونکہ ان کے ذکر کرنے میں ہمارا کوئی فائدہ نہیں ہے بلکہ نقصان ہے بڑوں کی باتوں میں چھوٹوں کو ہرگز دخل نہیں دینا چاہیے۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کہ حدیث میں ہے:

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

اِيَّاكُمْ وَ مَا شَجَرَ بَيْنَ اَصْحَابِيْ .

کہ جو اختلافات میرے صحابہ کرام کے درمیان ہوئے تم ان کا تذکرہ کرنے سے بچو۔ (مکتوبات دفتر ۲ مکتوب ۶۷)

اس حدیث کو ملا علی قاری رحمہ اللہ الباری نے نقل کیا ہے۔

اِيَّاكُمْ وَ مَا شَجَرَ بَيْنَ اَصْحَابِيْ . (شرح شفاء ۲: ۸۹)

بچو تم ان اختلافات اور جھگڑوں سے جو میرے صحابہ کے درمیان ہوئے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اِذَا ذُكِرَ اَصْحَابِيْ فَاَمْسِكُوْا . (شرح شفاء ۲: ۹)

کہ جب میرے صحابہ کا ذکر کیا جائے تو تم اپنی زبانوں کو روکو۔

کہ ان باتوں کے ذکر کرنے سے بچو جو ان کی شان کے لائق نہیں اور زبانوں کو

طعنہ زنی سے روکو۔

اَيْ عَنِ الطَّعْنِ فِيْهِمْ وَ اُذْكُرُهُمْ بِمَا لَا يَنْبَغِيْ فِيْ حَقِّهِمْ . (۱)

امام قاضی عیاض علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

کہ صحابہ کرام کے درمیان جو جھگڑے ہوئے ہیں ان کے ذکر سے اعراض کیا جائے اور ان کے دشمنوں سے دشمنی کی جائے، مورخین، جاہل راویوں، گمراہ شیعوں اور ان بدعتیوں کی باتوں کی طرف توجہ نہ کی جائے جو صحابہ کرام پر اعتراض کرتے اور ان کی باتوں کو نقل کرتے پھرتے ہیں ان کے لئے درست راہ تلاش کرنی چاہیے کیونکہ وہ اس کے مستحق ہیں ان میں سے کسی کو برائی سے یاد نہ کیا جائے نہ کسی پر عیب لگایا جائے بلکہ ان کی نیکیوں کو اور اچھی عادتوں کو یاد کیا جائے اور دیگر (نامناسب) باتوں سے سکوت اختیار کیا جائے۔ (۲)

حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اور ان لڑائی جھگڑوں کو جو ان کے درمیان واقع ہوئے ہیں نیک وجہ پر محمول کرنا چاہیے اور ہوا و تعصب سے دور سمجھنا چاہیے کیونکہ وہ مخالفتیں تاویل و اجتہاد پر تھیں نہ کہ ہوا و ہوس پر یہی اہل سنت کا مذہب ہے۔ (۳)

علامہ سعد الدین مسعود تفتازانی فرماتے ہیں۔

وَ مَا وَقَعَ بَيْنَهُمْ مِنَ الْمُنَازَعَاتِ وَ الْمُحَارَبَاتِ فَلَهٗ مَحَامِلُ وَ تَاْوِيْلَاتٌ فَسَبُّهُمْ وَ الطَّعْنُ فِيْهِمْ اِنْ كَانَ مِمَّا يُخَالِفُ الْاَدِلَّةَ الْقَطْعِيَّةَ فَكُفْرٌ كَقَذْفِ عَائِشَةَ وَ اِلَّا فَبِدْعَةٌ وَ فِسْقٌ . (٤)

اور جو محاربات اور جھگڑے ان کے درمیان ہوئے ان کے لئے محامل و تاویلات

(۱) کتاب الشفاء ۲: ۵۲ (۲) شرح شفاء ۲: ۹۰

(۳) دفتر مکتوب ۲۵ (٤) شرح العقائد النسفیة ۱۶۳،۱۶۲

موجود ہیں ان کی وجہ سے کسی صحابی کو سب (گالی) وشتم ،طعن و تشنیع کا مورد بنانا اگر ادلہ قطعیہ کے مخالف ہے تو کفر ہے جیسے قذف حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ورنہ بدعت وفسق ہے۔

صحابہ کرام اولیاء اللہ ہیں:

امام عبداللہ قرطبی علیہ الرحمہ ارشاد فرماتے ہیں:

فَالصَّحَابَةُ كُلُّهُمْ عُدُوْلٌ اَوْلِيَاءُ اللّٰهِ وَ اَصْفِيَاءُ هُ وَ خَيْرَتُهُ مِنْ خَلْقِهٖ بَعْدَ اَنْبِيَائِهٖ وَ رُسُلِهٖ هٰذِهٖ مَذْهَبُ اَهْلِ السُّنَّةِ وَالَّذِىْ عَلَيْهِ الْجَمَاعَةُ مِنَ الْاَئِمَّةِ هٰذِهِ الْاُمَّةِ . (تفسیر قرطبی ۱۶: ۲۹۹)

کہ تمام عادل ہیں اللہ تعالیٰ کے دوست اور اس کے برگزیدہ ہیں اللہ تعالیٰ کے نبیوں اور رسولوں کے بعد تمام مخلوق سے افضل اور چنے ہوئے ہیں۔اور یہی اہل سنت کا مذہب ہے اور اسی طریقہ پر اس امت کے ائمہ کی جماعت ہے۔

خطائے اجتہادی:

حضرت امام ربانی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

لیکن جاننا چاہیے کہ حضرت امیر کرم اللہ وجہہ کے ساتھ لڑائی کرنے والے خطا پر تھے اور حق حضرت امیرؓ کی طرف تھا لیکن چونکہ یہ خطائے اجتہادی کی طرح تھا۔اس لئے ملامت سے دور ہے اور اس پر کوئی مؤاخذہ نہیں ہے جیسے کہ شارح مواقف، آمدی سے نقل کرتے ہیں کہ جمل وصفین کے واقعات اجتہاد سے ہوئے ہیں اور شیخ ابوالشکور سالمی نے تمہید میں تصریح کی ہے کہ اہل سنت وجماعت اس بات پر ہیں کہ حضرت معاویہؓ مع ان کے تمام اصحاب کے جو ان کے ہمراہ تھے سب خطا پر تھے لیکن ان کی خطا اجتہادی تھی۔(۱)

(۱) مکتوبات دفتر ۱، مکتوب :۲۵۱

حضرت علامہ سعد الدین تفتازانی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

وَ مَا وَقَعَ مِنَ الْمُخَالَفَاتِ وَالْمُحَارَبَاتِ لَمْ يَكُنْ مِنْ نِزَاعٍ فِىْ خِلَافَتِهٖ بَلْ عَنْ خَطَاءٍ فِى الْاِجْتِهَادِ . (۱)

اور جھگڑے صحابہ کے درمیان وقوع پذیر ہوئے وہ خلافت کے بارہ میں جھگڑے نہیں تھے بلکہ اجتہادی غلطی کی بنا پر تھے۔

(۱) شرح العقائد النسفية :۱۵۲

وَنَشْهَدُ بِالْجَنَّةِ لِلْعَشْرَةِ الْمُبَشَّرَةِ الَّذِیْنَ بَشَّرَهُمُ النَّبِیُّ ﷺ بِالْجَنَّةِ

اور ہم گواہی دیتے ہیں جنتی ہونے کی ان دس کے لئے جنہیں نبی ﷺ نے جنت کی بشارت دی

عشرہ مبشرہ

شرح: (۱) حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

اَبُوْبَکْرٍ فِی الْجَنَّةِ ، وَ عُمَرُ فِی الْجَنَّةِ ، وَ عُثْمَانُ فِی الْجَنَّةِ ، وَ عَلِیٌّ فِی الْجَنَّةِ ، وَ طَلْحَةُ فِی الْجَنَّةِ ، وَالزُّبَیْرُ فِی الْجَنَّةِ ، وَ عَبْدُالرَّحْمٰنُ بْنُ عَوْفٍ فِی الْجَنَّةِ ، وَ سَعْدُ بْنُ اَبِیْ وَقَّاصٍ فِی الْجَنَّةِ ، وَ سَعِیْدُ بْنُ زَیْدٍ فِی الْجَنَّةِ ، وَ اَبُوْ عُبَیْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ فِی الْجَنَّةِ .

ابوبکر جنت میں ہیں، عمر جنت میں ہیں، عثمان جنت میں ہیں، علی جنت میں ہیں، طلحہ جنت میں ہیں، زبیر جنت میں ہیں، عبدالرحمن بن عوف جنت میں ہیں، سعید بن ابی وقاص جنت میں ہیں، سعید بن زید جنت میں ہیں اور عبیدہ بن جراح جنت میں ہیں۔

صاحب تحفہ نصائح فرماتے ہیں:

گواہی بدہ کیں دہ تفر از اہل جنت بیشکے
ابوبکر و عثمان و علی دانی چہارم شہ عمر
سعد و سعید و طلحہ دان ہم بوعبیدہ ہمچنیں
دانی زبیر او شد نہم ہم عبدرحمان نامور

الترمذی ، کتاب المناقب ، باب مناقب عبدالرحمن بن عوف ، ح :۳۷۴۷

ابن ماجہ ، کتاب السنة ، باب فضائل العشرة ، ح : ۱۳۳

مشکوٰة المصابیح ، باب مناقب العشرة ، الفصل الثانی :۵۶۶

حضرت حذیفہ بن یمان بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

اِنَّ فَاطِمَةَ لَسَیِّدَةُ نِسَاءِ اَهْلِ الْجَنَّةِ . (۱)

کہ بلاشبہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا جنتی عورتوں کی سردار ہیں۔

اِنَّ الْحَسَنَ وَالْحُسَیْنَ سَیِّدَا شَبَابِ اَهْلِ الْجَنَّةِ . (۲)

اور حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما جنتی نوجوانوں کے سردار ہیں۔

یعنی وہ حضرات جن کا انتقال جوانی میں ہوا ہو ان کے حضرات حسنین سردار ہوں گے حضرات انبیاء کرام اس سے مستثنیٰ ہیں اسی طرح خلفائے راشدین اور وہ حضرات جن کا انتقال عمر کی پختگی میں ہوا ہو۔ واللہ اعلم بالصواب

ا۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت:

حضرت قیس بن ابی حازم (تابعی) کہتے ہیں کہ میں نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کا وہ ہاتھ دیکھا جو بالکل بیکار اور شل تھا انہوں نے اس ہاتھ سے غزوہ احد کے دن نبی کریم ﷺ کو کفار کے حملوں سے بچایا تھا۔ (۳)

یہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی بہت بڑی جاں نثاری تھی۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جنگ احد کے دن نبی کریم ﷺ کے جسم پر دو زرہیں تھیں آپ ﷺ نے چٹان پر چڑھنا چاہا لیکن اوپر

---

(۱) الحاکم فی "المستدرک" (۳:۱۵۴)

(۲) الترمذی ، کتاب المناقب ، باب ان الحسن والحسین سیدا...... ح : ۳۷۸۱

مشکوٰة المصابیح ، باب مناقب اهل البیت ، الفصل الثانی : ۵۷۰

(۳) البخاری ، کتاب فضائل اصحاب النبی ، باب ذکر طلحه بن عبید الله ح : ۳۷۲۴

ابن ماجه ، کتاب السنة ، باب فضل طلحه بن عبید الله ح : ۱۲۸

مشکوٰة المصابیح ، باب مناقب العشرة ، الفصل الاول :۵۶۵

چڑھنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ حضرت طلحہؓ آپ کے نیچے بیٹھ گئے یہاں تک کہ آپ ﷺ چٹان پر چڑھ کر پہنچ گئے اور پھر میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا:

اَوْجَبَ طَلْحَۃُ کہ طلحہ نے جنت کو واجب کر لیا۔(۱) یہ بڑی بشارت ہے۔

۲۔ حضرت زبیرؓ کی فضیلت:

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ غزوہ احزاب (غزوہ خندق) کے موقع پر ایک دن نبی کریم ﷺ نے فرمایا کون شخص ہے جو (دشمن) لوگوں کی خبر میرے پاس لے آئے حضرت زبیرؓ بولے میں لاؤں گا تب نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ہر نبی کے حواری (یعنی خاص دوست اور مددگار) ہوتے ہیں اور میرے حواری زبیر ہیں۔ (۲)

ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت زبیرؓ نے بیان کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے دو مرتبہ اپنے ماں باپ دونوں مجھ پر جمع کئے یعنی یوں فرمایا کہ میرے ماں باپ تم پر صدقے ہوں۔ ایک جنگ احد کے موقع پر اور دوسری مرتبہ بنی قریظہ کے خلاف کارروائی کے موقع پر۔ میرے ماں باپ آپ پر صدقے۔ (۳)

---

(۱) الترمذی ، کتاب المناقب ، باب مناقب ابی محمد طلحہ بن عبید اللّٰہ ح : ۳۷۳۸

(۲) البخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی ، باب مناقب الزبیر بن العوام ح : ۳۷۱۹

مسلم ، کتاب فضائل الصحابة ، باب من فضائل طلحة والزبیر ح : ۴۸

الترمذی ، کتاب المناقب ، باب [ان لکل نبی حواریا] ح : ۳۷۴۴

ابن ماجہ ، کتاب السنة ، باب فضل الزبیر ، ح : ۱۲۲

(۳) البخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی ، باب مناقب الزبیر بن العوام ح : ۳۷۲۰

مسلم . کتاب فضائل الصحابة ، باب من فضائل طلحة والزبیر ح : ۴۹

مشکوٰۃ المصابیح ، باب مناقب العشرۃ ، الفصل الاول :۵۶۵

یہ بارگاہ رسالت کی طرف سے حضرت زبیرؓ کی قدر و منزلت کی توثیق کرنا اور ان کے کارناموں پر زبردست اعزاز عطا کرنا تھا۔

۳۔ حضرت سعدؓ کی فضیلت:

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ میں نے کسی کے لئے نہیں سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ماں باپ جمع کئے ہوں حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے علاوہ چنانچہ جنگ احد کے دن جب کہ سعدؓ دشمنوں (کافروں) کو رسول اللہ ﷺ تک پہنچنے سے روکنے کے لئے جواں مردی کے ساتھ تیر مار کر ان کو پیچھے ہٹاتے تھے میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا سعد! تیر چلاؤ اور تیر چلاؤ میرے ماں باپ تم پر صدقے۔ (۱)

حضرت سعد سے مراد سعد بن ابی وقاصؓ ہیں جو بڑی عظمت و شان والے ہیں رسول اللہ ﷺ نے حضرت زبیرؓ کے متعلق بھی فرمایا تھا کہ میرے ماں باپ تم پر صدقے ہو سکتا ہے اس کا علم حضرت علیؓ کو نہ ہوا ہو گا یا حضرت علیؓ نے خود حضرت سعد بن ابی وقاصؓ ہی کے بارے میں سنا تب فرمایا ان کے علاوہ میں نے یہ نہیں سنا ہے۔ حضرت سعدؓ کے لئے غزوہ احد کے موقع پر یوں دعا فرمائی۔

اَللّٰھُمَّ اشْدُدْ رَمْیَتَہٗ وَ اَجِبْ دَعْوَتَہٗ . (۲)

حضرت سعد کی تیر اندازی میں قوت و طاقت عطا فرما اور ان کی دعا قبول فرما۔

۴۔ حضرت سعید بن زیدؓ کی فضیلت:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

---

(۱) مشکوٰۃ المصابیح ، باب مناقب العشرۃ ، الفصل الاول :۵۶۵

(۲) مشکوٰۃ المصابیح ، باب مناقب العشرۃ ، الفصل الاول :۵۶۶ (شرح السنة)

وَ سَعِيدُ بْنُ زَيْدٍ فِي الْجَنَّةِ.

کہ حضرت سعید بن زید جنت میں ہوں گے۔

یہ حضرت سعید، زید کے بیٹے ہیں ان کی کنیت ابو اعور ہے، عدوی قریشی ہیں۔ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ شروع ہی سے شرف اسلام حاصل کیا اور تمام غزوات میں سوائے غزوہ بدر کے آنحضرت ﷺ کے ساتھ شرکت کی کیونکہ یہ سعید بن زید، طلحہ بن عبداللہ کے ساتھ تھے جو قریش کے غلہ والے قافلہ کی کھوج لگانے کے لئے مقرر کئے گئے تھے آنحضرت ﷺ نے غنیمت میں ان کا حصہ بھی لگایا تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بہن فاطمہ رضی اللہ عنہا ان کے نکاح میں تھیں اور یہی وہ فاطمہ ہیں جن کی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ ان کا رنگ گندمی اور قد لمبا تھا ان کے بدن پر بال زیادہ تھے۔ ۵۱ھ میں مقام عتیق پر وفات پائی اور وہاں سے مدینہ لائے گئے اور جنت البقیع میں دفن ہوئے۔ کچھ اوپر ستر سال کی عمر پائی ان سے ایک جماعت روایت کرتی ہے۔

۵۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کی فضیلت:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیویوں سے فرمایا کہ میرے بعد تمہارے حالات کی مجھے بڑی فکر ہے کہ تمہارا خیال نہیں رکھیں گے مگر وہ صبر و صدق والے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا یعنی صدقہ والے پھر جناب ابو سلمہ بن عبدالرحمن رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اللہ تمہارے والد کو جنت کے سلسبیل سے پلائے اور ابن عوف نے امہات المومنین پر ایک باغ صدقہ کیا تھا۔ جو چالیس ہزار میں فروخت ہوا۔

الترمذی، کتاب المناقب، باب [حکایة وصیة عبدالرحمن بحدیقة لامهات المومنین] ح:۳۷۴۹

مشکوٰة المصابیح ، باب مناقب العشرة ، الفصل الاول :۵۶۷

۶۔ حضرت ابوعبیدہ بن جراح کی فضیلت:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ہر امت کا ایک امین ہوتا ہے کہ وہ اللہ اور اللہ کے بندوں کے حقوق ہیں اور اپنے نفس کے بارہ میں خیانت نہیں کرتا اور اس امت کے امین ابوعبیدہ بن الجراح ہیں۔ (۱)

حضرت حذیفہ بن الیمان کہتے ہیں کہ نجران کے لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہمارے پاس حاکم و قاضی بنا کر ایسے شخص کو بھیجئے جو امانت دار ہو۔ آپ نے فرمایا یقیناً میں ایک ایسے شخص کو (حاکم و قاضی بنا کر) تمہارے پاس بھیجوں گا جو امین ہے اس لائق ہے کہ اس کو امانت دار کہا جائے لوگ اس شرف کے حصول کی تمنا اور انتظار کرنے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوعبیدہ بن الجراح کو بھیجا۔ (۲)

اہل بدر:

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ اہل بدر کے متعلق فرماتے ہیں:

عشرہ مبشرہ (کے بعد) اہل بدر کو فضیلت حاصل ہے واقعہ بدر ہجرت کے دوسرے سال میں رونما ہوا تھا۔ اس واقعہ سے اسلام کی شہرت کا سکہ دنیائے عرب پر بیٹھ گیا اور اللہ تعالیٰ

(۱) البخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی ، باب مناقب ابی عبیدة بن الجراح ح: ۳۷۴۴

مسلم ، کتاب الفضائل الصحابة ، باب من فضائل ابی عبیدة بن الجراح ح :۵۳،۵۴

الترمذی ، کتاب المناقب ، باب مناقب ابی عبیدة عامر بن الجراح ح: ۳۷۵۷

مشکوٰة المصابیح ، باب مناقب العشرة ، الفصل الاول :۵۶۶

(۲) البخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی ، باب مناقب ابی عبیدة بن الجراح ح: ۳۷۴۵

مسلم ، کتاب الفضائل الصحابة ، باب من فضائل ابی عبیدة بن الجراح ح :۵۵

کے وہ وعدے جو نبی کریم ﷺ سے کیے گئے تھے پورے ہو گئے۔ دین اسلام کے بدترین دشمن جو صنادید قریش کہلاتے تھے میدان بدر میں جان سے ہاتھ دھو بیٹھے ان میں عتبہ، شیبہ اور ابو جہل جیسے جو خاص طور پر قابل ذکر ہیں واصل جہنم ہوئے۔ (لَعْنَةُ اللّٰہِ عَلَیْھِمْ)

اس معرکہ میں پانچ ہزار فرشتے مسلمانوں کی امداد کے لئے آئے اور باقاعدہ شریک معرکہ رہے۔

عشرہ مبشرہ اس معرکہ بدر میں شریک تھے۔ صرف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شریک جنگ نہ ہو سکے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ حضور ﷺ کے حکم سے حضرت رقیہ بنت رسول اللہ ﷺ کی بیمار پرسی کے لئے مدینہ میں رہے۔ حضور ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اس بیمار پرسی کی وجہ سے اہل بدر میں شمار کیا ہے اور مال غنیمت کے پورے حصہ کا مستحق گردانا ہے۔

اہل بدر کی تعداد تین سو تیرہ ہے۔ یہ سارے کے سارے قطعی جنتی ہیں (ان کی شان میں حضور ﷺ نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰہَ قَدْ اِطَّلَعَ اَھْلَ بَدْرٍ فَقَالَ اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ فَقَدْ غَفَرْتَ لَکُمْ .

یعنی بے شک جب اہل بدر نے اپنے کارناموں کا اللہ تعالیٰ کے سامنے مظاہرہ کیا اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم جو چاہو کرو میں نے تمہاری مغفرت کی دی ہے۔

ایک اور حدیث میں یوں آیا ہے:

لَنْ یَّدْخُلَ اللّٰہُ النَّارَ رَجُلًا شَھِدَ بَدْرًا اَوِالْحُدَیْبِیَّةَ .

یعنی اس شخص کو ہرگز آگ نہیں چھو سکے گی جو میدان بدر یا میدان حدیبیہ میں حاضر ہوا۔

حدیث پاک میں آیا ہے جو فرشتے میدان بدر میں شریک تھے ان کی فضیلت

دوسرے فرشتوں سے بہت زیادہ ہے۔ (۱)

اہل احد:

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ اہل احد کے متعلق فرماتے ہیں:

اہل بدر کے بعد غزوہ احد میں شریک ہونے والوں کا رتبہ آتا ہے۔ یہ معرکہ ہجرت کے چوتھے سال رونما ہوا۔ اس معرکہ میں اہل اسلام کو بڑے امتحان اور دشواری سے گزرنا پڑا حضور ﷺ کے دندان مبارک اسی معرکے میں مجروح ہوئے تھے یہ خیال نہ کرنا چاہیے کہ حضور کا کوئی دانت مبارک پورا ٹوٹ گیا تھا یا جڑ سے نکل گیا تھا۔ حقیقت یہ ہے دانت مبارک کا ایک گوشہ مجروح ہوا تھا اور اس کا ایک ٹکڑا ٹوٹ گیا تھا۔

سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب شہدائے احد میں سے تھے۔ اس جنگ میں صحابہ کرام میں سے ستر بزرگ شہید ہوئے۔ عشرہ مبشرہ بھی شریک غزوہ احد تھے۔

اس معرکہ میں کفار کا سربراہ ابوسفیان اموی تھا جن نے غزوہ بدر میں شکست کے بعد قسم کھائی تھی کہ جب تک انتقام نہ لے لے گا بیوی سے جماع اور غسل نہیں کرے گا۔ فتح مکہ کے بعد ابوسفیان اور معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما مشرف باسلام ہوئے۔ (۲)

اہل بیعت رضوان:

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ اہل بیعت رضوان کے متعلق فرماتے ہیں:

بیعت رضوان اس بیعت کا نام ہے جو مسلمانوں نے صلح حدیبیہ کے بعد نبی ﷺ کے ہاتھ پر کی تھی۔ قرآن پاک میں آیا ہے:

﴿لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ......﴾ (۳)

(۱) تکمیل الایمان:۱۷۱ (۲) تکمیل الایمان:۱۷۱ (۳) [الفتح۴۸:۱۸]

بیشک اللہ راضی ہوا ایمان والوں سے جب وہ درخت کے نیچے آپ سے بیعت کر رہے تھے۔

حدیث پاک میں آیا ہے:

لَا یَدْخُلُ النَّارَ اَحَدٌ مَّنْ بَایَعَنِیْ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ.

جس نے میرے ہاتھ پر شجر رضواں کے نیچے بیعت کی وہ آگ میں داخل نہیں ہوسکتا یہ سارے اصحاب اہل بہشت میں سے ہیں۔ یہ ترتیب فضیلت جو ہم نے بیان کی ہے وہ ابو منصور تمیمی سے نقل کی ہے۔ مذکورہ بالا حضرات کے علاوہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے درجات و مقامات اور فضائل احادیث میں پائے جاتے ہیں مگر ان حضرات کی براءت و بخشش تو یقینی طور پر واضح فرمادی گئی دوسرے صحابہ کرام کے ناموں کی تصریح کتابوں میں نہیں ملتی۔

صحابہ کرام کے بعد فضل و کرامت علم وتقویٰ کی بنا پر ہوگی کیونکہ:

﴿...... اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰکُمْ ط...... ﴾ (۱)

بیشک اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ بزرگی والا وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہو۔

بعض علماء کرام نے اولاد اصحاب کو بھی ان کے آباؤاجداد کی فضیلت پر فضیلت دی ہے مگر یہ بات متفق ہے کہ اولاد حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا سب سے افضل ترین ہے۔ (۲)

امام ابو جعفر احمد بن محمد الطحاوی رحمہ اللہ متوفی ۲۳۹ھ فرماتے ہیں:

وَ مَنْ اَحْسَنَ الْقَوْلَ فِیْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَ اَزْوَاجِهِ الطَّاهِرَاتِ مِنْ کُلِّ دَنَسٍ . وَ ذُرِّیَّاتِهِ الْمُقَدَّسِیْنَ مِنْ کُلِّ رِجْسٍ فَقَدْ بَرِئَ مِنَ النِّفَاقِ .

اور جس نے اچھی بات کی رسول اللہ ﷺ کے صحابہ اور ازواج مطہرات (اور اولاد)

(۱) [الحجرات ۴۹:۱۳] (۲) تکمیل الایمان ۱۷۳۔۱۷۲ (۳) العقیدۃ الطحاویۃ، ۱۸

کی شان میں جو ہر گندگی سے پاک ہے اور ان کی اولاد گندگی سے پاک ہے تو وہ نفاق سے بری ہوگیا ہے۔

یعنی تمام صحابہ کرام، ازواج مطہرات اور آپ کی پاکیزہ اولاد کے ساتھ حسن عقیدہ رکھنے کے علاوہ ان کے اچھے کلمات اور باتوں سے یاد کرے کیونکہ قرآن وحدیث میں ان کی مدح وثناء کی گئی ہے نیز اسی طرح تابعین وتبع تابعین اور دیگر علمائے دین کو بھی اچھی طریقے سے یاد کرے اور ان کے احسانات کا خیال رکھے۔

چنانچہ امام جعفر طحاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وَ عُلَمَاءُ السَّلَفِ مِنَ السَّابِقِیْنَ ، وَ مَنْ بَعْدَهُمْ مِنَ التَّابِعِیْنَ . اَهْلُ الْخَبَرِ وَالْاَثَرِ ، وَ اَهْلُ الْفِقْهِ وَالنَّظَرِ . لَا یُذْکَرُوْنَ اِلَّا بِالْجَمِیْلِ ، وَ مَنْ ذَکَرَهُمْ بِسُوْءٍ فَهُوَ عَلٰی غَیْرِ السَّبِیْلِ .(۱)

سابقین علماء سلف ان کے بعد تابعین نیکوکار علم وفضل والے اور فقیہ تھے ان کا ذکر اچھے الفاظ میں کیا جائے جو شخص انہیں برا بھلا کہتا ہے وہ راہ اعتدال سے برگشتہ ہے۔ جو راہ اعتدال سے پھر جائے۔

اللہ تعالیٰ اس کے بارے میں فرماتا ہے:

﴿وَ مَنْ یُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُ الْهُدٰی وَ یَتَّبِعْ غَیْرَ سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰی وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ط وَ سَآءَتْ مَصِیْرًا۞﴾ (۲)

اور جو مخالفت کرے رسول کی اس کے بعد کہ روشن ہوگیا اس کے لئے سیدھا راستہ اور وہ چلے مسلمانوں کی راہ کے خلاف تو اسی طرف ہم اسے پھیر دیں گے جدھر وہ پھرا، اور

(۱) العقیدۃ الطحاویۃ، ۱۸ (۲) [النساء ٤: ١١٥]

پہنچائیں گے اسے جہنم میں اور وہ کیا ہی برا ٹھکانا ہے۔

بس ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم سب کا ذکر محبت پیار اور احترام کے ساتھ کریں ان کے لئے دعا کریں اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یوں عرض کریں۔

﴿......رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾ (۱)

اے ہمارے رب ہماری مغفرت فرما اور ہمارے ان بھائیوں کی جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں اور ہمارے دلوں میں ایمان والوں کی طرف سے کینہ نہ رکھ، اے ہمارے رب بیشک تو بہت رحمت والا بے حد رحم فرمانے والا ہے۔

(۱) [الحشر۵۹:۱۰]

وَنَرَى الْمَسْحَ عَلَى الْخُفَّيْنِ فِي السَّفَرِ وَالْحَضَرِ

اور ہم جانتے ہیں مسح کرنا موزوں پر سفر اور حضر (گھر) میں۔(۱)

موزوں پر مسح

شرح: (۱) یعنی موزوں پر مسح کرنا ہم جائز سمجھتے ہیں مگر شیعہ اور خوارج کو اسکا انکار ہے لیکن ان کی رائے باطل ہے کیونکہ موزوں کے مسح کا جواز سنت اور اخبار مشہور سے ثابت ہے۔ حفاظ حدیث میں سے ایک معتد بہ جماعت نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ مسح موزہ کی حدیث متواتر بالمعنی ہے بعض محدثین نے اس کے راویوں کو جمع کیا ہے تو اسی (۸۰) سے زیادہ ہوئے ہیں جن میں عشرہ مبشرہ بھی داخل ہیں۔ (۱)

حضرت علی ؓ سے مسح کی بابت دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: مسافر کیلئے تین دن تین راتیں اور مقیم کیلئے ایک دن ایک رات کی مدت مقرر ہے۔(۲)

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرہ ؓ سے بھی مروی ہے کہ مسافر کے لئے تین دن تین رات مسح کرنا جائز ہے اور مقیم کے لئے ایک دن اور ایک رات کی اجازت ہے۔ (۳)

حضرت حسن بصری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ میں نے ستر صحابہ سے ملاقات کی ہے سب موزوں پر مسح جائز سمجھتے تھے۔

حضرت علی ؓ سے روایت ہے:

(۱) مصباح الفرائد

(۲) ابن ماجه ، كتاب الطهارة ، باب ما جاء فى التوقيت فى المسح للمقيم والمسافر ح: ۵۵۲

(۳) ابن ماجه ، كتاب الطهارة ، باب ما جاء فى التوقيت فى المسح للمقيم والمسافر ح: ۵۵۶

شرح عقائد نسفى : ۱۶۴

لَوْ كَانَ الدِّيْنُ بِالرَّأْيِ لَكَانَ اَسْفَلُ الْخُفِّ اَوْلٰى بِالْمَسْحِ مِنْ اَعْلَاهُ، وَ قَدْ رَأَيْتُ رَسُوْلَ الله يَمْسَحُ عَلٰى ظَاهِرِ خُفَّيْهِ .(۱)

کہ اگر دین صرف رائے اور عقل ہی پر موقوف ہوتا تو موزوں کے اوپر مسح کرنے سے مسح کرنا بہتر ہوتا اور میں نے خود رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے موزوں کے اوپر مسح کرتے تھے۔

حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کتاب الوصیۃ میں فرماتے ہیں:

نُقِرُّ بِاَنَّ الْمَسْحَ عَلَى الْخُفَّيْنِ وَاجِبٌ لِلْمُقِيْمِ يَوْمًا وَ لَيْلَةً وَ لِلْمُسَافِرِ ثَلَاثَةَ اَيَّامٍ وَ لَيَالِيْهَا لِاَنَّ الْحَدِيْثَ وَرَدَ هٰكَذَا فَمَنْ اَنْكَرَ فَاِنَّهُ يُخْشٰى عَلَيْهِ الْكُفْرُ لِاَنَّهُ قَرِيْبٌ مِنَ الْخَبَرِ الْمُتَوَاتِرِ . (۲)

ہم اقرار کرتے ہیں کہ موزوں پر مسح کرنا ایک دن اور ایک رات مقیم کے لئے ضروری ہے اور مسافر کے لئے تین دن اور تین راتیں کیونکہ حدیث میں ایسا ہی وارد ہوا ہے جو اس کا انکار کرے اس کے کفر کا خوف ہے کیونکہ مسح والی حدیث متواتر کے قریب ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اہل سنت و جماعت کی بابت سوال ہوا تو انہوں نے فرمایا اہل سنت وہ ہے جو شیخین (ابو بکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ) سے محبت کرے اور خَتَنَیْن (عثمان رضی اللہ عنہ و علی رضی اللہ عنہ) پر کسی قسم کا طعن نہ کرے اور موزوں پر مسح کا جائز سمجھے لہذا جو مسح کو جائز نہ سمجھے وہ بدعتی ہے اور اہل سنت سے نہیں ہے۔

(۱) ابو داؤد، کتاب الطهارة، باب کیف المسح ح : ۱٦۲
مشكوٰة المصابيح ، باب المسح على الخفين ، الفصل الثالث : ٥٢

(۲) طبقات السنية ۱: ۱۸۲

وَلَا نُحَرِّمُ نَبِيْذَ التَّمَرِ

ور ہم نبیذ کو حرام نہیں کہتے ۔ (۱)

نبیذ تمر کی حلت

ح: (۱) نبیذ تمر (کھجوروں کا پانی) اس کو کہتے ہیں کہ خرمے یا کھجور کو پانی میں تر کر کے رکھ یں یہاں تک کہ اس میں ذرا سی تیزی آجائے اور اگر اتنا رہنے دیں کہ جوش کھا کر مسکر و کیف ہو جائے تو حرام۔ (۱)

صدر الشواہد میں ہے کہ نبیذ کی تعریف یہ ہے کہ مٹی کے برتن میں پانی ڈال کر اس یں خرما (چھوارے) خشک یا انگور خشک ڈال دیا جائے پھر ایک دو روز کے بعد اس کو ہلا کر اف کیا جائے پھر اس کو بجائے شربت کے پیا جائے البتہ نبیذ میں تیزی ضرور ہوتی ہے جیسے کہ جو کی شراب میں ہوتی ہے ابتداء اسلام میں اس کو منع کیا گیا تھا اس وجہ سے کہ اس کو مٹی کے رتن میں تیار کرتے تھے اور وہ مٹی کے شراب کے لئے مخصوص تھے اور شراب کی حرمت نازل وچکی تھی اس کے تیار کرنے کے برتن بھی ممنوع ہو چکے تھے بعد میں نبیذ اور اس کے برتنوں کا ستعمال جائز کیا گیا اور حرمت منسوخ کی گئی پس اہلسنت کے نزدیک نبیذ حلال ہے اور افض اس کو حرام سمجھتے ہیں۔ اہل سنت کے نزدیک جب مسکر ہو جائے تو اس کا قلیل اور کثیر ستعمال کرنا سب حرام ہے۔

(۱) مصباح العقائد

وَلَا یَبْلُغُ وَلِیٌّ دَرَجَةَ الْاَنْبِیَاءِ.

اور نہیں پہنچتا کوئی ولی نبیوں کے مرتبہ کو(۱)۔

کوئی ولی درجہ نبوت کو نہیں پہنچ سکتا۔

شرح: (۱) یعنی ولی کتنا ہی بڑا صاحب کرامت ہو وہ نبیوں کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا۔

(۱) کیونکہ اس کو ہر پیغمبر پر ایمان لانا فرض ہے اور ظاہر ہے کہ جس پر ایمان لایا جائے گا وہ ایمان لانے والے کی نسبت ضرور افضل ہوگا۔

(۲) دوسرے ولی خوف خاتمہ سے بری نہیں مگر پیغمبر مامون العاقبہ ہیں۔

(۳) تیسرے سارے پیغمبر معصوم ہیں اور ولی معصوم نہیں ہے۔

(٤) چوتھے اللہ تعالیٰ پیغمبروں کے پاس وحی بھیجتا ہے اور فرشتوں سے ملاقات ہوتی ہے مگر ولی کیلئے وحی نہیں آتی اور فرقہ کرامیہ جو ولی کو نبی سے افضل سمجھتا ہے وہ کفر اور گمراہی ہے۔ (شرح العقائد النسفية ١٦٦،١٦٥)

نبیوں کا مرتبہ ومقام ہر اعتبار سے بلند وبالا اور سب سے اعلیٰ ہوتا ہے ولی تو صحابی کے برابر نہیں ہوسکتا تو نبیوں کے برابر صفتوں اور وصفوں میں کب ہوسکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ انبیاء کی شان میں فرماتا ہے:

﴿وَ اِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ﴾ [ص ٣٨:٤٧]

اور وہ (سب) ہماری بارگاہ میں ضرور برگزیدہ پسندیدہ بندوں میں سے ہیں۔

امام جعفر طحاوی فرماتے ہیں:

وَ لَا نُفَضِّلُ اَحَدًا مِنَ الْاَوْلِيَاءِ عَلٰى اَحَدٍ مِنَ الْاَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ وَ نَقُوْلُ : نَبِيٌّ وَاحِدٌ اَفْضَلُ مِنْ جَمِيْعِ الْاَوْلِيَاءِ . (العقيدة الطحاوية ١٩)

اور ہم اللہ کے ولیوں میں سے کسی کو نبیوں پر فضیلت نہیں دیتے اور ہم کہتے ہیں کہ ایک نبی تمام ولیوں سے افضل ہے۔

وَ لَمْ يَفْضُلْ وَلِيٌّ قَطُّ دَهْرًا   نَبِيًّا اَوْ رَسُوْلًا فِي انْتِحَالِ

اور کبھی زمانہ بھر میں کوئی ولی (کسی مذہب) کی نسبت میں نبی یا رسول سے بہتر نہیں ہوا۔

وَلَا يَصِلُ الْعَبْدُ اِلٰى حَيْثُ يَسْقُطُ عَنْهُ الْاَمْرُ وَالنَّهْيُ

اور نہیں پہنچتا بندہ اس درجہ تک کہ دور ہو جائیں اس سے امر اور نہی احکام شرعی(۱)۔

حد عبدیت

شرح: (۱) کیونکہ جس قدر خطابات تکلیف شرعی میں وارد ہیں سب عام ہیں۔ اس میں کسی کی کوئی خصوصیت نہیں ہے۔ سب پر احکام شرع کی پابندی لازم ہے خواہ نبی ہو، ولی ہو یا عام مومن ہو۔

نیز قرآن مجید فرقان حمید میں ارشاد خداوندی ہے:

﴿وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ﴾ [الحجر ١٥:٩٩]

اور اپنے رب کی عبادت کیجئے یہاں تک کہ آپ کے پاس پیغام اجل آجائے۔

یہ آیت شریفہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ہر شخص موت تک تکلیف عبادت کا مکلّف ہے۔ مفسرین کا اتفاق ہے کہ یہاں یقین سے مراد موت ہے بعض گمراہ لوگ جن کو مباحین (ہر چیز کو جائز قرار دینے والے) کہتے ہیں ان کا خیال ہے کہ جب بندہ صدق دل سے ایمان لائے، محبت رکھے دل کی صفائی حاصل ہو جائے تو اس سے امر ونہی (احکام) ساقط ہو جاتے ہیں اور اس کے لئے ہر گناہ مباح ہوتا ہے اور اس کو بسبب گناہ کے اللہ تعالیٰ دوزخ میں نہیں ڈالے گا اور ان میں بعض تو کہتے ہیں کہ اس درجہ میں عبادات ظاہری اس کے ذمہ سے دور ہو جاتی ہے صرف تفکرات فی الآیات اس کی عبادت ہوتی ہے۔ شیعہ اسماعیلیہ

میں سے بھی بعض فرقوں کا عقیدہ یہ ہے کہ امام کے لئے سارے محرمات حلال ہیں وہ جو کچھ چاہے کرسکتا ہے اس پر کسی بات کا مواخذہ نہیں یہ کفر وگواہی اور جہالت ہے۔ (۱)

امام حجۃ السلام رحمہ اللہ نے فرمایا:

کہ ایسے شخص کا قتل کر دینا سو کافروں کے قتل سے بہتر ہے۔(۲)

کیونکہ سب سے زیادہ محبت الٰہی اور صفائی قلب اور ایمان میں انبیاء علیہم السلام کامل ہیں خصوصاً سید عالم ﷺ ہر کمال میں اکمل تھے مگر ان سے تکلیف شرعی ساقط نہیں ہوتی بلکہ زیادہ تھی۔

حضرت مغیرہ ؓ سے روایت ہے کہ آپ شب بیداری میں اس قدر تکلیف اٹھاتے تھے کہ آپ کے پاؤں متورم ہو جاتے تھے جب کوئی کہتا کہ آپ تو گناہوں سے پاک ہیں پھر اس قدر کیوں تکلیف اٹھاتے ہیں؟ جواب میں فرماتے:

اَفَلَا اَكُوْنَ عَبْدًا شَكُوْرًا.

کیا میں شکر کرنے والا بندہ نہ ہو جاؤں۔

(۱) مصباح العقائد (۲) عین الهدایه

وَالنُّصُوْصُ تُحْمَلُ عَلٰى ظَوَاهِرِهَا وَالْعُدُوْلُ عَنْهَا اِلٰى مَعَانٍ يَدَّعِيْهَا اَهْلُ الْبَاطِنِ اِلْحَادٌ وَكُفْرٌ ، وَرَدُّ النُّصُوْصِ كُفْرٌ

اور نصوص (۱) (قرآن وحدیث) کے ظاہر معانی لئے جائیں گے اور ان سے ایسے معانی کی طرف پھیرنا جن کا اہل باطن دعوی کرتے ہیں کفر اور بے دینی ہے اور آیات قرآنیہ کا انکار کفر (۲) ہے۔

نصوص کے ظاہری معنی

شرح: (۱) نصوص، نص کی جمع ہے۔

يُرَادُ بِالنَّصِّ هٰهُنَا لفظ الاية او الحديث لا مَا يُقَابِلُ الظَّاهِرَ وَالْمُفَسَّرَ وَالْمُحْكَمَ.

یہاں نص سے مراد لفظ آیت یا حدیث ہے نہ وہ جو ظاہر و مفسر اور محکم کے مقابل ہے۔

علامہ سعد الدین تفتازانی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

آیات اور احادیث کے ظاہری معانی لئے جائیں گے جب تک کہ دلیل قطعی، ان سے غیر جانب کی طرف نہ پھیرے جیسے وہ آیات جن کے ظاہری معنی سے اللہ تعالیٰ کے لئے جہت اور جسم لازم آتا ہے ان کو ضرور غیر ظاہر پر محمول کیا جائے گا۔(۲)

شرح النسفیہ میں ہے کہ مصنف کی عبارت کا موضوع دو حکموں پر مشتمل ہے۔

(۱) شرح النسفية : ۲۳۵

(۲)شرح العقائد النسفه : ۱۶۷

(١) عَدَمُ جَوَازِ تَفْسِيرِ النُّصُوصِ الْقُرْآنِيَةِ وَالْاَحَادِيْثِ النَّبَوِيَّةِ بِمَعَانٍ تَتَنَافَى مَعَ الْقَوَاعِدِ الْعَامَّةِ لِلْعَقِيْدَةِ اَوْ لِتَعَالِيْمِ الْاِسْلَامِيَةِ مِثْلُ تَفْسِيْرِ الصِّيَامِ بِاَنَّهُ كِتْمَانُ الْاَسْرَارِ .(١)

کہ نصوص آیات قرانیہ اور احادیث نبویہ کی تفسیر کا عدم جواز ہے جب کہ ایسے معانی کئے جائیں جو قواعد عامہ عقیدہ کے لئے اور تعلیم اسلامیہ کے منافی ہوں جیسے (روزہ) صیام تفسیر رازوں کے چھپانے سے کی جائے۔

اور فرقہ باطنیہ اس لئے بے دین ہے کہ وہ نصوص کو ظاہری و متفق معنوں سے پھیرتا ہے۔

(٢) نصوص کے رد کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ان احکام کا انکار کیا جائے جن پر قرآن اور احادیث نبویہ دلالت کرتی ہے مثلاً اجسام کے حشر کا انکار کرنا کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی تکذیب ہے اور یہ امر موجب کفر ہے اسی طرح حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو زنا کی طرف منسوب کرنا کفر ہے اور یہ عیب لگانے والا کافر ہے کیونکہ ان کی عصمت، طہارت اور پاکیزگی اللہ تعالیٰ نے سورہ نور میں فرمائی ہے اور ان پر تہمت لگانا خدا تعالیٰ کی تکذیب اور کفر بھی ہے۔ اسی طرح دیگر مسائل اعتقادیہ قطعیہ کا انکار کفر ہے جیسے ختم نبوت کا انکار، جنت و دوزخ اور عذاب قبر وغیرہ کا انکار کفر ہے۔

(١) شرح النسفية فى عقيدة الاسلامية : ٢٢٥

وَ اِسْتِحْلَالُ الْمَعْصِيَةِ كُفْرٌ
وَالْاِسْتِهَانَةُ بِهَا كُفْرٌ وَالْاِسْتِهْزَاءُ عَلَى الشَّرِيْعَةِ كُفْرٌ

اور گناہ کو حلال جاننا کفر ہے۔(١) اور گناہ کو ہلکا جاننا کفر ہے(٢) اور شریعت کا مذاق اڑانا کفر ہے(٣)۔

گناہ کو حلال اور ہلکا جاننا کفر ہے۔

شرح: (١) استحلال کے معنی یہ ہیں کہ دل میں ڈر اور خوف اس گناہ کے عذاب کا نہ رہے اور اس کے اعتقاد میں اس کی برائی دور ہو جائے گو یہ جانتا ہو کہ یہ گناہ گناہ ہے۔ خواہ گناہ صغیرہ ہو یا کبیرہ اور وہ گناہ دلیل قطعی سے ثابت ہو تو نصوص (قرآن وحدیث) کا رد وانکار کفر ہے۔ اگر کوئی شخص غلبہ خواہش اور بتقاضاء بشریت گناہ کا ارتکاب کر بیٹھے تو بہر حال اسے گناہ کو گناہ سمجھنا چاہیے اور بارگاہ ایزدی میں اپنی گنہگاری او تقصیر کا اعتراف کرے۔

(٢) یعنی گناہ کو ہلکا جاننا اور اس کا ارتکاب کرنا کفر ہے ایک نسخہ میں اِلْاِسْتِهَانَةُ بِهَا کی بجائے وَ اِسْتِخْفَافُهَا ہے اور اس کو ہیچ وہلکا سمجھنا کفر ہے۔

(٣) یعنی شریعت کا مذاق اڑانا اور احکام شرع کی توہین کرنا کفر ہے کیونکہ دراصل یہ شریعت کو جھٹلانے اور اس سے انکار کرنے کی علامت ہے۔

وَالْيَأْسُ مِنَ اللّٰهِ كُفْرٌ

اللہ کی رحمت سے نا امیدی کفر ہے۔(۱)

اللہ کی رحمت سے نا امیدی کفر ہے۔

(۱) یعنی اس بات پر یقین کر لینا کہ اللہ تعالیٰ میرے گناہ نہ بخشے گا اور یہ نا امیدی اور مایوسی دنیاوی کاموں میں ہو یا اُخروی بہرصورت یہ کفر ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

﴿......اِنَّهٗ لَا يَايْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ۝﴾ [یوسف ۱۲:۸۷]

بیشک اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں ہوتے مگر کفر کرنے والے لوگ۔

معلوم ہوا کہ کافر لوگ اللہ کی رحمت سے مایوس ہوتے ہیں مسلمان خواہ جس قدر گناہ گار اور معصیت کار ہوں انہیں کسی صورت میں بھی اللہ کی رحمت سے نا امید نہیں ہونا چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ توبہ کی توفیق عطا فرمائے گا اور اگر وہ توبہ کو بھی نہیں سمجھتا تو ممکن ہے اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہی اس کے گناہوں کو معاف کر دے۔ ارشاد باری ہے:

﴿قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ۝﴾ [الزمر ۳۹:۵۳]

آپ فرما دیجئے اے میرے وہ بندو جو زیادتیاں کر چکے اپنی جانوں پر اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو بیشک اللہ سب گناہ معاف کر دیتا ہے بیشک وہی بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے

رقم الحروف حضرت شیخ فرید الدین عطار رحمہ اللہ کی مناجاتیہ اشعار عرض کرتا ہے۔

مغفرت دارد امید لطف تو　　زانکہ خود فرمودہ لَا تَقْنَطُوْا

بحر الطاف تو بے پایاں بود　　نا امید از رحمت شیطان بود

وَالْاَمْنُ مِنَ اللّٰهِ كُفْرٌ

اور اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بے خوف ہونا کفر ہے۔(۱)

بے خوفی کفر ہے۔

شرح: (۱) ایک نسخہ میں یوں بھی آیا ہے۔ وَالْاَيْمَنُ مِنَ اللّٰهِ كُفْرٌ یعنی اللہ کے عذاب وغضب سے بے خوف ہونا کفر ہے۔

اللہ تعالیٰ یوں ارشاد فرماتا ہے:

﴿......فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ۝﴾ [الاعراف ۷:۹۹]

تو اللہ کی خفیہ تدبیر سے بے خوف نہیں ہوتے مگر وہی لوگ جو تباہ ہونے والے ہیں۔

کیونکہ عیش و عشرت میں پڑ کر ایک فریب میں مبتلا ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں ڈھیل دے دیتا ہے اور معصیت میں کھلا چھوڑ دیتا ہے حتیٰ کہ ناز و نعمت اور عیش و عشرت کے دروازے ان پر کھول دیتا ہے تاکہ وہ مغرور ہو جائیں خدا تعالیٰ سے غافل ہو جائیں حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اچانک انہیں اس طرح پکڑ لیتا ہے کہ انہیں اس کا وہم و گمان بھی نہیں ہوتا ہے۔

امام ابو جعفر طحاوی فرماتے ہیں: وَالْاَمْنُ وَالْيَأْسُ يَنْقُلَانِ عَنْ مِلَّةِ الْاِسْلَامِ وَ سَبِيْلُ الْحَقِّ بَيْنَهُمَا لِاَهْلِ الْقِبْلَةِ .

اور نہ ڈرا اور نا امید نہ ہونا یہ دونوں باتیں ملت اسلام اور حق سے نکال دیتی ہیں اہل قبلہ کو۔

امید و بیم: علماء فرماتے ہیں کہ ایمان امید و خوف کی درمیان حالت کی نام ہے۔

چنانچہ تکمیل الایمان میں ہے: وَالْاِيْمَانُ بَيْنَ الْخَوْفِ وَالرَّجَاءِ.

ایمان خوف اور امید کے درمیان ہے۔

صاحب شرح الطحاویہ فرماتے ہیں:

وَ اِنَّ الْخَوْفَ وَالرَّجَاءَ بِمَنْزِلَةِ الْجَنَاحَيْنِ لِلْعَبْدِ فِيْ سَيْرِهٖ اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى وَ اِلَى الدَّارِ الْاٰخِرَةِ ۔ (شرح عقيدة الطحاوية ۱: ۷۹۱)

خوف اور امید، اللہ تعالیٰ اور دار آخرت کی طرف چلنے میں بندے کے لئے دو بازوؤں کی طرح ہے۔

علماء کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کی امید ایسی ہونی چاہیے کہ اگر کوئی سنے کہ ایک شخص جنت میں جائے گا تو سننے والا یہ امید رکھے کہ وہ میں ہی ہوں گا اور ڈر کی کیفیت ایسی ہونی چاہیے کہ اگر جان لے کہ ایک آدمی کے سواء دوزخ میں کوئی نہیں جائے گا تو ایسا ڈرے اور یہ خیال کرے کہ وہ میں ہی ہوں گا۔ زندگی کی حالت میں خوف کا غلبہ ہونا چاہیے اور موت کے وقت امید رکھے یہ علامت نیک بختی کی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ وَ اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ [المائدہ۵:۹۸]

جان لو کہ اللہ کا عذاب سخت ہے اور یہ کہ اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے

نومید مشو کہ رحمت حق عام است — مغرور مشو کہ خاصگان در بیم است

اہل قبلہ کی تکفیر:

اہل السنّت والجماعت کے قواعد وعقائد میں سے یہ بھی ہے کہ اہل قبلہ کو کافر نہ کہا جائے

اہل قبلہ کے لغوی معنی یہ ہیں کہ جو شخص کعبہ کی طرف نماز پڑھتا ہے یا کعبہ کو اپنا قبلہ مانتا ہے۔ اور متکلمین کی اصطلاح میں اہل قبلہ وہ شخص ہے جو ضروریات دین کی تصدیق کرتا ہے۔ یعنی ان امور کی تصدیق کرتا ہے جن کا ثبوت شریعت میں معلوم ہو اور مشہور ہو گیا ہو پس جس نے ضروریات دین میں سے کسی کا انکار کیا جیسے حدوث عالم، حشر اجساد، اللہ تعالیٰ کے متعلق علم جزئیات کا، نماز اور روزہ

کی فرضیت اور (ختم نبوت) تو وہ اہل قبلہ سے نہیں ہوگا اگرچہ وہ ظاہری اطاعت میں کوشش کرتا ہو اور اسی طرح جس میں تکذیب کی علامتیں پائی جاتی ہوں جیسے بت کو سجدہ کرنا، کسی شرعی امر کی اہانت کرنا اور مذاق اڑانا تو ایسا شخص اہل قبلہ میں سے نہیں ہے اور اہل قبلہ کی تکفیر نہ کرنے کا معنی یہ ہے کہ ایسے اہل قبلہ کو کافر نہ کہا جائے جو گناہ کا ارتکاب کرتا ہو اور نہ امور خفیہ غیر مشہورہ کے انکار کے سبب۔(۱)

امام جعفر طحاوی علیہ الرحمہ مسئلہ عدم تکفیر اہلِ قبلہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وَ لَا نُكَفِّرُ اَحَدًا مِّنْ اَهْلِ الْقِبْلَةِ بِذَنْبٍ مَا لَمْ يَسْتَحِلَّهٗ (العقيدة الطحاويه ۱۲)

اور ہم قبلہ والوں میں سے کسی کو گناہ کی وجہ سے کافر نہیں کہتے جب تک اس گناہ کو حلال جان کر نہ کریں۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اس مسئلہ کے متعلق فرماتے ہیں:

وَ لَا نُكَفِّرُ اَحَدًا مِّنْ اَهْلِ الْقِبْلَةِ. اور ہم اہل قبلہ سے کسی کو کافر نہیں کہتے۔

اہل قبلہ کو یعنی وہ لوگ جو نماز قبلہ رو ہو کر ادا کرتے ہوں، کتاب وسنت پر ایمان رکھتے ہوں اور خدا اور اس کے رسول کی وحدانیت ورسالت کی شہادت کا اقرار کرتے ہوں کافر نہیں کہنا چاہیے اگرچہ ان کے بعض کلمات سے کفر بھی لازم آئے۔ ولیکن ایسے کفریہ کلمات پر تواتر سے اقرار کرنے والے کو ضرور کافر کہنا پڑے گا۔ جہاں تک ہو سکے مسلمانوں کے ایسے کلمات کی توجیہہ وتوضیح ہمیشہ اچھے الفاظ میں کرنا چاہیے اور تکفیر وتغلیظ کو وظیفہ نہیں بنانا چاہیے۔

حدیث پاک میں آیا ہے کہ جو شخص دوسرے کو کافر کہتا ہے اگر وہ نفس الامر میں کافر نہ ہوگا تو کافر کہنے والا یقینی طور پر کافر ہو جائے گا اور لعنت کا حکم بھی یہی ہے اگر وہ لعنت کا مستحق نہیں تو بولنے والا ضرور لعنتی ہوگا۔ چنانچہ تکفیر اور لعنت ملامت میں جہاں تک ہو سکے احتیاط کرنا ضروری ہے۔(۲)

(۱) النبراس ۵۷۲-۵۷۱

(۲) تکمیل الایمان ۱۸۱-۱۸۰

وَ تَصْدِيْقُ الْكَاهِنِ بِمَا يُخْبِرُهٗ عَنِ الْغَيْبِ كُفْرٌ

کاہن کی بات کو سچا ماننا جو غیب کی خبر دے کفر ہے۔

کاہن ونجومی کی تصدیق

شرح:(۱) اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ط......﴾ (۱)

فرما دیجئے (بذات خود) غیب نہیں جانتا جو کوئی آسمانوں اور زمینوں میں ہے اللہ کے سوا۔

کہ غیب کی باتوں پر اطلاع ایسا وصف ہے کہ جو صرف اللہ تعالیٰ ہی کا خاصہ ہے بندے اس کو ہرگز حاصل نہیں کر سکتے ہاں البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اطلاع ہو جائے یا معجزہ اور کرامت کے طریقہ پر الہام ہو جائے یا ان علامات کے ساتھ استدلال کرنے کیلئے جن میں یہ ممکن ہو، لہذا اللہ تعالیٰ کے بتائے بغیر حصول علم اور غیبی خبروں کا دعوی کرنا اور اس کی تصدیق کرنا ناجائز ہے۔

نبی مکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

مَنْ اَتٰى كَاهِنًا اَوْ عَرَّافًا فَصَدَّقَهٗ بِمَا يَقُوْلُ فَقَدْ كَفَرَ بِمَا اُنْزِلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ . (۲)

جو کاہن کے پاس جائے اور اس کے کہنے (بات) کو سچا جانے تو بے شک اس نے کفر کیا ہے اس کے ساتھ جو حضرت محمد ﷺ پر نازل ہوا۔

(۱) [النمل۲۷:۶۵]

(۲) مسند احمد ، ح :۹۷۸٤ ، الجامع الصغير : ۸۲۸۵

ایک اور حدیث میں نبی رحمت ﷺ نے فرمایا:

مَنْ اَتٰى حَائِضًا اَوِ امْرَاَةً فِيْ دُبُرِهَا اَوْ كَاهِنًا فَصَدَّقَهٗ فَقَدْ بَرِئَ مِمَّا اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى مُحَمَّدٍ . (۱)

جو کسی حائضہ بیوی سے یا عورت کی دبر سے وطی کرے یا کسی کاہن کے پاس آئے اور اس کی بات کو سچا مانے جو وہ کہتا ہے...... تو بیزار ہوا اس چیز سے جو محمد ﷺ پر اتارا گیا ہے۔

کاہن اس کو کہتے ہیں جو آئندہ ہونے والی خبر کی اطلاع دے اور غیب کے علم کا دعویٰ کرتا ہو ایسے شخص کی خبر کی تصدیق کرنا کفر ہے۔ عرب میں کاہن لوگ بہت تھے ان کا دعویٰ تھا کہ ہم آئندہ آنے والے امور کو جانتے ہیں بعض ان میں سے کہا کرتے تھے کہ ہمارا جاسوس جن ہے اور وہ ہمیں خبر دیتا ہے، بعض ان میں سے کہتے تھے کہ ہمیں ایسی سمجھ دی گئی ہے جس سے ہم امور مستقبلہ کو جان سکتے ہیں اگر کوئی نجومی آئندہ کے علم کا دعوی کرے وہ بھی کاہن جیسا ہے۔

حدیث ابن مسعود ؓ میں منجم، کاہن وکاہنہ، اور ساحر وساحرہ کو کافر فرمایا گیا ہے معلوم ہوا فعلِ منجم، کہانت اور سحر تینوں کفر ہیں۔ کاہن کی حقیقت یہ ہے کہ بعض انسانوں کو بعض شیطانوں سے مناسبت حاصل ہو جاتی ہے اور وہ نفوس شیطانی ملائکہ کی مجلسوں سے جن میں آئندہ کے کاموں کی تدبیریں مذکور ہوتی ہیں چوری سے کچھ کچھ سن کر اس اپنے دوست سے بیان کر دیتے ہیں اور پھر وہ شخص اس بات کو لوگوں سے بیان کرتا ہے۔

کاہنوں کا علم کافی اور غیب کی تمام قسموں کو محیط نہیں ہوتا کیونکہ ان کے علم کی جڑ، تو ملائکہ کی باتوں میں سے کچھ چوری [illegible]ن آنا ہے اور وہ صرف آئندہ امور کے متعلق جن کی

(۱) مسند احمد : ۹۵۲۸

الجامع الصغير : ۸۲۸۸

تدبیر اور جاری کرنے کے لئے اللہ کی طرف سے ان کو حکم آتا ہے اسی وجہ سے ان کی خبروں میں اس واقعہ کا پورا پورا بیان بھی نہیں ہوتا بلکہ دو ایک کلمے ایسے جو اصل واقعہ پر بطور رمز و اشارہ کے دلالت کرتے ہوں ان کے ہاتھ لگ جاتے۔ پھر کبھی اپنی طرف سے اس بات میں مشاق ہو جانے کی وجہ سے قیاس عقلی سے کچھ بڑھا دیتے ہیں تو کبھی وہ بات ان کی قیاس کے موافق ظہور میں آتی ہے اور کبھی نہیں۔ یہ شیطانی معاملہ، آنحضرت ﷺ کی ولادت سے قبل عرب میں بہت جاری تھا۔ آپ ﷺ کے مبعوث ہونے کے بعد کہانت کم ہوگئی۔ (۱)

عقیدۃ الطحاویہ میں ہے:

وَ لَا نُصَدِّقُ كَاهِنًا وَ لَا عَرَّافًا ، وَ لَا مَنْ يَدَّعِي شَيْئًا يُخَالِفُ الْكِتَابَ وَالسُّنَّةَ وَ إِجْمَاعَ الْأُمَّةِ . (۲)

اور ہم کسی کاہن اور عراف (گم شدہ) چیزیں بتانے والے کی تصدیق کرتے۔ جو کتاب وسنت اور اجماع امت کے خلاف کسی بات کا مدعی ہو۔

(۱) مصباح العقائد: ۱۳۲

(۲) العقیدۃ الطحاویۃ: ۱۹

وَالْمَعْدُوْمُ لَيْسَ بِشَيْءٍ

اور معدوم کوئی چیز نہیں ہے۔

معدوم (نہ ہونا)

شرح: (۱) کہ معدوم کچھ چیز نہیں کہ اس پر بحث کی جائے۔ معدوم (نہ ہونا) موجود کی ضد ہے اور الشی کے معنی موجود ہونے کے ہیں۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے حالت عدم شئ کی نفی فرمائی ہے:

﴿.....وَ قَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَ لَمْ تَكُ شَيْئًا۝﴾ (۱)

اور اس سے پہلے میں نے تمہیں بنایا جب تم کچھ بھی نہ تھے۔

ایک اور مقام میں ارشاد ربانی ہے:

﴿اَوَلَا يَذْكُرُ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ وَ لَمْ يَكُ شَيْئًا۝﴾ (۲)

کیا انسان کو یاد نہیں کہ ہم نے اس سے پہلے اسے پیدا کیا اور وہ کچھ نہ تھا۔

سورہ دہر میں حق تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا۝﴾ (۳)

یقیناً انسان پر زمانے میں ایک ایسا وقت بھی آچکا ہے۔ جس میں وہ قابل ذکر چیز نہ تھا

ان آیات کریمہ سے معلوم ہوا کہ جو شئی معدوم ہو اس پر شئ کا اطلاق نہیں کیا جاتا۔

ہاں جس چیز کا وقوع اور تحقق بعد میں ضروری ہو اس پر شئی کا اطلاق مجازی طور پر ہوگا۔

فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿.....اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ۝﴾ (٤)

(۱) [مریم ۱۹:۹] (۲) [مریم ۱۹:۶۷] (۳) [الدھر ۷۶:۱] (٤) [الحج ۲۲:۱]

بیشک قیامت کا زلزلہ بڑی (بھاری) چیز ہے۔

یا یہ کہ شی کا اطلاق زلزلہ کے وقوع کے بعد ہوگا نہ کہ بصورت عدم۔

خیال رہے کہ موجودہ چیزوں کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) موجود قدیم اور وہ حق تعالیٰ ہے۔

(۲) موجود حادث وہ مخلوق ہے۔

یہاں عدم و موجود حادث چیزوں کے مقابل بولا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ واجب الوجود اور موجود ازلی ہے اس لئے قرآن مجید میں لفظ شی کا اطلاق اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھی ہوا ہے۔

﴿ قُلْ اَیُّ شَیْءٍ اَکْبَرُ شَهَادَةً ؕ قُلِ اللّٰهُ قف شَهِیْدٌۢ بَیْنِیْ وَ بَیْنَكُمْ قف...... ﴾ (۱)

آپ فرمایئے کون ہے سب سے بڑا گواہی میں فرمایئے اللہ گواہ ہے میرے اور تمہارے درمیان۔

اور یہ بحث کوئی عقائد اسلامیہ اور خدمت دین دے علاقہ نہیں رکھتی اس لئے اس پر زیادہ بحث کو ضروری نہیں سمجھا گیا ہے۔

(۱) [الانعام۶:۱۹]

وَ فِیْ دُعَاءِ الْاَحْیَاءِ لِلْاَمْوَاتِ وَصَدَقَتِهِمْ عَنهُمْ نَفْعٌ لَّهُمْ

اور زندوں کے دعا کرنے میں مردوں کے لئے (۱) اور ان کے صدقہ (۲) دینے میں مردوں کی طرف سے نفع (فائدہ) ہے ان (مُردوں) کے لئے۔

دعوات وصدقات کی افادیت

شرح: (۱) یعنی مُردوں کو زندوں کی دعاؤں اور صدقات سے فائدہ ہوتا ہے اس میں معتزلہ وغیرہ کی تردید ہے جو اس کا انکار کرتے ہیں۔

امام جعفر طحاوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

وَ فِیْ دُعَاءِ الْاَحْیَاءِ وَ صَدَقَاتِهِمْ مَنْفَعَةٌ لِّلْاَمْوَاتِ . (۱)

زندہ لوگوں کی دعا اور صدقات دینے میں مردوں کے لئے فائدہ ہے۔

یعنی زندوں کی دعاؤں اور ان کے خیرات کرنے میں مُردوں کے لئے فائدہ ہے دعا کا فائدہ مردوں کے ساتھ ہی خاص نہیں ہے بلکہ زندوں کے لئے بھی فائدہ ہے اور مردوں کا خصوصیت سے ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ بعض لوگ انکار کرتے ہیں کہ دعا کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا مگر یہ غلط ہے اس لئے کہ قرآن وحدیث میں دوسروں کے لئے دعا کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔

فرمان الٰہی ہے:

﴿......وَ قُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّیٰنِیْ صَغِیْرًا ۝﴾ (۲)

اور کہنا کہ اے میرے رب! ان دونوں پر رحم فرما جیسا کہ ان دونوں نے بچپن میں مجھے پالا۔

(۱) العقیدۃ الطحاویۃ :۱۷ (۲) [اسراء۱۷:۲۴]

حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ سے دعا کرتے ہیں:

﴿رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوةِ وَ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ ۖ رَبَّنَا وَ تَقَبَّلْ دُعَآءِ ۝ رَبَّنَا اغْفِرْ لِیْ وَ لِوَالِدَیَّ وَ لِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ ۝﴾ (۱)

اے میرے رب مجھے نماز قائم کرنے والا رکھ اور میری اولاد سے (بھی) اے ہمارے رب اور میری دعا قبول فرمالے۔ اے ہمارے رب مجھے اور میرے والدین کو بخش دے اور سب ایمان والوں کو جس دن حساب قائم ہوگا۔

حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ کی بارگاہ میں عرض کیا:

﴿رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَیْتِیَ مُؤْمِنًا وَّ لِلْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ ۖ ......﴾ (۲)

اے میرے رب مجھے بخش دے اور میرے والدین کو اور اسے جو ایمان کے ساتھ میرے گھر میں داخل ہوا اور (سب) ایمان والے مردوں اور (سب) ایمان والی عورتوں کو۔

اللہ تعالیٰ قیامت تک آنے والے مسلمانوں کو ترغیب فرماتا ہے کہ تم اگلوں کے لئے ایسے دعا مانگا کرو۔

﴿......رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ......﴾ (۳)

اے ہمارے رب ہماری مغفرت فرما اور ہمارے ان بھائیوں کی جو ہم سے پہلے ایمان لاچکے ہیں۔

معلوم ہوا کہ زندوں کی دعاؤں کا مردوں کو فائدہ پہنچتا ہے اسی لئے نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے کیونکہ نماز جنازہ بھی دعا ہے۔ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِحَیِّنَا وَ مَیِّتِنَا .الخ کے ساتھ دعا کرتے

(۱) [ابراھیم ١٤:٤١-٤٠]   (۲) [نوح ٧١:٢٨]   (۳) [الحشر ٥٩:١٠]

ہیں تو دلیل اس بات کی ہے کہ دعا کا فائدہ ضرور ہے ورنہ جنازہ کی مشروعیت سے کیا فائدہ ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اِذَا مَاتَ الْاِنْسَانُ اِنْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهٗ اِلَّا مِنْ ثَلَاثَةٍ: اِلَّا مِنْ صَدَقَةٍ جَارِیَةٍ، اَوْ عِلْمٍ یُنْتَفَعُ بِهٖ ، اَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ یَدْعُوْ لَهٗ . (۱)

جب انسان فوت ہو جاتا ہے تو اس کے اعمال منقطع ہو جاتے ہیں لیکن تین عمل منقطع نہیں ہوتے۔

(۱) صدقہ جاریہ (۲) علم نافع (۳) اور نیک اولاد جو اس کے لئے دعا کرتی رہتی ہے۔

تو بیٹے کی دعا اس کا اپنا فعل ہے جس سے اس کے باپ کو فائدہ ہوتا ہے۔

دفن میت کے وقت کی دعا:

نبی رحمت ﷺ جب میت کے دفن سے فارغ ہوتے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ارشاد فرماتے:

اِسْتَغْفِرُوْا لِاَخِیْکُمْ وَ اسْأَلُوْا لَهُ بِالتَّثْبِیْتِ فَاِنَّهُ الْاٰنَ یُسْئَلُ. (۲)

تم اپنے بھائی کے لئے مغفرت چاہو اور اس کی ثابت قدمی کے لئے دعا کرو، ابھی اس سے سوال ہوگا۔

(۱) مسلم ، کتاب الوصیة ، باب ما یلحق الانسان من الثواب بعد وفاته ح :٤٢٢٣
ابو داوٗد ، کتاب الوصایا ، باب ما جاء فی الصدقة عن المیت ح :٢٨٨٠
النسائی ، کتاب الاحکام ، باب ما جاء فی الوقف ح : ١٣٧٦
مسند احمد : ح ٩٠٧٩
(۲) ابو داوٗد ، کتاب الجنائز ، باب الاستغفار عند القبر للمیت ح : ٣٢٢١

زیارت قبور کے وقت کی دعا:

اسی طرح قبروں کی زیارت کرنے کے وقت بھی دعا کرنا ثابت ہے۔

حضرت سلیمان بن بریدہ﷛ اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ انہیں تعلیم دیتے تھے کہ جب وہ قبرستان جائیں تو کہیں

اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُسْلِمِيْنَ ، وَ اِنَّا اِنْ شَاءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَاحِقُوْنَ ، نَسْاَلُ اللّٰهَ لَنَا وَ لَكُمُ الْعَافِيَةَ . (۱)

تم پر سلام ہو اے ایمان والو مسلمانو! آخرت کے گھر میں رہنے والو! بے شک ہم بھی اگر اللہ نے چاہا تو تمہارے ساتھ ملنے والے ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ سے اپنے اور تمہارے لئے عافیت کا سوال کرتے ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہے کہ انہوں نے استفسار کیا کہ جب وہ قبروں والوں کیلئے استغفار کرے تو کیا کلمات کہے آپ ﷺ نے فرمایا یہ کلمات کہو:

اَلسَّلَامُ عَلٰى اَهْلِ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَ يَرْحَمُ اللّٰهُ الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنَّا وَالْمُسْتَاْخِرِيْنَ وَاِنَّا اِنْ شَاءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَلَاحِقُوْنَ .(۲)

سلامتی ہو تم پر اے ایماندار اسلام والو آخرت کے گھر والو اللہ تمہارے اور تمہارے پہلوں اور پچھلوں پر رحم فرمائے بے شک ہم اگر اللہ نے چاہا تو تمہارے ساتھ ملنے والے ہیں۔

---

(۱) ابن ماجہ ، کتاب الجنائز ، باب ما جاء فیما یقال اذا دخل المقابر ح :۱۵۴۷

(۲) مسلم ، کتاب الجنائز ، باب ما یقال عند دخول القبور والدعا لاھلھا ح :۱۰۳

مردوں کیلئے استغفار کا فائدہ:

حضرت ابو ہریرہ﷛ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ عزوجل جنت میں اپنے نیک بندہ کا درجہ بلند کرتا ہے تو بندہ پوچھتا ہے اے میرے رب! مجھے یہ درجہ کیسے حاصل ہوا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تیرے بیٹے کے استغفار کرنے کی وجہ سے۔

حضرت عبداللہ بن عباس﷛ راوی ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا قبر میں مردہ کی حالت ایسی ہے جیسا کہ کوئی شخص ڈوب رہا ہو اور کسی کو پکار رہا ہو۔ (کوئی اس کا ہاتھ پکڑ کر پانی سے باہر نکال لے) چنانچہ وہ مردہ (اس وقت) اس بات کا منتظر رہتا ہے کہ اس کے باپ کی طرف سے یا اس کی ماں کی طرف سے یا اس کے بھائی کی طرف سے یا اس کے دوست کی طرف سے اس کو دعا پہنچے۔ پس اسے (کسی کی طرف سے) دعا پہنچتی ہے تو یہ دعا کا پہنچنا اس کیلئے دنیا اور دنیا کی تمام چیزوں سے محبوب ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ قبر والوں کو دنیا والوں کی طرف دعا کا ثواب پہاڑ کی مانند (یعنی بہت زیادہ ثواب اور رحمت و بخشش) پہنچاتا ہے۔

زندوں کی طرف سے مُردوں کیلئے بہترین ہدیہ (تحفہ) استغفار ہے۔ (مشکوٰۃ)

(۲) جس طرح دعا واستغفار سے مردوں کو فائدہ ہوتا ہے اسی طرح صدقہ وخیرات دینے سے ثواب پہنچتا ہے۔ حضرت سعد بن عبادہ﷛ کی والدہ کا انتقال ہو گیا انہوں نے پوچھا یا رسول اللہ! کون سا صدقہ سب سے افضل ہے؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: پیاسوں کو پانی پلانا سب سے بہتر ہے۔ حضرت سعد﷛ نے ایک کنواں کھدوایا اور کہا: هٰذَا لِاُمِّ سَعْدٍ یہ سعد کی ماں کے لئے ہے یعنی میں نے اسے بغرض ایصال ثواب، والدہ کیلئے وقف کر دیا ہے۔

دوسری حدیث میں آیا ہے۔

اَلدُّعَاءُ تَرُدُّ الْبَلَاءَ وَالصَّدَقَةُ تُطْفِئُ غَضَبَ الرَّبِّ.

دعا بلاء ومصیبت کو رد کرتی ہے اور صدقہ اللہ تعالیٰ کے غضب کی آگ کو بجھاتا ہے۔

یعنی دعا اور صدقہ خواہ زندوں کے لئے ہو یا فوت شدگان کے لئے دنیا اور آخرت دونوں میں اس کا مفید ہونا ثابت ہے۔

تلاوت قرآن حکیم کا ثواب:

جس طرح دعا وصدقہ کا فائدہ ہے اسی طرح تلاوت قرآن مجید کا ایصال ثواب کرنا جائز ہے کیونکہ یہ بھی ایک نیک عمل ہے تو ہر ایک نیک عمل کا ثواب مردوں کو ملتا ہے۔

شرح عقیدہ طحاویہ میں ہے کہ قرآن پاک کی تلاوت کرنا اور تطوعاً بلا اجرت اس کے ثواب کا میت کے لئے ایصال کرنا درست ہے۔ جیسا کہ روزہ حج کے ثواب کا ایصال درست ہے۔

اگر اعتراض کیا جائے کہ یہ طریق سلف میں موجود نہ تھا نیز نبی ﷺ نے بھی اس کی راہنمائی نہیں فرمائی۔

ہم جواب دیں گے اگر معترض حج، روزہ اور دعا کے ثواب کے ایصال کا قائل ہے تو ہم کہیں گے ان کے ایصال ثواب میں اور قرآن کی تلاوت کے ایصال ثواب میں کیا فرق ہے۔ ہاں سلف سے کسی عمل کا ثابت نہ ہونا اس بات کو مستلزم نہیں کہ ثواب نہیں ہوگا پھر نفی میں عمومیت نہیں ہے۔

اگر اعتراض کیا جائے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو روزے حج اور صدقہ کے ایصال ثواب کی راہنمائی تو فرمائی ہے تلاوت قرآن کے ایصال کی راہنمائی نہیں فرمائی۔

ہم جواب دیں گے کہ ان کے بارے میں بھی آپ ﷺ نے از خود کچھ نہیں فرمایا بلکہ آپ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ میت کی طرف سے حج کیا جا سکتا ہے تو آپ ﷺ نے اس کی

اجازت دی۔ نیز جب ایک انسان نے آپ ﷺ سے روزے کے بارے میں دریافت کیا تو آپ ﷺ نے اس کی بھی اجازت مرحمت فرمائی۔ دیگر چیزوں سے آپ نے منع نہیں فرمایا اور آپ بتائیں، روزے کے ایصال ثواب کے درمیان (جو نیت اور رکنے کا نام ہے) اور تلاوت قرآن اور ذکر کے ایصال ثواب کے درمیان کیا فرق ہے؟ (۱)

معلوم ہوا کہ مردوں کو تین چیزوں کا ثواب ملتا ہے (۱) دعا استغفار (۲) مالی صدقات (۳) وہ کام جو اپنی زندگی میں کئے تھے مثلاً کوئی مسجد و مدرسہ بنوایا، یا کسی کو علم دین کی تعلیم دی یا مسلمانوں کے لئے دینی نفع دینے والی کوئی کتاب تالیف کی ہو وغیرہم۔

دعا میں نیک بندوں کے وسیلہ کا جواز:

دعا کرنے والے کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ناموں کے ساتھ اور ان کے وسیلہ سے دعا کرے۔

چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

﴿وَ لِلّٰهِ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ص......﴾ [الاعراف ۷: ۱۸۰]

اور سب سے اچھے نام اللہ ہی کے ہیں تو ان (ہی) ناموں سے اسے پکارو۔

اور اعمال صالح کے وسیلہ سے بھی دعا کرنے والا کرے جیسا کہ حدیث الغار میں تین آدمیوں کے اعمال کے وسیلہ سے دعا کرنا مذکور ہے اور جس طرح نیک اعمال کو دعا میں بطور وسیلہ پیش کرنا جائز ہے اسی طرح نیک بندوں کے وسیلہ سے بھی دعا کرنا جائز ہے اور بالخصوص نبی کریم ﷺ کے وسیلہ سے دعائیں قبول ہوتی ہیں جیسے حضرت آدم علیہ السلام کی دعا قبول ہوئی اور اہل کتاب، رسول اللہ کی بعثت سے پہلے آپ ہی کے وسیلہ سے دعائیں مانگا کرتے تھے۔

(۱) شرح عقیدۃ الطحاویہ، کتاب الروح

حضرت عثمان بن حنیف ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک نابینا آدمی کو بحالت وضو یہ دعا کرنے کا حکم دیا تھا۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ وَ اَتَوَجَّهُ اِلَیْکَ بِنَبِیِّکَ مُحَمَّدٍ نَبِیِّ الرَّحْمَةِ اِنِّیْ تَوَجَّهْتُ بِکَ اِلٰی رَبِّیْ لِیُقْضٰی لِیْ فِیْ حَاجَتِیْ هٰذَا ، اَللّٰهُمَّ فَشَفِّعْهُ فِیَّ . (۱)

اے اللہ میں تجھ سے اپنا مقصد مانگتا ہوں اور متوجہ ہوتا ہوں تیری طرف تیرے نبی کے وسیلہ سے جن کا نام محمد ہے جو نبی رحمت ہیں اور میں متوجہ ہوتا ہوں اپنے پروردگار کی طرف اے نبی! (ﷺ) آپ کے وسیلہ سے تا کہ وہ میری حاجت کے بارے میں حکم کرے اور یہ کہ اے اللہ! میرے بارے میں اپنے نبی ﷺ کی شفاعت قبول فرما۔

مولوی محمد ادریس کاندھلوی نے اس کی شرح میں لکھا ہے:

وَ فِی الْحَدِیْثِ دَلِیْلٌ عَلٰی جَوَازِ التَّوَسُّلِ بِرَسُوْلِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ اِلٰی عَزَّ وَ جَلَّ. (۲)

اس حدیث میں دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں رسول اللہ ﷺ کا وسیلہ پکڑنا جائز ہے۔

امام محمد جزری رحمہ اللہ ۸۳۳ھ نے حصن حصین میں لکھا کہ آداب دعا سے ہے:

اَنْ یَّتَوَسَّلَ اِلَی اللّٰهِ تَعَالٰی بِاَنْبِیَائِهٖ وَالصَّالِحِیْنَ مِنْ عِبَادِهٖ.

کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کے نبیوں اور اس کے نیک بندوں کو وسیلہ بنائے۔

(۱) الترمذی ، کتاب الدعوات ، باب ۱۱۸ ، ح : ۳۵۷۸

ابن ماجه ، کتاب اقامة الصلوات ، باب ما جاء فی صلاة الحاجة ح : ۱۳۸۵

مشکوة المصابیح ، باب جامع الدعاء ، الفصل الثانی : ۲۱۹

(۲) التعلیق الصبیح ۳: ۱۹۵

حضرت انس ؓ بیان کرتے ہیں کہ جب لوگ قحط میں مبتلا ہوتے تو حضرت عمر بن خطاب ؓ، حضرت عباس بن عبدالمطلب ؓ کے وسیلہ سے دعا کرتے:

اَللّٰهُمَّ اِنَّا کُنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَیْکَ بِنَبِیِّنَا ﷺ فَتَسْقِیْنَا ، وَ اِنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَیْکَ بِعَمِّ نَبِیِّنَا فَاسْقِنَا قَالَ : فَیُسْقَوْنَ . (۱)

اے اللہ! تیرے پاس تیرے نبی ﷺ کا وسیلہ لے کر آیا کرتے تھے تو تو ہمیں سیراب کرتا تھا اب ہم اپنے نبی ﷺ کے چچا (عباس) کا وسیلہ لے کر آتے ہیں ہمیں سیراب کر۔ راوی کا بیان ہے کہ لوگ سیراب کئے جاتے۔ (یعنی بارش ہو جاتی)

مولوی نواب صدیق خان ''بغیۃ الرائد'' میں رقم طراز ہیں:

اَللّٰهُمَّ بِحَقِّ جَاهِ مُحَمَّدٍ اِغْفِرْ لَنَا.

اے اللہ! بوسیلہ محمد ﷺ ہمیں بخش دے۔

معلوم ہوا کہ دعا میں مقبول بندوں کے وسیلہ کو پیش کرنا بہتر ہے۔

خدایا بطفیل حبیب — معرفت خویش کنم در نصیب
ظلمت غفلت ز دلم دور کن — خانہ خراب است تو معمور کن
اِهْدِ فَیَارَبِّ سَبِیْلَ السَّدَادِ — اَنْتَ مَعَاذِیْ وَاِلَیْکَ الْمَعَادُ

(۱) البخاری، کتاب الاستسقاء ، باب سوال الناس الامام الاستسقاء اذا قحطوا ح : ۱۰۱۰

(۲) بغیة الرائد : ۹۹

وَاللّٰهُ تَعَالٰی یُجِیْبُ الدَّعْوَاتِ وَ یَقْضِی الْحَاجَاتِ.

اور اللہ تعالیٰ دعائیں قبول فرماتا ہے اور حاجتیں پوری کرتا ہے۔(۱)

قبولیت دعوات وقضاء حاجات

شرح: (۱) یعنی اللہ تعالیٰ سب کی دعائیں قبول فرماتا ہے اور سب کی دلی مرادیں اور حاجتیں پوری فرماتا ہے۔

چنانچہ فرمان خداوندی ہے:

﴿وَ قَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ......﴾ [المؤمن ٤٠: ٦٠]

اور آپ کے رب نے فرمایا مجھ سے دعا کرو میں (ضرور) قبول کروں گا۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے دعا مانگنے کا حکم دیا ہے اور قبولیت دعا کا وعدہ فرمایا ہے۔

نیز فرمایا:

﴿وَ اِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ؕ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ لا......﴾ [البقرہ ٢: ١٨٦]

اور (اے حبیب) جب میرے بندے میرے بارے میں آپ سے دریافت کریں تو (آپ فرمادیں کہ) بیشک میں (ان کے) قریب ہوں، دعا کرنے والے کی دعا کو (اپنی حکمت کے مطابق) قبول کرتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَ یَكْشِفُ السُّوْٓءَ......﴾ [النمل ٢٧: ٦٢]

بلکہ (بتاؤ) کون قبول کرتا ہے بیقرار کی دعا جب وہ اسے پکارے اور (کون) تکلیف دور کرتا ہے۔

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہی سب کی دعائیں قبول فرماتا اور تکلیفیں دور کرتا ہے اور حاجتیں بھی وہی ذات باری تعالیٰ پوری کرتا ہے۔

حدیث نبوی ہے:

اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ. (۱)

دعا عبادت کا مغز ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے اپنے اسماء الحسنیٰ کے ساتھ دعا مانگنے کا حکم دیا ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:

﴿وَ لِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی فَادْعُوْهُ بِهَا ص......﴾ [الاعراف ٧: ١٨٠]

اور سب سے اچھے نام اللہ ہی کے ہیں تو ان (ہی) ناموں سے اسے پکارو۔

حدیث شریف میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں جو ان کو یاد کرے گا وہ جنت میں داخل ہوگا۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

یُسْتَجَابُ لِلْعَبْدِ مَا لَمْ یَدْعُ بِاِثْمٍ، اَوْ قَطِیْعَةِ رَحِمٍ، مَا لَمْ یَسْتَعْجِلْ (۲)

بندہ کی دعا قبول کی جاتی ہے جب تک گناہ کی، قطع رحم کی دعا نہ مانگے یا جلدی نہ کرے۔

جلدی کرنے کا معنی یہ ہے کہ دعا کرنے والا کہے کہ میں نے تو بار ہا دعا مانگی ہے قبول نہیں ہوئی۔

ایک اور حدیث میں ارشاد نبوی ہے:

---

(۱) الترمذی، کتاب الدعوات، باب منه [الدعاء مخ العبادة] ح: ٣٣٧١

(۲) مسلم کتاب الذکر والدعاء، باب بیان انه یستجاب للداعی ما لم یعجل ح: ٩٢

اخرجه البخاری فی "الادب المفرد" (رقم ٦٥٥)

إِنَّ رَبَّكُمْ حَيِيٌّ كَرِيمٌ ، يَسْتَحْيِي مِنْ عَبْدِهِ إِذَا رَفَعَ يَدَيْهِ إِلَيْهِ ، أَنْ يَرُدَّهُمَا صِفْرًا .(١)

اللہ تعالیٰ بڑا حیا والا ہے بندہ سے حیا فرماتا ہے (جو اس کی شان کے لائق ہے) جب کہ اس کی طرف دعا کے لئے ہاتھ اٹھاتا ہے تو اس کو حیا آتی ہے کہ وہ ہاتھوں کو خالی لوٹا دے۔

یہ بھی جان لینا چاہیے کہ دعا میں سب سے بڑا رکن نیت کی صفائی دل کی حضوری ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

اُدْعُوا اللّٰهَ وَ اَنْتُمْ مُوْقِنُوْنَ بِالْاِجَابَةِ ، وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى لَا يَسْتَجِيْبُ دُعَاءً مِنْ قَلْبٍ غَافِلٍ لَاهٍ . (٢)

تم اللہ تعالیٰ سے دعا مانگو درآنحالیکہ تم دعا کی قبولیت کا پختہ یقین رکھنے والے ہو اور یقین کرلو کہ غافل اور لہو ولعب میں مشغول دل کی دعا قبول نہیں فرماتا۔

کافر کی دعا:

کافر کی دعا قبول ہونے میں مشائخ کا اختلاف ہے کہ کافر کی دعا قبول نہیں ہوتی ہے یا کہ نہیں؟ جمہور علماء فرماتے ہیں کہ کافر کی دعا قبول نہیں ہوتی۔

کیونکہ کافر کی دعا کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿......وَ مَا دُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ۞﴾ [الرعد۱۳:۱۴]

(١) ابو داؤد ، كتاب الوتر ، باب الدعاء ح : ١٤٨٨

الترمذي ، كتاب الدعوات ، باب [ان الله حيى كريم] ح : ٣٥٥٦

ابن ماجه ، كتاب الدعاء ، باب رفع اليدين في الدعاء ح : ٣٨٦٥

(٢) الترمذي ، كتاب الدعوات ، باب ٦٥ ح : ٣٤٧٩

اور کافروں کی پکار نہیں ہے مگر بھٹکنے میں۔

کہ ان کی دعا قبول نہیں ہوتی کیونکہ کافر اللہ تعالیٰ کو نہیں پکارتے اس لئے کہ وہ اس کو جانتے پہچانتے نہیں اگرچہ اس کے ساتھ وہ اقرار کریں مگر جب انہوں نے اس کا ایسا وصف بیان کیا جو اس کی اعلیٰ شان کے لائق نہیں ہے تو اقرار میں نقص ہوگیا اور ان کی جہالت ظاہر ہوئی۔ معلوم ہوا وہ اللہ تعالیٰ کو جانتے ہی نہیں ان کا وہ اقرار باطل ہوگیا اور جو حدیث میں آیا ہے کہ مظلوم کی دعا قبول ہوتی ہے اگرچہ مظلوم کافر ہو تو اس حدیث میں کافر سے مراد ناشکرا انسان ہے یعنی اس کے شکر کی ادائیگی میں قصور کرنے والا اور لفظ کفران عام ہے کہ کفر اور فسق واطاعت میں قصور کرنے والے پر بھی بولا جاتا ہے تو نبی ﷺ کے اس ارشاد کا مطلب بھی یہی ہے۔

مَنْ تَرَكَ الصَّلٰوةَ مُتَعَمِّدًا فَقَدْ كَفَرَ جِهَارًا .(الحامع الصغير ٨٥٨٧)

کہ جس نے نماز کو جان بوجھ کر چھوڑ دیا وہ کافر کھلم کھلا ہوگیا۔

تو یہاں بھی کفران نعمت مراد ہے کہ نماز پڑھنا حق تعالیٰ کا شکر ادا کرنا ہے اور ترک نماز ناشکری ہے جس کو کفران نعمت کہا جاتا ہے بعض کہتے ہیں کہ کافر کی دعا دنیاوی معاملات میں قبول ہوتی ہے مگر آخرت کے امور میں قبول نہیں ہوتی۔ واللہ اعلم بالصواب

بترس از آہ مظلوماں کہ ہنگام دعا کردن

اجابت از دوحق بہر استقبال مے آید

مگر بعض علماء فرماتے ہیں کہ کافر کی دعا کا قبول ہونا جائز ہے اور اس کی دعا قبول ہوتی ہے کیونکہ ابلیس سب کافروں سے بڑا کافر ہے۔ جب اس نے اللہ تعالیٰ سے مہلت مانگی تو اللہ نے اس کی دعا قبول فرمائی۔

چنانچہ فرمان الٰہی ہے:

﴿قَالَ اَنْظِرْنِیْٓ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ۞﴾ [الاعراف۷:۱۴]

بولا مجھے مہلت دے اس دن تک کہ لوگ اٹھائے جائیں۔

اور یہی دعا کی قبولیت ہے اور یہی مذہب ابوالقاسم حکیم اور ابونصر دبوسی کا ہے اور علامہ صدر شہید نے فرمایا کہ اسی پر فتوی ہے۔ (۱)

کہ کافر کی دعا قبول ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:

﴿وَ اِذَا غَشِیَهُمْ مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ ۚ فَلَمَّا نَجّٰهُمْ اِلَی الْبَرِّ فَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ...... ﴾ [لقمن۳۱:۳۲]

اور جب سائبانوں کی طرح انہیں موج ڈھانپ لیتی ہے تو اللہ کو پکارتے ہیں اسی کے لئے دین کو خالص رکھتے ہوئے تو جب (اللہ) انہیں بچا کر خشکی کی طرف لے آتا ہے تو کوئی ان میں سے اعتدال پر (قائم) ہے۔

جو علماء فرماتے ہیں کہ کافر کی دعائیں قبول نہیں ہوتیں وہ اس کا جواب دیتے ہیں کہ شیطان نے جو مہلت مانگی تھی اور کفار جو دعائیں مانگنے پر نجات پاتے تھے تو ان دعاؤں کا تعلق امور دنیا سے ہے۔

چنانچہ علامہ علی قاری علیہ رحمۃ الباری

﴿......وَ مَا دُعَآءُ الْكٰفِرِیْنَ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ ۞﴾ [الرعد۱۳:۱۴]

کے ماتحت لکھتے ہیں:

وَ فِیْهِ اَنَّ مَوْرِدَهٗ خَاصٌّ بِالْعُقْبٰی فَلَا یُنَافِیْ اَنْ یُّسْتَجَابَ دُعَاؤُهٗ فِیْ اَمْرِ

(۱) شرح العقائد النسفیة :۱۷۴،۱۷۳

الدُّنْیَا كَمَا یَدُلُّ عَلَیْهِ دُعَاءُ اِبْلِیْسَ وَ اِجَابَةُ سُبْحَانَهٗ لَهٗ فِی الْاِمْهَالِ. (۱)

کہ اس آیت میں کافروں کی دعا کے قبول نہ ہونے کا مورد آخرت میں ہے تو یہ اس کے منافی (خلاف) نہیں ہے کہ ان کافروں کی دعائیں دنیا میں قبول نہ ہوں جیسے ابلیس کی دعا اس پر دلالت کرتی ہے اور سبحانہ وتعالیٰ کا اس کو مہلت دینے کیلئے قبول کرنا بھی ہے۔

بہر حال اللہ تعالیٰ دعاؤں کو قبول کرتا ہے اور حاجتیں بھی پوری کرتا ہے اور دعائیں بکثرت مانگنی چاہیے کیونکہ ان میں تاثیر ہے۔

چنانچہ صاحب بدء الامالی فرماتے ہیں:

وَ لِلدَّعْوَاتِ تَاْثِیْرٌ بَلِیْغٌ
وَقَدْ یَنْفِیْهِ اَصْحَابُ الضَّلَالِ

اور دعاؤں کے لئے پوری تاثیر ہے اور اصحاب ضلال (گمراہ لوگ) اس کا انکار کرتے ہیں۔

مشکل چوں کارے مرتراید گہے میکن دعا
مغز عبادت دان دعا دارد دعا جانان ثر

(۱) شرح فقہ اکبر ملا علی القاری :

وَمَا اَخْبَرَ بِهِ النَّبِیُّ ﷺ مِنْ اَشْرَاطِ السَّاعَةِ مِنْ خُرُوْجِ الدَّجَّالِ وَدَابَّةِ الْاَرْضِ وَ یَاْجُوْجَ وَ مَاْجُوْجَ وَ نُزُوْلِ عِیْسٰی علیہ السلام مِنَ السَّمَآءِ وَطُلُوْعِ الشَّمْسِ مِنْ مَّغْرِبِهَا فَهُوَ حَقٌّ.

اور نبی ﷺ نے قیامت کی جونشانیاں بیان فرمائی ہیں وہ سب برحق ہیں (مثلاً) دجال، دابۃ الارض یاجوج اور ماجوج کا خروج، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے نزول اور سورج کا مغرب سے طلوع ہونا۔

علامات قیامت

شرح: (۱) اشراط الساعۃ، قیامت کی نشانیاں، اشراط جمع ہے شرط (دوزبروں کے ساتھ) کی بمعنی علامت ونشانی ہے۔ ساعت کا معنی قیامت کا دن ہے کیونکہ بعث کا دن باوجود طویل ہونے کے اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک ساعت ہے اس لئے اس دن کو ساعت کہتے ہیں۔

علامات قیامت کی دوقسم ہیں۔ (۱) علامات صغریٰ (۲) علامات کبریٰ

علامات صغریٰ سے مراد قیامت کی چھوٹی نشانیاں ہیں ان سے بعض ظاہر ہوچکی ہیں اور بعض کاظہور ہورہا ہے اور ہوگا جن کا سلسلہ حضرت امام محمد مہدی تک جاری رہے گا۔

علامات کبریٰ سے مراد قیامت کی بڑی بڑی علامتیں ہیں۔

حضرت مصنف نے چھوٹی چھوٹی علامتوں کا ذکر نہیں کیا ہے اور بڑی علامتوں سے بھی صرف پانچ علامات قیامت کو بیان کیا ہے اور امام طحاوی نے علامات کبریٰ میں چار کا ذکر کیا ہے فرماتے ہیں:

وَ نُؤْمِنُ بِاَشْرَاطِ السَّاعَةِ :مِنْ خُرُوْجِ الدَّجَّالِ ، وَ نُزُوْلِ عِیْسَی بْنِ

مَرْیَمَ علیہ السلام مِنَ السَّمَاءِ ، وَ نُؤْمِنُ بِطُلُوْعِ الشَّمْسِ مِنْ مَغْرِبِهَا وَ خُرُوْجِ دَابَّةِ الْاَرْضِ مِنْ مَوْضِعِهَا. (۱)

اور ہم علامات قیامت پر ایمان رکھتے ہیں یعنی دجال کا نکلنا، حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کا آسمان سے اترنا، سورج کا مغرب سے طلوع ہونا اور زمین کے جانور کا اپنی جگہ سے نکلنا۔

فقہ اکبر میں ہے: وَ خُرُوْجُ الدَّجَّالِ وَ یَاْجُوْجِ وَ مَاْجُوْجِ وَ طُلُوْعُ الشَّمْسِ مِنْ مَغْرِبِهَاوَ نُزُوْلُ عِیْسٰی علیہ السلام مِنَ السَّمَاءِ . (۲)

دجال اور یاجوج وماجوج کا نکلنا، سورج کا مغرب سے نکلنا اور عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے اترنا

(۱) دجال کا نکلنا بھی علامات قیامت میں سے ہے۔ دجال دجل سے بنا ہے جس کے معنی خلط، مکروفریب دینے اور جھوٹے کے ہیں چونکہ دجال میں یہ وصف پائے جاتے ہیں اس لئے اس کو دجال کہتے ہیں اور دجال کا ظہور احادیث نبویہ ﷺ سے ثابت ہے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

اِنَّ مَعَ الدَّجَّالِ اِذَا خَرَجَ مَاءً وَ نَارًا، فَاَمَّا الَّتِیْ یَرَی النَّاسُ اَنَّهَا النَّارُ فَمَاءٌ بَارِدٌ ، وَ اَمَّا الَّذِیْ یَرَی النَّاسُ اَنَّهُ مَاءٌ بَارِدٌ فَنَارٌ تُحْرِقُ ، فَمَنْ اَدْرَکَ مِنْکُمْ فَلْیَقَعْ فِی الَّذِیْ یَرَی اَنَّهَا نَارٌ فَاِنَّهُ عَذْبٌ بَارِدٌ . (۳)

دجال جب ظاہر ہوگا تو اس کے ساتھ پانی اور آگ ہوگی تاہم لوگ جس چیز کو آگ

(۱) العقیدۃ الطحاویۃ : ۱۹ (۲) شرح فقه اکبر : ۳۲۷

(۳) البخاری ، کتاب احادیث الانبیاء ، باب ما ذکر عن بنی اسرائیل ح : ۳۴۵۰

مسلم ، کتاب الفتن ، باب ذکر الدجال ح : ۱۰۷

مشکوۃ المصابیح ، باب العلامات بین یدی الساعة و ذکر الدجال ، الفصل الاول : ۴۷۳

سمجھیں گے وہ حقیقت میں ٹھنڈا پانی ہوگا۔ اور جسے لوگ دیکھیں گے کہ یہ ٹھنڈا پانی ہے وہ جلانے والی آگ ہوگی تم میں سے جو اسے پائے تو اس میں جائے جسے دیکھ رہا ہے کہ وہ آگ ہے کیونکہ وہ میٹھا پانی ہے۔ مختصراً یعنی وہ اپنے ساتھ جنت ودوزخ کی مانند دو چیزیں لائے گا تو وہ جس چیز کو جنت کہے گا حقیقت میں وہ آگ ہوگی اور دجال کی بائیں آنکھ کانی ہوگی۔

حضرت عمران ابن حصین ﷺ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا:

مَا بَيْنَ خَلْقِ آدَمَ اِلٰى قِيَامِ السَّاعَةِ خَلْقٌ اَكْبَرُ مِنَ الدَّجَّالِ .

کہ آدم علیہ السلام کی پیدائش سے لے کر قیامت کے دن تک دجال کے فتنہ سے بڑا کوئی فتنہ نہیں۔

اسی لئے نماز میں فتنہ دجال سے پناہ مانگنے کی تعلیم دی گئی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رحمت عالم ﷺ نماز میں (تشہد کے بعد) یہ دعا مانگتے تھے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ ، وَ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ ، وَ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَ فِتْنَةِ الْمَمَاتِ ، اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْمَاْثَمِ وَالْمَغْرَمِ .(٢)

---

(١) مسلم ، كتاب الفتن ، باب فى بقية من احاديث الدجال ح : ١٢٦

مشكوة المصابيح ، باب العلامات بين يدى الساعة و ذكر الدجال ، الفصل الاول : ٤٧٢

(٢) البخارى ، كتاب الاذان ، باب الدعاء قبل السلام ح : ٨٣٢

مسلم ، كتاب المساجد ، باب ما يستعاذ منه فى الصلاة ح : ١٢٩

ابو داؤد ، كتاب الصلاة ، باب الدعاء فى الصلاة ح : ٨٨٠

الترمذى ، كتاب الدعوات ، باب ٧٦ ح : ٣٤٩٥

النسائى ، كتاب السهو ، باب ٦٤ ح : ١٣١٠

ابن ماجه ، كتاب الدعاء ، باب ما تعوذ منه رسول الله ح : ٣٨٤٠

اے اللہ میں عذاب قبر سے تیری پناہ چاہتا ہوں اور کانے دجال کے فتنہ سے تیری پناہ چاہتا ہوں اور زندگی کے فتنوں اور موت کے فتنوں سے تیری پناہ کا طلبگار ہوں۔ اے پروردگار میں تجھ سے گناہوں سے اور قرض سے پناہ مانگتا ہوں۔

(٢) دوسری بڑی علامت جو مصنف علیہ الرحمہ نے بیان فرمائی ہے وہ دابة الارض ہے اور زمین کے جانوروں کا نکلنا قرآن مجید میں آیا ہے:

﴿وَ اِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً مِّنَ الْاَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ ۙ اَنَّ النَّاسَ كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا لَا يُوْقِنُوْنَ ۞﴾ [النمل٢٧: ٨٢]

اور جب (عذاب کا) قول ان پر واقع ہو جائے گا تو ہم ان کے لئے زمین سے ایک جانور (دابۃ الارض) نکالیں گے اس لئے کہ لوگ ہماری آیتوں پر یقین نہ لاتے تھے۔

صاحب شرح النسفیہ فرماتے ہیں:

فِى الْحَقِيْقَةِ اِنَّنَا نُؤْمِنُ بِخُرُوْجِهَا وَ اِنَّهَا تَكَلَّمُ النَّاسَ كَمَا وَرَدَ بِذٰلِكَ نَصُّ الْقُرْآنِ وَ لَسْنَا مُكَلَّفِيْنَ بِوَصْفِهَا وَ نَوْعِهَا. (ص :٢٤٦ حاشيه : ١)

حقیقت میں ہم اس کے نکلنے پر ایمان لاتے ہیں اور بے شک وہ جانور لوگوں سے کلام کرے گا جیسا کہ اس پر نص قرآنی وارد ہے اور ہم اس کے اوصاف وانواع کے بیان کرنے کے مکلف نہیں ہیں۔

(٣) اور یاجوج ماجوج کا ظہور بھی قرآن سے ثابت ہے:

﴿حَتّٰى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَ مَاْجُوْجُ وَ هُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ ۞ وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ فَاِذَا هِىَ شَاخِصَةٌ اَبْصَارُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ يٰوَيْلَنَا قَدْ كُنَّا فِىْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا بَلْ كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۞﴾ [الانبياء٢١: ٩٧-٩٦]

(یہ ناممکن ہی رہے گا) یہاں تک کہ جب کھول دیئے جائیں گے یاجوج وماجوج اور وہ ہر بلندی سے اترتے ہوئے آئیں گے (کہ اس وقت توبہ نفع نہ دے گی)۔ اور نزدیک آ جائے گا سچا وعدہ تو اس وقت کافروں کی آنکھیں پھٹی رہ جائیں گی (وہ کہیں گے) ہائے ہماری کم بختی بیشک ہم اس سے غفلت میں رہے بلکہ ہم ظالم تھے۔

یاجوج اور ماجوج دو قبیلے ہیں جو کہ یافث بن نوح کی اولاد سے ہیں یہ لوگ زمین کی شرقی شمالی جانب میں رہتے ہیں ان کے اجسام بہت بڑے اور اخلاق درندوں جیسے ہیں وہ شہروں میں داخل ہو کر فساد کیا کرتے تھے یہاں تک کہا گیا کہ وہ انسانوں کو کھا جاتے تھے۔ پس بادشاہ ذوالقرنین نے ایک دیوار بنا کر ان کا راستہ روک دیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کو اسی پہاڑی کے پیچھے رُوک رکھا ہے ان کا توالد وتناسل بہت زیادہ ہوتا ہے جس میں عقل حیران ہو جاتی ہے۔ قرآن مجید میں ان کا ذکر مجمل اور حدیث میں مفصل بیان آیا ہے۔ دیوار کو توڑ کر نکلیں گے اور یہ عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ہوگا پس وہ زمین میں داخل ہو کر خرابی و بربادی کریں گے لوگ پہاڑوں میں پناہ لیں گے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ان کو ہلاک فرمادے گا۔ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ یہ دوزخی ہیں۔ (النبراس: ۵۸۶)

(۴) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے اترنا بھی علامت قیامت ہے اور حق ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق یہود کا عقیدہ تو یہ ہے کہ ہم نے انہیں سولی دی اور جان نکل جانے پر دفن کر دیا۔ عیسائی یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ واقعی عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب پر سولی دے دی گئی اور وہاں آپ کی جان بھی نکل گئی مگر رب نے آپ کو دوبارہ زندگی بخشی اور آسمان پر اٹھا لیا مگر مسلمانوں کا عقیدہ یہ ہے کہ نہ آپ کو سولی دی گئی اور نہ آپ کی وفات واقع ہوئی بلکہ آپ کو اس طرح معہ جسم شریف زندہ اٹھا لیا گیا چنانچہ عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان پر زندہ اٹھا لیا جانا قطعی یقینی

اور اجماعی مسئلہ ہے۔ (۱)

لہٰذا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حق تعالیٰ نے یہودیوں کے شر سے بچا کر اپنی قدرت کاملہ کے ساتھ آسمان پر اٹھا لیا اس کا ثبوت آیات قرآنیہ اور حدیث نبویہ سے ملتا ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَ مَكَرُوْا وَ مَكَرَ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ۝﴾ [ال عمران۳: ۵۴]

اور کافروں نے مکر کیا اور اللہ نے (ان کے خلاف) خفیہ تدبیر فرمائی اور اللہ سب سے بہتر خفیہ تدبیر فرمانے والا ہے۔

﴿اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰۤى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَ رَافِعُكَ اِلَىَّ وَ مُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا......﴾ [ال عمران۳:۵۵]

(اے محبوب یاد کیجئے) جب اللہ نے فرمایا اے عیسیٰ! بیشک میں آپ کی عمر پوری کرنے والا اور اپنی طرف اٹھانے والا ہوں اور کافروں (کے بہتان) سے آپ کو پاک کرنے والا ہوں۔

﴿......وَ مَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَ لٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ؕ وَ اِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِىْ شَكٍّ مِّنْهُ ؕ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًۢا ۝ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝﴾ [النساء۴:۱۵۷-۱۵۸]

حالانکہ نہیں قتل انہوں نے ان کو اور نہ انہیں سولی پر چڑھایا لیکن ان کے لئے (کسی کو عیسیٰ کا) ہم شکل بنا دیا گیا اور بیشک جن لوگوں نے ان کے بارے میں اختلاف کیا وہ ان کی طرف سے ضرور شک میں ہیں انہیں ان کا کچھ علم نہیں مگر یہی کہ وہ محض گمان کی پیروی کرتے

(۱) تفسیر نعیمی ۳: ۵۴۶ ملخصًا

ہیں اور انہوں نے عیسیٰ کو یقیناً قتل نہیں کیا۔ بلکہ اللہ نے انہیں اپنی طرف (آسمان پر) اٹھالیا اور اللہ بڑا غالب بڑی حکمت والا ہے۔

اور ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل اور ان کے سولی چڑھائے جانے کی صراحتاً نفی کی اور ان کے جسم وروح کے ساتھ اٹھائے جانے کا اقرار فرمایا۔

بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ سے مراد روح وجسم کے ساتھ اٹھایا جانا ہے یہاں رفع روحانی مراد نہیں ہے جیسا قادیانی گروہ کہتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَ اِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ج......﴾ [النساء۴:۱۵۹]

اور (نزول مسیح کے وقت) اہل کتاب میں سے کوئی نہ ہوگا مگر وہ ضرور ضرور ایمان لائے گا عیسیٰ پر ان کی موت سے پہلے۔

معلوم ہوا کہ عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہیں اور فوت نہیں ہوئے کہ اہل کتاب عیسیٰ علیہ السلام کی موت سے پہلے ایمان لائیں گے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ اِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُوْنِ ط......﴾ [الزخرف۴۳:۶۱]

اور بیشک وہ (ابن مریم) ضرور نشانی ہیں قیامت کی تو (اے لوگو) تم ہرگز قیامت میں شک نہ کرنا اور میری پیروی کرتے رہنا۔

یعنی بے شک عیسیٰ علیہ السلام کا نزول قیامت کی نشانیوں میں سے ہے کیونکہ ہ ضمیر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف راجع ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

كَيْفَ اَنْتُمْ اِذَا نَزَلَ ابْنُ مَرْيَمَ فِيْكُمْ وَ اِمَامُكُمْ مِنْكُمْ ؟ (۱)

کہ تمہارا کیا حال ہوگا جب ابن مریم تم میں نازل ہوں گے اور تمہارا امام تم میں سے ہی ہوگا۔

اس حدیث میں اِذَا نَزَلَ سے ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہیں فوت نہیں ہوئے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا:

قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے بے شک ابن مریم تم میں ضرور آسمان سے اتریں گے اس حال میں کہ حاکم عادل ہوں گے، صلیب توڑیں گے، سور کو قتل کریں گے (اس کے پالنے اور کھانے کو حرام کریں گے) اور اہل ذمہ پر جزیہ رکھیں گے۔ مال بہت ہوگا یہاں تک کہ اسے کوئی قبول کرنے والا نہ ہوگا۔ (۲)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

کہ عیسیٰ علیہ السلام زمین پر اتریں گے، نکاح کریں گے، صاحب اولاد ہوں گے، پینتالیس سال قیام فرمائیں گے، پھر وفات پائیں گے، پس میرے ساتھ مقبرہ میں دفن ہوں

(۱) البخاری ، کتاب احادیث الانبیاء ، باب نزول عیسیٰ ابن مریم ح: ۳۴۴۹
مسلم ، کتاب الایمان ، باب نزول عیسیٰ ابن مریم حاکما بشریعة نبینا محمد ح: ۲۴۴
(۲) البخاری ، کتاب البیوع ، باب قتل الخنزیر ح: ۲۲۲۲
مسلم ، کتاب الایمان ، باب نزول عیسیٰ ابن مریم حاکما بشریعة نبینا محمد ح: ۲۴۲
الترمذی ، کتاب الفتن ، باب ما جاء فی نزول عیسیٰ ابن مریم ح: ۲۲۳۳
ابن ماجه ، کتاب الفتن ، باب فتنة الدجال و خروج عیسیٰ ابن مریم ح: ۴۰۷۸
مشکوة المصابیح ، باب نزول عیسیٰ ، الفصل الاول : ۴۷۹

گے۔ قیامت کے دن ہم اور عیسیٰؑ ایک ہی مقبرہ سے اٹھیں گے۔ (۱)

خیال رہے حضرت عیسیٰؑ کی مجموعی مدت قیام ۴۵ برس ہے کہ اس مدت میں ان کے آسمان پر اٹھائے جانے سے پہلے کا عرصہ قیام میں شامل ہیں اور آسمان سے اترنے کے بعد بھی مدت قیام۔ واللہ اعلم بالصواب

فائدہ:

قرآن مجید میں وفات کا لفظ تین چیزوں پر بولا گیا ہے:

(۱) موت

جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا......﴾ [الزمر ۳۹:۴۲]

اللہ جانوں کو قبض کرتا ہے ان کی موت کے وقت۔

(۲) نوم

جیسے فرمان خداوندی ہے:

﴿......وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا......﴾ [الزمر ۳۹:۴۲]

اور جنہیں موت نہیں آئی انہیں ان کی نیند میں۔

(۳) رفع ......اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں یہی مراد ہے:

يٰعِيْسٰى اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ وَ رَافِعُكَ اِلَيَّ ......﴾ [آل عمران ۳:۵۵] (نخبة اللآلی)

فائدہ:

حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(۱) مشکوة المصابیح، باب نزول عیسیٰ، الفصل الثالث: ۴۸۰

مَنْ اَنْكَرَ خُرُوْجَ الْمَهْدِيِّ فَقَدْ كَفَرَ بِمَا اُنْزِلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ ﷺ، وَ مَنْ اَنْكَرَ نُزُوْلَ عِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ؑ فَقَدْ كَفَرَ، وَ مَنْ اَنْكَرَ خُرُوْجَ الدَّجَّالِ فَقَدْ كَفَرَ، وَ مَنْ لَّمْ يُؤْمِنْ بِالْقَدْرِ خَيْرِهٖ وَ شَرِّهٖ مِنَ اللّٰهِ عَزَّ وَ جَلَّ فَقَدْ كَفَرَ. فَاِنَّ جِبْرِيْلَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ اَخْبَرَنِيْ بِاَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يَقُوْلُ مَنْ لَّمْ يُؤْمِنْ بِالْقَدْرِ خَيْرِهٖ وَ شَرِّهٖ مِنَ اللّٰهِ سُبْحَانَهٗ وَ تَعَالٰى فَلْيَتَّخِذْ رَبًّا غَيْرِيْ. (۱)

کہ جس نے انکار کیا حضرت مہدی کے ظاہر ہونے کا پس تحقیق اس نے کفر کیا ہے اس کلام کے ساتھ جس کو حضرت محمد پر نازل فرمایا اور جس نے انکار کیا حضرت عیسیٰ بن مریم ؑ کا پس وہ کافر ہوا اور جس نے انکار کیا دجال کے نکلنے کا پس تحقیق وہ کافر ہوا اور جو ایمان نہ لایا اس کی تقدیر کی اچھائی اور برائی پر جو اللہ کی طرف سے ہے پس وہ کافر ہوا بے شک جبرئیلؑ نے مجھے خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے جو نہ ایمان لائے تقدیر کے ساتھ کہ اس کی نیکی اور برائی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے ہے تو چاہیئے کہ وہ میرے سوا کوئی اور رب بنالے۔

معلوم ہوا کہ جس طرح حضرت عیسیٰؑ کے نزول پر ایمان لانا لازم ہے اسی طرح امام مہدیؓ کی تشریف آوری پر یقین رکھنا ضروری ہے۔

(۵) اور سورج کا مغرب سے طلوع ہونا حق ہے۔

حضرت حذیفہ بن اسید غفاریؓ کہتے ہیں کہ ایک دن ہم لوگ آپس میں قیامت کا ذکر کر رہے تھے کہ نبی ﷺ ہماری طرف نکلے اور پوچھا کہ تم لوگ کس چیز کا ذکر کر رہے ہو صحابہؓ نے عرض کیا کہ ہم قیامت کا تذکرہ کر رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا: یقیناً قیامت اس

(۱) التعليق الصبيح ٦: ٢٦٩، نخبة اللالی: ٦٩

وقت تک نہیں آئے گی جب تک تم اس سے پہلے دس نشانیوں کو نہ دیکھ لو گے۔ پھر آپ ﷺ نے ان دس نشانیوں کو اس ترتیب سے ذکر فرمایا: دھواں، دجال، دابۃ الارض، سورج کا مغرب کی طرف سے نکلنا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نازل ہونا، یاجوج و ماجوج کا ظاہر ہونا، تین خسوف کا ہونا۔ یعنی تین مقامات پر زمین کا دھنس جانے کا ذکر فرمایا ایک تو مغرب کے علاقہ میں، دوسرے مشرق کے علاقہ میں اور تیسرے جزیرہ عرب کے علاقہ میں اور دسویں نشانی جو سب کے بعد ظاہر ہوگی وہ آگ ہے جو یمن کی طرف سے نمودار ہوگی اور لوگوں کو گھیر یا ہانک کر زمین حشر کی طرف لے جائے گی۔ (۱)

جب سورج مشرق کی بجائے مغرب سے طلوع ہوگا تو ایمان لانے والے کا ایمان قبول نہیں ہوگا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ ......يَوْمَ يَاْتِيْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِيْٓ اِيْمَانِهَا خَيْرًا ط...... ﴾ [الانعام٦:١٥٨]

جس دن آپ کے رب کی بعض (مخصوص) نشانیاں آجائیں گی نہ دے گا نفع کسی شخص کو اس کا ایمان جو پہلے ایمان نہ لایا تھا یا اپنے ایمان میں اس نے کوئی نیکی نہ کی تھی۔

اور اس وقت کفر و گناہ سے توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا۔

چنانچہ صاحب نبراس لکھتے ہیں:

وَ قَدْ صَحَّ فِيْ اَحَادِيْثَ كَثِيْرَةٍ اَنَّهٗ لَا يُقْبَلُ اِيْمَانُ الْكَافِرِ وَ تَوْبَةُ الْفَاسِقِ بَعْدَهٗ. (النبراس :٥٨٧)

(۱) مشکوٰۃ المصابیح ، باب العلامات بین یدی الساعۃ ، الفصل الاول: ۴۷۲

اور بے شک بہت سی صحیح حدیثوں میں آیا ہے کہ کافر کا ایمان اور فاسق کی توبہ اس (مغرب سے طلوع) کے بعد مقبول نہیں ہے۔

قیامت کی علامات صغریٰ:

قیامت کی علامات کبریٰ سے پہلے سے پہلے علامات صغریٰ کا ظہور بھی ہوگا۔

چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ سے فرمایا:

جب مال غنیمت کو دولت قرار دیا جانے لگے، امانت (کے مال) کو مال غنیمت شمار کیا جانے لگے، جب زکوٰۃ تاوان سمجھا جانے لگے، جب علم کو دین کے علاوہ کسی اور غرض سے سیکھا جانے لگے، جب مرد بیوی کی اطاعت کرنے لگے، جب ماں کی نافرمانی کی جانے لگے، جب دوستوں کو تو قریب اور باپ کو دور کیا جانے لگے، جب مسجد میں شور وغل مچایا جائے، جب قوم و جماعت کے زعیم و سربراہ اس قوم و جماعت کے کمینہ اور بزدل شخص ہونے لگیں، جب آدمی کی تعظیم اس کے شر اور فتنہ کے ڈر سے کی جانے لگے، جب لوگوں میں گانے والیوں اور ساز و باجوں کا دور دورہ ہو جائے، جب شرابیں پی جانے لگیں اور جب اس امت کے پچھلے لوگ اگلے لوگوں کو برا کہنے لگیں اور ان پر لعنتیں بھیجنے لگیں تو اس وقت تم ان چیزوں کا جلد ہی ظاہر ہونے کا انتظار کرو سرخ یعنی تند و تیز آندھی کے زلزلہ سے زمین دھنس جانے کا، صورتوں کے مسخ و تبدیل ہو جانے کا، پتھروں کے گرنے، نیز ان چیزوں کے علاوہ قیامت اور تمام نشانیوں اور علامتوں کا انتظار کرو جو اس طرح کے پے در پے وقوع پذیر ہوں گی جیسے مثلاً موتیوں کی لڑی کا دھاگہ ٹوٹ جائے اور اس کے دانے پہ دانے گرنے لگیں۔ (۱)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

(۱) الترمذی ، کتاب الفتن ، باب ما جاء فی علامة حلول المسخ والخسف ح: ۲۲۱۱

جب میری امت ان پندرہ باتوں میں (جو پیچھے گذر چکی ہیں) مبتلا ہوگی تو اس پر وہ آفتیں اور بلائیں نازل ہوں گی۔ (جو اوپر حدیث میں مذکور ہیں)

حضرت عمر بن خطاب ؓ سے روایت ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضرت محمد ﷺ سے پوچھا مجھے قیامت کی کچھ نشانیاں بتلایئے! حضور ﷺ نے فرمایا: لونڈی اپنے آقا اور مالک کو جنے گی اور برہنہ پا اور برہنہ جسم مفلس وفقیر اور بکریاں چرانے والوں کو تم عالی شان وعمارات میں فخر وغرور کی زندگی بسر کرتے ہوئے دیکھو گے۔ (۱)

جیسا کہ اب مشاہدہ کیا جارہا ہے۔

حضرت امام مہدی کا ظہور:

قیامت کی چھوٹی نشانیوں میں سے آخری نشانی حضرت امام محمد مہدی ؓ کا ظہور ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: دنیا اس وقت تک اختتام پذیر نہیں ہوگی جب تک کہ عرب پر ایک شخص قبضہ نہیں کرے گا جو میرے خاندان میں ہوگا اور اس کا نام میرے نام پر ہوگا۔ (۲)

ابوداؤد کی ایک روایت میں یوں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

(۱) مسلم، کتاب الایمان، باب بیان الایمان والاسلام والاحسان ح: ۱
ابو داوٗد، کتاب السنة، باب فی القدر ح: ٤٦٩٥
الترمذی، کتاب الایمان، باب ما جاء فی وصف جبریل للنبی الایمان ح: ٢٦١٠
النسائی، کتاب الایمان و شرائعه، باب نعت الاسلام ح: ٤٩٩٣
ابن ماجه، کتاب السنة، باب فی الایمان ح: ٦٣
البخاری، کتاب الایمان، باب سوال جبریل النبی عن الایمان ح: ٥٠
(۲) ابو داوٗد، اول کتاب المهدی، ٤٢٨٢

اگر دنیا کے اختتام پذیر ہونے میں صرف ایک دن بھی باقی وہ جائے گا تو اللہ تعالیٰ اس دن کو طویل و دراز کرے گا یہاں تک کہ پروردگار میری نسل میں سے، یا فرمایا کہ میرے اہل جنت میں سے ایک شخص کو بھیجے گا جس کا نام میرے نام پر اور جس کے باپ کا نام میرے باپ کے نام پر ہوگا اور وہ تمام روئے زمین کو (عرب کی سرزمین کو) عدل وانصاف سے بھر دے گا جس طرح اس وقت سے پہلے تمام روئے زمین ظلم وجور سے بھری تھی۔ (۱)

علامہ علی قاری فرماتے ہیں:

فَیَکُوْنُ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ فِیهِ رَدٌّ عَلَی الشِّیْعَةِ حَیْثُ یَقُوْلُوْنَ اَلْمَهْدِیُّ الْمَوْعُوْدُ هُوَالْقَائِمُ الْمُنْتَظَرُ وَ هُوَ مُحَمَّدُ بْنُ الْحَسَنِ الْعَسْکَرِیُّ.(۲)

پس وہ حضرت مہدی محمد بن عبداللہ ؓ ہوں گے اس میں شیعہ کا رد کیا گیا ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ مہدی موعود وہ قائم منتظر ہیں جن کا نام محمد بن عسکری ہے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

اَلْمَهْدِیُّ مِنْ عِتْرَتِیْ مِنْ وُلْدِ فَاطِمَةَ .(۳)

مہدی میری عترت میں سے اور فاطمہ کی اولاد میں سے ہوں گے۔

حضرت ابوسعید خدری ؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔

اَلْمَهْدِیُّ مِنِّیْ ، اَجْلَی الْجَبْهَةِ ، اَقْنَی الْاَنْفِ ، یَمْلَأُ الْاَرْضَ قِسْطًا وَ

(۱) ابو داوٗد، اول کتاب المهدی، ٤٢٨٢
مشکوٰة المصابیح، باب اشراط الساعة، الفصل الثانی ح: ٤٧٠
(۲) مرقاة ۹: ۳٥۰
(۳) ابو داوٗد، اول کتاب المهدی، ٤٢٨٤

عَدْلاً كَمَا مُلِئَتْ ظُلْمًا وَ جَوْرًا ، وَ يَمْلِكُ سَبْعَ سِنِيْنَ . (١)

مہدی میری اولاد میں سے ہوں گے روشن وکشادہ پیشانی اوراونچی ناک والے۔

وہ روئے زمین کوعدل وانصاف سے بھردیں گے جس طرح کہ وہ ظلم وستم سے بھری ہوئی تھی وہ (یعنی امام مہدی) سات برس تک روئے زمین پر برسراقتدار اورقابض رہیں گے۔

بعض روایت میں مدت کی کمی وبیشی کا ذکر بھی آیا ہے۔ بہرحال امام محمد مہدی رضی اللہ عنہ کا ظہور قیامت کی نشانیاں میں ایک بڑی نشانی ہے اور آپ ہی کے دور امامت وحکومت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اتریں گے جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ بعض روایت میں ہے کہ حضرت امام محمد مہدی رضی اللہ عنہ کی مدینہ میں پیدائش اور تربیت ہوگی اور مکہ مکرمہ میں ان کی بیت خلافت ہوگی۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَاب

(١) ابو داوٗد ، اول كتاب المهدى ، ٤٢٨٥

وَالْمُجتَهِدُ قَدْ يُخطِئُ وَ قَدْ يُصِيبُ

اور مجتہد (١) کبھی خطاء (غلطی) کرتا ہے اور کبھی صواب (درستگی) پر ہوتا ہے۔

مجتہد کی خطاء وصواب

شـــرح : (١) لفظ مجتہد، اجتہاد سے اسم فاعل کا صیغہ ہے جس کا معنی ہے، مسائل کے استنباط میں (مسائل نکالنے میں) پوری کوشش کرنے والا۔

علامہ عبدالعزیز پرہاروی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هُوَ مَنْ يَصْرِفُ الْجُهْدَ اَيِ الطَّاقَةَ لِاِدْرَاكِ الْحَقِّ الْاِعْتِقَادِيِّ وَالْعَمَلِيِّ . (النبراس : ٥٨٩)

مجتہد وہ شخص ہے جو حق اعتقادی اور حق عملی کو پانے کیلئے اپنی طاقت خرچ کرتا ہے۔

اور اصطلاح میں مجتہد وہ ہے جو قرآن وحدیث کا ماہر ہو اور قیاس کے تمام طریقوں سے واقف ہو مذاہب سلف، لغت وغیرہ میں کامل مہارت رکھتا ہو۔ اگر ان شرائط میں سے کسی میں بھی کمی ہو تو وہ مجتہد نہیں ہوگا اور اس کو تقلید کرنی چاہیے۔

(٢) یعنی مجتہد کبھی خطا وغلطی کرتا ہے اور کبھی صواب پر ہوتا ہے۔

علامہ سعدالدین تفتازانی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

کہ مجتہد عقلیات اور شرعیات اصلیہ وفرعیہ میں کبھی غلطی کرتا ہے اور کبھی ایسا حکم کرتا ہے جو درست ہوتا ہے۔ (شرح العقائد النسفية : ١٧٥)

یہاں عقلیات سے مراد وہ مسائل ہیں جو عقلی دلائل سے حاصل ہوتے ہیں قرآن و حدیث اور اجماع سے مستنبط نہیں ہوتے اور شرعیات سے مراد وہ امور ہیں جن میں عقل مستقل اور غیر محتاج نہیں ہے۔ اصلیہ سے مراد عقائد اور اصول فقہ جیسے عذاب قبر اور امر

وجوب کے لئے ہے اور فرعیہ سے مراد فقہ کے مسائل فروع جیسے خون کے نکلنے سے وضو کا ٹوٹ جانا۔ (النبراس :۵۸۹)

بعض اشاعرہ اور معتزلہ کہتے ہیں کہ ہر مجتہد صواب اور حق پر ہوتا ہے مگر ماتریدیہ اور حنفیہ کے نزدیک مجتہد خطا کرتا ہے اور صواب پر بھی ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت داؤ داور حضرت سلیمان علیہما السلام کے زمانہ میں یہ واقعہ پیش آیا تھا کہ کسی کی بکریاں دوسرے کی کھیتی چر گئیں تو اس کا فیصلہ حضرت داؤ د علیہ السلام نے اس طرح کیا کہ بطور ضمان بکریاں کھیت والے کو دے دی جائیں جس میں ان سے خطا ہوگئی اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے دوسری طرح فیصلہ دیا کہ کھیتی والا بکریوں سے فائدہ اٹھائے اور بکریوں والا کھیتی کی دیکھ بھال کرے حتیٰ کہ جب پہلی حالت پر لوٹ آئے تب بکریاں واپس لے لے اور کھیتی اس کے حوالہ کردے اور یہی ٹھیک فیصلہ تھا۔

چنانچہ ان دونوں حضرات کے فیصلہ کے متعلق حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ ج وَ كُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا ز......﴾ [الانبیاء۲۱:۷۹]

تو ہم نے وہ معاملہ سلیمان کو پوری طرح سمجھا دیا اور دونوں کو ہم نے فیصلے کی قوت اور علم عطا فرمایا۔

معلوم ہوا کہ مجتہد سے بھی خطا ہو جاتی ہے (جیسے حضرت داؤ د علیہ السلام سے) اور صواب بھی (جیسے حضرت سلیمان علیہ السلام سے)۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اِذَا حَكَمَ الْحَاكِمُ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ اَصَابَ فَلَهٗ اَجْرَانِ ، وَ اِذَا حَكَمَ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ اَخْطَاَ فَلَهٗ اَجْرٌ .(۱)

(۱) البخاری ، کاتب الاعتصام بالکتاب والسنة ، باب اجر الحاکم اذا حکم ح : ۷۳۵۲

کہ حاکم حکم کرے پھر وہ درست کرے تو اس کے لئے دو ثواب ہیں اور اگر وہ حکم کرے پھر کوشش کرے کہ فیصلہ درست ہو پھر غلطی کر جائے تو اس کو ایک ثواب ہے۔

اور صحابہ کرام کا ایک دوسرے کو اجتہادی مسائل میں خطاوار بنانا بہت سے واقعات مشہورہ میں ثابت ہے۔ (شرح العقائد النسفیة)

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ط......﴾ [العنکبوت ۲۹:۶۹]

اور وہ لوگ جنہوں نے ہماری راہ میں جہاد کیا ضرور ہم انہیں اپنی راہیں دکھائیں گے۔

کن مسائل میں اجتہاد ہوتا ہے:

نیز یہ بھی ملحوظ خاطر رہے مجتہد کو بھی قیاس واجتہاد صرف ان مسائل میں جائز ہے جن کے متعلق قرآن وسنت اجماع امت میں صریح حکم نہ ملے اگر کسی مسئلے میں قرآن وسنت اجماع امت نے واضح احکام دے دیئے ہیں تو پھر قیاس واجتہاد ناجائز وممنوع ہے۔ یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ اجتہاد کا دروازہ بند ہو گیا ہے مگر آئمہ مجتہدین (کے بعد) سے لے کر آج تک مجتہد مطلق کے درجہ کا کوئی شخص ظہور میں نہیں آ سکا اگرچہ علم وفضل کے سینکڑوں آفتاب و مہتاب ہوئے ہیں مگر سب ہی مقلد تھے۔

خیال رہے کہ صدر الشریعہ حضرت مولانا امجد علی صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

مسئلہ :اصول عقائد میں تقلید جائز نہیں بلکہ جو بات ہو یقین قطعی کے ساتھ ہو خواہ وہ یقین کسی طرح بھی حاصل ہو اس کے اصول میں بالخصوص علم استدلالی کی حاجت نہیں۔ ہاں بعض فروع عقائد میں تقلید ہو سکتی ہے اسی بناء پر خود اہل سنت میں دو گروہ ہیں: ماتریدیہ کہ امام الہدیٰ حضرت ابو منصور ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ کے متبع ہوئے اور اشاعرہ کہ حضرت امام شیخ ابو الحسن

اشعری ﷜ کے تابع ہیں۔ یہ دونوں جماعتیں اہل سنت ہی کی ہیں اور دونوں حق پر ہیں۔ آپس میں صرف بعض فروع کا اختلاف ہے ان کا اختلاف حنفی شافعی کا سا ہے کہ دونوں اہل حق ہیں کوئی کسی کی تضلیل و تفسیق نہیں کرسکتا۔ (بہار شریعت، حصہ اول: ۳٦،۳۷)

عقیدہ: حضرت امیر معاویہ ﷜ مجتہد تھے ان کا مجتہد ہونا حضرت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے حدیث صحیح بخاری میں بیان فرمایا ہے۔

مجتہد سے صواب و خطا دونوں صادر ہوتے ہیں۔ خطا دو قسم پر ہے: ''خطاء عنادی'' یہ مجتہد کی شان نہیں اور ''خطاء اجتہادی'' یہ مجتہد سے ہوتی ہے اور اس میں اس پر عند اللہ اصلاً مؤاخذہ نہیں مگر احکام دنیا میں وہ دو قسم پر ہیں۔ ''خطا مقرر'' کہ اس کے صاحب پر انکار نہ ہوگا یہ وہ خطا اجتہادی ہے جس سے دین میں کوئی فتنہ نہ پیدا ہوتا ہو جیسے ہمارے نزدیک مقتدی کا امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنا۔ دوسری ''خطاء منکر'' یہ وہ خطاء اجتہادی ہے جس کے صاحب پر انکار کیا جائے گا کہ اس کی یہ خطاء باعث فتنہ ہے۔ حضرت امیر معاویہ ﷜ کا حضرت سیدنا امیر المومنین علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم سے خلاف اسی قسم کی خطا کا تھا اور فیصلہ وہ جو خود رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مولیٰ علی کی ڈگری اور امیر معاویہ کی مغفرت۔ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمْ اَجْمَعِیْن. (بہار شریعت، حصہ اول: ۴۷،۴۸۔ عقائد اسلام)

یہاں حضرت امیر معاویہ ﷜ سے جو خطا ہوئی ہے اس کے متعلق خطاء منکر فرمایا گیا ہے مگر حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی خطاء منکر کہنا پسند نہیں فرماتے چنانچہ لکھتے ہیں کہ حضرت مولانا جامی نے جو خطا منکر کہا ہے انہوں نے بھی زیادتی کی ہے خطاء پر جو کچھ زیادہ کریں خطا ہے۔ (مکتوبات دفتر اول، مکتوب ۲۴۹)

یعنی خطا منکر نہیں کہنا چاہیے بس اتنا ہی کہنا کافی ہے کہ ان سے خطاء اجتہادی سرزد ہوئی ہے۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَاب

وَ رُسُلُ الْبَشَرِ اَفْضَلُ مِنْ رُسُلِ الْمَلٰٓئِکَةِ وَ رُسُلُ الْمَلٰٓئِکَةِ اَفْضَلُ مِنْ عَامَّةِ الْبَشَرِ وَعَامَّةُ الْبَشَرِ اَفْضَلُ مِنْ عَامَّةِ الْمَلٰٓئِکَةِ.

اور انسانوں (۱) کے رسول بہتر ہیں فرشتوں کے رسولوں اور فرشتوں کے رسول بہتر ہیں عام انسانوں سے اور عام انسانوں (مسلمان) بہتر ہیں عام فرشتوں سے۔

رسل وملائکہ کی افضلیت

شرح: (۱) بشر (انسانوں) سے مراد یہاں مسلمان ہے ورنہ کافر کسی چیز سے بہتر نہیں ہے (صدر الشواہد) کیونکہ انسان اشرف المخلوقات ہے۔

اسی لئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَ لَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ وَ حَمَلْنٰھُمْ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَ رَزَقْنٰھُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ وَ فَضَّلْنٰھُمْ عَلٰی کَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِیْلًا ۞﴾ [اسراء۱۷: ۷۰]

اور بیشک ہم نے بزرگی عطا فرمائی اولاد آدم کو اور ہم نے انہیں سوار کیا خشکی اور دریا میں اور پاکیزہ چیزوں سے انہیں رزق دیا اور ہم نے انہیں بہت سی ان چیزوں پر فضیلت دی جنہیں ہم نے پیدا کیا، واضح فضیلت۔

نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ۞﴾ [التین۹۵: ۴]

بیشک ہم نے انسان کو بہترین ساخت میں بنایا۔

اور یہ شرف انسانیت دولت ہی سے حاصل ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ اُولٰٓئِکَ ھُمْ خَیْرُ الْبَرِیَّۃِ۞﴾ [البینہ۹۸:۷]

یقیناً جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے وہی کل مخلوق میں بہتر ہیں۔

اور رسولوں کا مقام و مرتبہ ساری مخلوق سے بہتر اور افضل و اعلیٰ ہے اسی لئے مصنف فرماتے ہیں کہ انسانوں کے رسول کی فرشتوں پر افضلیت چند وجوہ کی بنا پر ہیں۔

﴿وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِکَۃِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْا......﴾ [البقرہ۲:۳۴]

اور جب ہم نے فرشتوں سے فرمایا سجدہ کرو آدم کو سب نے سجدہ کیا۔

تمام علوی اور سفلی فرشتوں کو حضرت آدم علیہ السلام کی تعظیم کرنے کا حکم دیا ہے جس میں حضرت آدم علیہ السلام کی فضیلت فرشتوں پر ثابت ہے۔

دوسری آیت میں ہے:

﴿فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِکَۃُ کُلُّھُمْ اَجْمَعُوْنَ۞﴾ [الحجر۱۵:۳۰]

تو سب کے سب فرشتوں سے سجدہ کیا۔

﴿وَ عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّھَا......﴾ [البقرہ۲:۳۱]

اور اللہ نے آدم کو سب (چیزوں کے) نام سکھا دیئے۔

پھر ان چیزوں کے نام فرشتے نہ بتا سکے مگر حضرت آدم علیہ السلام نے بتا دیئے یہ بھی حضرت آدم علیہ السلام کی فضیلت کی دلیل ہے۔

اللہ تعالیٰ ابلیس کا قول بطور حکایت ذکر فرماتا ہے۔

﴿قَالَ اَرَءَیْتَکَ ھٰذَا الَّذِیْ کَرَّمْتَ عَلَیَّ ز......﴾ [اسراء۱۷:۶۲]

(اور) اس نے کہا بھلا دیکھ تو یہ جس کو تو نے مجھ پر بزرگی دی ہے۔

﴿......قَالَ اَنَا خَیْرٌ مِّنْہُ ج خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَہٗ مِنْ طِیْنٍ۞﴾ [الاعراف۷:۱۲]

اس نے کہا میں اس سے بہتر ہوں تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اسے مٹی سے بنایا۔

ابلیس کا یہ قول حضرت آدم علیہ السلام کی فضیلت میں صریح ہے اس سے رسل بشر کی فضیلت فرشتوں پر ثابت ہے۔

﴿اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰٓی اٰدَمَ وَ نُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰھِیْمَ وَ اٰلَ عِمْرٰنَ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ۞﴾(۱)

بیشک اللہ نے چن لیا آدم اور نوح اور آل ابراہیم اور آل عمران کو (ان کے زمانے کے) سارے جہان (والوں) پر۔

عالم کا مصداق جمیع ماسوائے اللہ ہے ان میں فرشتے داخل ہیں اس سے انبیاء علیہم السلام کی مع اپنی اولاد کے فرشتوں پر فضیلت ثابت ہے اگرچہ اس حکم سے عام بشر کی فضیلت بھی تمام ملائکہ پر ثابت ہوتی ہے لیکن عام بشر کی فضیلت اس حکم سے مستثنیٰ کی گئی ہے عام بشر رسل ملائکہ سے بہتر نہیں ہیں بلکہ انبیاء کے حق میں عموم باقی ہے اس پر آیت شریف عام مخصوص البعض ہے۔ یہ بات بھی ظاہر ہے کہ مسئلہ فضیلت ظنی ہے ظنیات میں ادلہ ظنیہ کافی ہیں۔

انسان کمالات علمیہ اور عملیہ حاصل کرتا ہے اور اس انسان کو بہت سے مانع درپیش ہیں اور فرشتوں کو مانع درپیش نہیں ہے انسان کا مانع اس کی شہوات ہیں جو اس کو ہر وقت مانع ہیں۔ کمالات اور عبادات کا حصول باوجود موانع کثیرہ کے بہت دشوار ہے اس سے کہ وہ کمالات اور عبادت حاصل کرے اور اس کیلئے کوئی مانع نہ ہو۔ اس دلیل عقلی کے لحاظ سے انسان کی فضیلت ثابت ہوئی۔

معتزلہ فلاسفہ اور بعض اشاعرہ کے نزدیک ملائکہ افضل ہیں وجوہ ذیل کی بنا پر۔

---

(۱) [آل عمران۳:۳۳]

(۱) ملائکہ ارواح مجردہ ہیں عقل میں کامل ہیں شرور وآفات کے مبادی مثلاً شہوت، غضب اور ہیولی وصورۃ کی ظلمتوں سے پاک ہیں عجیب عجیب افعال کی قوت رکھتے ہیں اور صحیح طور پر ماضی ومستقبل کے واقعات کے عالم ہیں اور وہ افضل ہیں اور اس کا جواب یہ ہے کہ ان تمام باتوں کی نبیاد فلسفی اصول پر ہے نہ کہ اسلامی اصول پر۔

(۲) انبیاء باوجود افضل البشر ہونے کے ملائکہ سے تحصیل علم اور استفادہ کرتے ہیں اس فرمان الٰہی کے مطابق

﴿عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ۞﴾ (۱)

انہیں سکھایا (اللہ) سخت قوتوں والے نے۔

﴿نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ۞﴾ (۲)

جسے روح الامین (جبریل) نے اُتارا۔

اس میں کوئی شک نہیں معلم متعلم سے افضل ہوتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ حقیقتاً تعلیم خدا کی طرف سے ہوتی ہے ملائکہ صرف واسطہ ہوتے ہیں۔

(۳) کتاب وسنت میں عموماً ملائکہ کا ذکر انبیاء پر مقدم ہے اور یہ شرف ورتبہ میں تقدم ہی کی وجہ سے ہے۔ جواب یہ ہے کہ ذکر میں تقدیم ان کے وجود مقدم ہونے کی وجہ سے ہے یا اس لئے کہ ان کا وجود مخفی ہے اس لئے ان پر ایمان لانا اہم ہے اور ان کی تقدیم بالذکر اولیٰ ہے نہ کہ شرف ورتبہ کی وجہ سے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَ لَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ط......﴾ (۳)

(۱) [النجم۵۳:۵] (۲) [الشعراء۲۶:۱۹۳] (۳) [النساء۴:۱۷۲]

مسیح اللہ کا بندہ ہونے سے ہرگز عار محسوس نہ کریں گے اور نہ (اللہ کے) مقرب فرشتے۔

اس طرز تعبیر سے اہل لسان یہی سمجھتے ہیں کہ ملائکہ عیسیٰ علیہ السلام سے افضل ہیں کیونکہ قیاس چاہتا ہے کہ ایسے مقام پر ادنیٰ سے اعلیٰ کی ترقی ہو، چنانچہ کہا جاتا ہے:

لَنْ يَّسْتَنْكِفَ مِنْ هٰذَا الْاَمْرِ الْوَزِيْرُ وَ لَا السُّلْطَانُ .

اس امر سے نہ وزیر عار کرے گا اور نہ ہی سلطان۔ (یہ نہیں کہا جائے گا کہ نہ بادشاہ عار کرتا ہے نہ وزیر جو ادنیٰ ہے)

جب عیسیٰ علیہ السلام پر فضیلت ظاہر ہوگی تو ان میں اور دوسرے انبیاء کے درمیان فرق ہونے کا کوئی قائل نہیں لہذا سب پر فضیلت ہوگئی۔

جواب: یہ ہے کہ نصاری نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اس قدر بڑا سمجھا کہ خدا کے بندوں سے ان کو بلند کیا اور ان کے لئے ابن اللہ ہونا مناسب خیال کیا کیونکہ ان کے باپ نہیں ہیں اور وہ اندھے اور ابرص کو اچھا اور مُردوں کو زندہ کر سکتے تھے بخلاف خدا کے دوسرے تمام بندوں کے کہ ان کو ایسے امور کی قدرت نہیں اور وہ بے باپ پیدا نہیں ہوئے تو باری تعالیٰ نے اس کا رد فرمایا کہ خود مسیح خدا کے بندہ ہونے سے عار نہیں کرتے یعنی ملائکہ جن کے نہ باپ ہیں نہ ماں اور ملائکہ ابرص واحیا موتی سے بھی زیادہ عجیب افعال پر خدا کے حکم سے قادر ہیں لہذا ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی صرف بغیر باپ کی پیدائش اور آثار عجیبہ وقوعیہ کے اظہار میں ہے مطلق کمال وشرف میں نہیں اس لئے ملائکہ کی افضلیت پر آیت دلالت نہیں کرتی (۱)

سوال: حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

(۱) ملخص شرح العقائد النسفية : ۱۸۰،۱۷۹،۱۷۸

...... وَ اِنْ ذَکَرَنِیْ فِیْ مَلَاءٍ ذَکَرْتُہٗ فِیْ مَلَاءٍ خَیْرٍ مِّنْھُمْ . (۱)

اور اگر وہ مجھے مجمع میں یاد کرتے ہے تو میں اسے بہتر مجمع میں یاد کرتا ہوں۔

معلوم ہوا کہ فرشتے انسان سے افضل ہیں اسی لئے فرمایا: خَیْرٍ مِّنْھُمْ .

جواب: بہتر مجمع سے مراد ارواح انبیاء اولیاء ہیں۔ ہوسکتا ہے مجمع سے مراد مقرب فرشتوں کا مجمع ہو چونکہ بعض لحاظ سے فرشتے انسان سے افضل ہیں کہ انسان نیک اور بد ہر طرح کے کام کرتے ہیں فرشتے صرف نیک کام ہی کرتے ہیں اسلئے خَیْرٍ مِّنْھُم کہا گیا ہے لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ انسان فرشتے سے افضل ہے پھر یہاں فرشتوں کو انسان سے افضل کیوں فرمایا گیا۔

مسئلہ: ماہیت انسان، ماہیت فرشتہ سے افضل ہے۔

رب تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَ لَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ......﴾ [الاسراء۱۷:۷۰]

اور بیشک ہم نے بزرگی عطا فرمائی اولاد آدم کو۔

اسی لئے انسان کو اشرف الخلوق کہا جاتا ہے۔ رہے افراد اس میں تفصیل یہ ہے کہ خاص انسان جیسے انبیاء و اولیاء خاص و عام تمام فرشتوں سے افضل ہیں مگر عام انسانوں سے خاص فرشتے افضل ہیں۔ رہے کفار وہ تو گدھے کتے سے برتر ہیں۔

رب تعالیٰ فرماتا ہے:

(۱) البخاری، کتاب التوحید، باب قول اللہ تعالی ﴿وَ یُحَذِّرُکُمُ اللّٰہُ نَفْسَہٗ﴾ ح: ۷۴۰۵
الترمذی، کتاب الدعاء، باب فی حسن الظن باللہ عز و جل ح: ۳۶۰۳
مشکوٰۃ المصابیح، باب ذکر عز و جل والتقرب الیہ، الفصل الاول: ۱۹۶

﴿......اُولٰٓئِکَ ھُمْ شَرُّ الْبَرِیَّۃِ۞﴾ [البینہ۹۸:۶] (مراۃ ۳: ۳۰۶)

وہی ہیں جو ساری مخلوق میں بدتر ہیں۔

نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿......اِنْ ھُمْ اِلَّا کَالْاَنْعَامِ بَلْ ھُمْ اَضَلُّ سَبِیْلًا۞﴾ [الفرقان۲۵:۴۴]

وہ تو محض چوپاؤں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی بدتر گمراہ۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

قَدْ یُسْتَدَلُّ بِذٰلِکَ عَلٰی اَفْضَلِیَّۃِ الْمَلٰٓئِکَۃِ مِنَ الْبَشَرِ. قَالَ الطِّیْبِیُّ اَلْمُرَادُ مَلَاءٌ مِنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ الْمُقَرَّبِیْنَ وَ اَرْوَاحِ الْمُرْسَلِیْنَ فَلَا دَلَالَۃَ عَلٰی کَوْنِ الْمَلٰٓئِکَۃِ اَفْضَلُ. وَالْاَحْسَنُ اَنْ یُّقَالَ الْخَیْرِیَّۃُ مِنْ جِھَۃِ النَّزَاھَۃِ وَالتَّقَدُّسِ وَالْعُلُوِّ وَ ھِیَ لَا تُنَافِیْ اَفْضَلِیَّۃَ الْبَشَرِ مِنْ جِھَۃِ کَثْرَۃِ الثَّوَابِ .

کہ مَلَاءٍ خَیْرٍ مِّنْھُمْ سے انسان سے فرشتوں کے افضل ہونے کا استدلال کیا جاتا ہے۔ امام طیبی نے فرمایا کہ مَلَاء سے مراد مقرب فرشتے اور رسولوں کی روحیں ہیں تو یہ حدیث فرشتوں کے افضل ہونے پر دلالت نہیں کرتی۔ بہتر یہ ہے کہ کہا جائے فرشتوں کی خیریت (بہتر ہونا) پاکیزگی طہارت اور بلندی مرتبہ کے اعتبار سے ہے اور وہ انسان کے افضل ہونے کے منافی (خلاف) نہیں ہے زیادہ ثواب کے لحاظ سے۔

بہر حال یہ مسئلہ کوئی ضروریات دین سے نہیں ہے کہ جس کے متعلق قبر و حشر میں سوال کیا جائے گا مگر یہ بات ضروریات دین سے ہے کہ ہمارے نبی ﷺ ساری مخلوقات سے افضل ہیں۔ وَاللہ اعلم بالصواب

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

(۱) حاشیہ مشکوٰۃ: ۱۹۶ حاشیۃ: ۱۰ بحوالہ لمعات

یارب العلمین بطفیل رحمة اللعلمین میری اس تالیف وتحریر کوشرف قبولیت عطا فرما اور اہل ایمان کے لئے نافع اور میرے لئے کفارہ سیئات اور صدقہ جاریہ بنا۔

یااللہ! اپنی ذات وصفات، اسماء حسنہ کے وسیلہ جلیلہ سے میری اور میرے اہل و عیال اور سب مسلمانوں کو دنیا اور آخرت کی بھلائی عطا فرما۔

یااللہ! میری اس تالیف وتحریر میں اگر کوئی اچھی باتیں لکھی گئی ہیں وہ تیری تائید و توفیق سے ہیں اور جو غلطیاں ہوئی ہیں وہ میرا قصور فہم اور استعداد کی کمی کی وجہ سے ہے تو مجھے معاف کر اور پردہ پوشی فرما۔

یااللہ! ظاہر وباطن کی اصلاح فرما، ہمیشہ صراط مستقیم پر قائم رکھ۔

یااللہ! میرے ولد عزیز کو ایمان وجان اور مال کی سلامتی عطا فرما۔

یااللہ! نیک اولاد نرینہ سے بہرہ ور فرما اور دنیا وآخرت کی نعمتیں عطا فرما۔

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۞ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۞ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَ لَاالضَّآلِّيْنَ ۞

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّ فِى الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّ قِنَا عَذَابَ النَّارِ.

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ج رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ج رَبَّنَا وَ لَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ج وَاعْفُ عَنَّا وقفه وَاغْفِرْ لَنَا وقفه وَارْحَمْنَا وقفه اَنْتَ مَوْلٰنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَ هَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ج اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ

رَبَّنَا اغْفِرْلِىْ وَلِوَالِدَىَّ وَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ.

اَللّٰهُمَّ ثَبِّتْنَا عَلٰى مُعْتَقَدَاتِ اَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ وَ اَمِتْنَا فِىْ زُمْرَتِهِمْ وَاحْشُرْنَا مَعَهُمْ.

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ. اٰمِيْن

العبد الضعیف

غلام حسین عاصم الماتریدی الحنفی

ماخذومراجع

قرآن مجید

تفسیر کبیر

تفسیر ابن کثیر

تفسیر مظهری

صحیح مسلم

سنن ابو داوُد

سنن ابن ماجه

مرقاة المفاتیح

مراة شرح مشکوة

التعلیق الصبیح

المستدرک للحاکم

الجامع الصغیر

النبراس شرح شرح العقائد

الحواشی البهیه علی شرح العقائد النسفیه

صدر الشواهد شرح عقائد

فرائد القلائد علی احادیث شرح العقائد

شرح النسفیة فی عقیدة الاسلامیه

احسن الفوائد لحل شرح العقائد

البیان ترجمة القرآن

تفسیر طبری

تفسیر نعیمی

صحیح البخاری

جامع الترمذی

سنن النسائی

مشکوة المصابیح

لمعات شرح مشکوة

مظاهر حق

شرح السنة

السنن الکبری

شرح العقائد النسفیة

کنز الفرائد

مصباح العقائد شرح القوائد

عقد الفرائد شرح عقائد

حاشیه رمضان آفندی

بغیة الرائد فی شرح العقائد

شرح مقاصد

عقائد نامه

توضیح العقائد

مذهب اسلام

مرام الکلام مع رساله ایمان نامه

القول الفیصل

شرح قصیده بدء الامالی

شرح عقیدة الطحاویه

العقیدة الواسطیة

کتاب التوحید (لابی منصور الما تریدی)

البریقه شرح الحدیقة الندیة

مکتوبات امام ربانی

نورالانوار

ما لا بد منه

عین الهدایة

توحید و سنت

علم الصیغه

الاسلام والایمان

الاقتصاد فی الاعتقاد

تذکرة مصنفین درس نظامی

تکمیل الایمان

عقائد الاسلام

اسلامی مذاهب

شرح فقه اکبر

تعلیم الایمان

عقیدة الطحاویه

العقیدة الحسنة

اثبات عذاب قبر

الحدیقة الندیة

المعتقد

مبداء و معاد

الحسامی

بهار شریعت

شرح سفر السعادة

حدائق الحنفیه

نفحة الیمن

میزان العمل

الفوائد البهیه

فہرست مضامین

☆......مؤلف کی مطبوعہ کتب......☆

(۱) عظمت قرآن مجید
(۲) کتاب الحج
(۳) طریقہ حج وعمرہ کی دعائیں
(٤) معراج مصطفیٰ
(٥) مصباح الفرائد فی ترجمۃ العقائد
(٦) الفتح القدسی فی تفسیر آیۃ الکرسی
(۷) آداب تلاوت قرآن مجید
(۸) شرح دعاء قنوت
(۹) شرح اسماء الحسنیٰ
(۱۰) شرح اسماء المصطفیٰ ﷺ
(۱۱) شرح عقائد نسفی
(۱۲) فضائل رمضان
(۱۳) شرح عقیدۃ الطحاویہ
(۱٤) کتاب الایمان
(۱٥) حقوق العباد
(۱٦) ذکر سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ
(۱۷) سیرت خاتم النبیین ﷺ
(۱۸) جمال مصطفیٰ ﷺ

☆......مؤلف کی غیر مطبوعہ کتب......☆

(۱) شرف المصطفی فی تفسیر سورۃ الضحیٰ
(۲) فضائل مکہ مکرمہ، فضائل مدینہ منورہ
(۳) ذکر مصطفیٰ ﷺ
(٤) شرح حجۃ النبی ﷺ
(٥) اجداد النبی ﷺ
(٦) شرح حدیث جبریل علیہ السلام
(۷) شان اہل بیت رضی اللہ عنہم
(۸) شان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم
(۹) امام ابو منصور ماتریدی
(۱۰) شان اولیاء اللہ رحمہم اللہ
(۱۱) شرح عمدۃ العقائد
(۱۲) شرح مختصر المنار (اردو)
(۱۳) خلاصۃ الصرف
(۱٤) نحو میر (اردو)
(۱٥) سفرنامہ حرمین
(۱٦) صدقہ جاریہ
(۱۷) شرح فقہ اکبر
(۱۸) فضائل شب برات

مہتمم جامعہ قادریہ رضویہ کا پیغام

آفاق عالم میں نبوت و رسالت سے بڑا کوئی رتبہ و کمال نہیں ہے تو یقیناً انبیاء کی وراثت بھی ایسا اعزاز ہے کہ اس کے مساوی کوئی اعزاز نہیں نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا" العلماء ورثة الانبیاء" علماء انبیاء کے وارث ہیں اور انبیاء کے بعد علماء اللہ عزوجل کی مخلوق میں فضل وکمال کے اعتبار سے سب سے افضل ہیں۔

علم تمام کمالات کی جڑ اور تمام حسنات کی اصل الاصول ہے اس لئے دنیا اس حقیقت کو تسلیم کرنے پر مجبور ہے کہ عالم اور جاہل برابر نہیں ہو سکتے لیکن اس علم سے مراد اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عظمت وجلال کی معرفت اور اسکے احکام ونواہی و اوامر وغیرہ کا علم ہے جو خشیت خداوندی کا سبب ہے اور اسی وجہ سے تقویٰ بقدر علم ہے نہ کہ بقدر عمل اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا" انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء" اللہ کے بندوں میں سے علماء ہی اس سے ڈرتے ہیں یعنی خوف خدا علماء کا وصف خاص اور وصف لازم ہے اور انبیاء کے وارث کہلانے کے مستحق یقیناً یہی علماء ہیں جن کے قلوب خشیت خداوندی سے لبریز ہوں اور جن کا علم مشکوٰۃ نبوت سے مستفاد ہو اس سے پتہ چلا کہ علم اصل الاصول ہے اور اس علم کے ذریعہ رب تعالیٰ کی معرفت حاصل ہوتی ہے اور بغیر علم کے انسان جمادات اور حیوانات کی طرح ہوتا ہے علم کی روشنی کو پھلانے کیلئے مدارس وجامعات کا قیام صحابہ کرام اور تابعین رضوان الرحیم کے دور سے شروع ہوا اور یہ سنت آج تک بغیر کسی تعطل کے جاری ہے، ان جامعات میں سے ایک جامعہ قادریہ رضویہ ہے جو علم کی روشنی پھیلانے میں اہم کردار ادا کر رہا ہے یہ ایک ایسا ادارہ ہے جو میری امنگوں کا ترجمان ہے جس میں فنون عصریہ اور علوم دینیہ کا حسین امتزاج ہے اور طلبا وطالبات کیلئے دینی وعصری علوم وفنون سے آراستہ ہونے کا بہترین انتظام موجود ہے۔ میری خواہش ہے کہ یہاں سے فارغ ہونے والے علماء وانبیاء ورسل کے حقیقی وارث ہوں اور ان کے نقوش قلم کی سیاہی قیامت کے دن شہداء کے خون سے زیادہ وزنی ہو۔ (آمین)

صاحبزادہ عطاء المصطفیٰ نوری
مہتمم جامعہ قادریہ رضویہ فیصل آباد

تعارف

جامعہ قادریہ رضویہ اہلسنت وجماعت کی معیاری دینی درسگاہ ہے اس کی بنیاد نائب محدث اعظم پاکستان شہید اہلسنت مبلغ اسلام حضرت علامہ الحاج ابوالشاہ محمد عبدالقادر قادری رضوی رحمۃ اللہ علیہ اور معین ملت والدین ابوالمعالی حضرت علامہ معین الدین قادری رضوی نوری شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپ رفقاء سمیت اگست 1963 میں رکھی۔ 1963 سے یہ مادر علمی سرچشمہ علم وحکمت بنی ہوئی ہے او تشنگان وطالبان شعور وآگہی سیراب ہو کر چاردانگ عالم میں فیضان محدث اعظم پاکستان کے گوہ نچھاور کر رہے ہیں۔ تبلیغی اور تعلیمی ودینی اور علمی فرائض سرانجام دے رہے ہیں وقت کے بدلتے تقاضوں کے ساتھ ساتھ نصاب تعلیم ونظام تعلیم میں خوشگوار تبدیلیاں رونما ہوتی رہیں۔ حضرت معین الدین الشافعی کی وفات کے بعد صاحبزادہ عطاء المصطفیٰ نوری کو بطور مہتمم جامعہ قادریہ رضویہ ک منصب سونپا گیا۔ آپ نے جامعہ کو مختصر عرصہ میں جدید سہولیات سے آراستہ کیا اور فروغ دین اسلا کیلئے جدید پروجیکٹس کا آغاز کیا۔

بحمد للہ تعالیٰ وبفضل حبیبہ الکریم علیہ الصلاۃ والسلام اس ادارہ میں ذی استعداد اساتذہ کرا جانثار محنتی کارکنان اور مخلص معاونین نے ادارے کی بہتری کیلئے کبھی بھی کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں ک نتیجۃً ادارہ عروج وترقی کی اعلیٰ منازل طے کر رہا ہے۔

جامعہ قادریہ رضویہ کا منظر

جامعہ کا تعلیمی معیار بلند ہونے کے ساتھ ساتھ اس کی عمارت بھی خوبصورت خاص طور پر جامعہ کی مسجد بڑی دیدہ زیب ہے اس کے شمال میں شہید اہل السنّت الشیخ عبدالقا اور الشیخ معین الدین القادری الشافعی رحمۃ اللہ علیہما کے مزارات ہیں ان پر ایک خوبصورت گنبد تعمی کیا گیا ہے جو تاجدار بریلی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے گنبد کی مشابہت کی وجہ سے بریلی شریف کی یاد دلاتا ہے۔ مسجد کے جنوب میں اور سامنے دو منزلوں میں تدریسی بلاک ہے اور مشرق کی طرف

ایک خوبصورت پانچ منزلہ عمارت مصطفائی کالج برائے خواتین اور چھ منزلہ عمارت ایمز کیمبرج سسٹم کی تعمیر کی گئی ہے۔ جامعہ میں ایک خوبصورت لائبریری ہے جس میں تفسیر، حدیث، فقہ، تاریخ، علوم دینیہ وعلوم عصریہ کی اردو، انگلش، فارسی اور عربی زبانوں میں ہزاروں کتب موجود ہیں۔ لائبریری کیلئے شہید اہل سنت ابوالشاہ محمد عبدالقادر اور ابو المعالی محمد معین الدین شافعی رحمۃ اللہ علیہما کے مزارات کے ارد گرد خوبصورت عمارت تعمیر کی گئی ہے۔ مرکزی لائبریری کا قیام ریسرچ ورک کو مدنظر رکھ کر کیا گیا ہے۔

ادارہ متعدد جدید وقدیم تعلیمی شعبہ جات پر مشتمل ہے۔

۱۔ التخصص فی الفقہ الاسلامی
۲۔ درسِ نظامی مع انٹر، بی۔اے، ایم۔اے اور ایم۔فل/پی۔ایچ۔ڈی
۳۔ دارالافتاء
۴۔ شعبہ تحفیظ القرآن
۵۔ شعبہ تجوید وقرأت
۶۔ مڈل کلاس (پرائمری پاس حفاظ کرام کیلئے ایک سالہ کورس ہے)
۷۔ جامعہ قادریہ رضویہ للبنات (درسِ نظامی)
۸۔ مصطفائی کالج برائے خواتین
۹۔ مصطفائی ماڈل سکول (بوائز/ گرلز برانچ)
۱۰۔ ایمز (AIMS) کیمبرج سسٹم
۱۱۔ مرکز تحقیق
۱۲۔ المصطفیٰ انٹرنیشنل
۱۳۔ المصطفیٰ قرآن اکیڈمی

التخصص فی الفقہ الاسلامی

دینی مدارس میں درس نظامی سے فارغ التحصیل طلباء کیلئے درجات تخصص کا قیام اور اسلامی علوم وفنون کی اعلیٰ تعلیم وتحقیق کا انتظام وقت کی ایک اہم ضرورت ہے جس کی اہمیت سے کسی طرح بھی چشم پوشی روا نہیں رکھی جاسکتی تھی۔

اس فوری ضرورت کا احساس کرتے ہوئے جامعہ کی انتظامیہ نے التخصص فی الفقہ کے شعبہ کے قیام کا اجراء کیا اور التخصص فی الفقہ الاسلامی کا ایک جامع کورس متعارف کروایا ہے۔ اس کورس کو عام مدارس کی طرح صرف چند کتب یا مخصوص ابواب تک محدود نہیں رکھا بلکہ ماہر اور تجربہ کار اساتذہ وعلماء وسکالرز کی آراء سے ایک جدید نوعیت کا کورس مرتب کیا ہے۔ جس میں وقت کی ضرورت کے پیش نظر انگلش وعربی بول چال کے کورس کے ساتھ ساتھ کمپیوٹر کی تعلیم کو بھی شامل کیا گیا ہے۔

یہ کورس تین سمسٹرز پر مشتمل ہے۔

التخصص فی الفقہ الاسلامی کا نصاب ذیل مقاصد کو مدنظر رکھ کر ترتیب دیا گیا ہے۔

۱۔ ایسے اہل علم ودانش اور اصحاب تخصص کو تیار کیا جاسکے جو اسلامی علوم کے بارے میں پیدا کی جانے والی بدگمانیوں اور اسلامی عقائد واحکام پر کئے جانے والے اعتراضات کا مدلل جواب دے سکیں۔

۲۔ ایسے علماء کی تیاری جو ملکی جامعات اور عصری تعلیمی اداروں میں اعلیٰ سطح پر اسلامی علوم کی تدریس کی ذمہ داریاں نبھانے کے ساتھ ساتھ وطن عزیز میں نفاذ اسلام کے عمل کی مؤثر رہنمائی کرسکیں۔

۳۔ نمایاں اسلامی علوم (تفسیر، حدیث، فقہ، کلام، اسلامی معاشیات) کے اعلیٰ مضامین کی تدریس کیلئے ایسے اساتذہ کی تیاری جو ان مضامین کی اعلیٰ سطح پر کماحقہ تعلیم دے سکیں اور دینی مدارس کے طلباء کو پیش آنے والے چیلنجز اور خطرات کا مقابلہ کرنے کیلئے تیار کرسکیں۔

۴۔ ایسے علماء کی تیاری جو اپنی عمیق دینی مہارت کی بناء پر مغربی علوم وفنون کا ناقدانہ جائزہ لے سکیں اور مغربی افکار وتصورات کا اسلامی شریعت کی روشنی میں تنقیدی مطالعہ کرکے ان کے رطب ویابس

کوائف الگ کر سکیں۔

۵۔ اور جدید پیش آمدہ فقہی مسائل کا حل اسلامی اصولوں کی روشنی میں دے سکیں۔

نصاب التخصص فی الفقہ الاسلامی

یہ کورس تین سمسٹرز (51 کریڈٹ) پر مشتمل ہے جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

سمسٹر-I

پرچہ جات	مضامین	کریڈٹ آورز
پرچہ-I	خصائص الفقه الحنفی و طبقات الفقهاء	۳
پرچہ-II	اصول الفقه	۳
پرچہ-III	الآیات فی الاحکام الفقیه	۳
پرچہ-IV	الا حادیث فی الاحکام الفقیه	۴
پرچہ-V	مسا حة الادب الفقهی/تاریخ الفقه	۳
پرچہ-VI	الغة العربیة	۲

سمسٹر II

پرچہ جات	مضامین	کریڈٹ آورز
پرچہ-I	فقه الاسر مع علم المیراث (علم المیراث وعائلی زندگی)	۳
پرچہ-II	الفقه المالی (اسلام کا معاشی نظام)	۳
پرچہ-III	نظام العدل و السیاسة	۳
پرچہ-IV	الفقه فی المعاملات المالیة	۳
پرچہ-V	المسائل العصریة الجدیدة	۳
پرچہ-VI	الغة الانجلیزیة	۳

سمسٹر III

پرچہ جات	مضامین	کریڈٹ آورز
پرچہ-I	فقه الدولی	۳
پرچہ-II	اصول الافتاء	۳
پرچہ-III	منهج البحث و التحقیق	۳
پرچہ-IV	الحاسوب	۳
پرچہ-V	المقاله	۳

ٹوٹل کریڈٹ: ۵۱

اہلیت داخلہ ومیرٹ پالیسی

فارغ التحصیل درس نظامی الشہادۃ العالمیہ (ایم۔اے عربی/اسلامیات)

ہائر ایجوکیشن کمیشن کا جاری کردہ Equivalence Letter

ادارہ ہذا کا ٹیسٹ اور انٹرویو

درسِ نظامی کے امتحانات میں حاصل کردہ ڈویژن کے مارکس

مقبول۔1 نمبر، جید۔3 نمبر، ممتاز۔5 نمبر، ممتاز مع الشرف۔7 نمبر

شعبہ درسِ نظامی

اس شعبہ میں تنظیم المدارس اہل سنت پاکستان کے مروجہ نظام تعلیم کے مطابق تعلیم دی جاتی ہے اور ہر سال تنظیم المدارس کے منعقدہ امتحانات میں طلباء شریک ہوتے ہیں اور نمایاں کامیابی حاصل کرتے ہیں کثیر طلباء کی تمام درجات میں شمولیت اور نمایاں کامیابیوں کے پیش نظر تنظیم المدارس نے جامعہ قادریہ رضویہ کو مستقل امتحانی مرکز قرار دے دیا ہے۔ درجہ ثانویہ عامہ، ثانویہ خاصہ، الشہادۃ العالیہ اور الشہادۃ العالمیہ میں حسب نصاب بورڈ تعلیم دینے کے علاوہ معقول ومنقول کی

منتہی ادق کتب بھی ماہرین شیوخ پڑھاتے ہیں۔

درسِ نظامی کے اس آٹھ سالہ دورانیہ میں بالترتیب میٹرک، ایف۔اے، بی۔اے اور ایم۔اے کی باقاعدہ تیاری کروا کر بورڈز اور یونیورسٹیز سے امتحانات دلوائے جاتے ہیں اور ان فضلاء کو مختلف یونیورسٹیز سے ایم فل اور پی ایچ ڈی کروانے کا اہتمام بھی کیا جاتا ہے۔ جامعہ ھذا کے طلباء جی سی یونیورسٹی اور دی یونیورسٹی آف فیصل آباد سے ایم فل اور پی ایچ ڈی کر رہے ہیں۔ درسِ نظامی میں ثانویہ خاصہ /عالیہ کے مضامین کے ساتھ ساتھ ایف۔اے کے مضامین درج ذیل طریقہ سے پڑھائے جاتے ہیں۔

پیریڈVII	انگلش	ہفتہ وار ۶ پیریڈ
پیریڈVIII	مطالعہ پاکستان+اردو	۳+۳ پیریڈ
پیریڈIX	کوچنگ اختیاری مضامین	۶ پیریڈ

شعبہ تحفیظ القرآن

شعبہ تحفیظ القرآن کی کلاسز ادارے کے مرکزی کیمپس کے علاوہ شہر کے طول وعرض میں جامعہ کے ساتھ الحاق شدہ ادارہ جات میں پھیلی ہوئی ہیں جن میں ماہرین اساتذہ طلباء کی استعداد کے مطابق 9 ماہ سے تین سال تک تحفیظ القرآن کی تکمیل کرواتے ہیں اور ہر تین ماہ بعد باقاعدہ امتحانات لئے جاتے ہیں۔ اس شعبہ کے بچوں کیلئے تربیت کا خصوصی انتظام موجود ہے انہیں ضابطۂ اخلاق کا پابند بنانے کیلئے قرآنی اور نبوی دعائیں اور فقہی مسائل کا ایک موزوں نصاب عملی طور پر سکھایا جاتا ہے۔ حفظ القرآن کے طلباو طالبات کو دوران حفظ اردو، انگلش اور ریاضی میں مہارت دی جاتی ہے تاکہ پانچویں پاس حفاظِ قرآن کو آٹھویں جماعت میں مشکلات کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ اس شعبہ کے طلباو طالبات کو قرآن پاک کے متعلق اہم معلومات اور بنیادی فقہی مسائل بھی سکھائے جاتے ہیں۔

شعبہ تجوید وقرأت

شعبہ تجوید وقرأت دو سال کے نصاب پر مشتمل ہے جس میں علم التجوید، فوائد مکیہ اور مقدمہ جزری جیسی کتب کی تدریس کے ساتھ ساتھ حدر، تدویر و ترتیل سے قرأت قرآن کی مشق کروائی جاتی ہے۔

مصطفائی ماڈل سکول (شعبہ مڈل ومیٹرک)

مصطفائی ماڈل سکول (رجسٹرڈ) میں طلباو طالبات کو آٹھویں تک صرف ونحو کے ساتھ ساتھ عربی پڑھائی جاتی ہے اور نہم و دہم کے ساتھ ثانویہ عامہ کروایا جاتا ہے اور پرائمری پاس حفاظ قرآن طلباو طالبات کو آٹھویں کلاس میں داخلہ دیا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں تمام طلباو طالبات سے بعد از نماز ظہر تا عصر قرآن مجید کی منزل سنی جاتی ہے۔ قرآن مجید کا دور شعبہ مڈل کے طلباو طالبات کیلئے لازم ہے۔

شرائط داخلہ

۱۔ شعبہ حفظ میں داخلہ کیلئے پرائمری پاس ہونا لازمی ہے۔

۲۔ شعبہ مڈل/ آٹھویں کلاس میں داخلہ کیلئے پرائمری پاس اور حفظ القرآن کی تکمیل لازمی ہے

۳۔ شعبہ میٹرک میں مڈل پاس ہونا لازمی ہے اور اس شعبہ میں داخل ہونے والے طلباء کیلئے میٹرک کے نصاب کے ساتھ ساتھ تنظیم المدارس کے کورس کے مطابق ثانویہ عامہ سال اول کی تکمیل بھی لازمی ہے، اس شعبہ کا دورانیہ دو سال پر محیط ہے جبکہ طالبات میٹرک کے ساتھ ساتھ ثانویہ عامہ (دو سالہ کورس) مکمل کرتی ہے

۴۔ شعبہ تجوید قرأت میں داخلہ کیلئے مڈل پاس اور ناظرہ خواں ہونا شرط ہے، مڈل پاس حافظ قرآن کو ترجیح دیجاتی ہے۔

۵۔ شعبہ درسِ نظامی میں داخلہ کیلئے مڈل/میٹرک پاس ہونا لازمی ہے۔

۶۔ تمام شعبہ جات میں داخلہ کیلئے داخلہ فارم پر کرنا اور فارم کی پشت پر دی گئی ہدایات پر عمل کرنا لازم ہوگا۔

۷۔ اسمبلی میں تمام طلباء کی حاضری لازم ہے۔اور ہفتہ وار جمعیت فیض رضا کی بزم میں شرکت لازمی ہے

یونیفارم

طلباء وطالبات میں مساوات قائم کرنے کیلئے یونیفارم کو لازمی قرار دیا گیا ہے جس کیلئے سفید قمیض وشلوار کا انتخاب کیا گیا ہے جبکہ سردیوں میں سبز رنگ کی جرسی منتخب کی گئی ہے اور طالبات کیلئے کالے رنگ کی جرسی لازمی ہے۔

اصول وضوابط ہاسٹل

۱۔ ہر کمرہ کی صفائی کی ہفتہ وار کمیٹی تشکیل دینا۔

۲۔ تعلیمی اوقات کی پابندی کروانا اور نگرانی کرنا۔

۳۔ ادارہ کی طرف سے دی گئی اشیاء کی حفاظت کرنا و نقصان پورہ کرنا۔

۴۔ سونے کے مقررہ اوقات کی پابندی کروانا۔

۵۔ ہاسٹل کے اندر اردو اور عربی زبان کو فروغ دینا۔

۶۔ کمرہ سے اندر یا باہر آتے ہوئے تمام پنکھے اور لائٹیں بند کرنا۔

۷۔ بیماری/ضروری رخصت کی درخواست پر ناظمِ اعلیٰ کی منظوری کے بعد ہاسٹل وارڈن کو جمع کروانا اور رجسٹر پر جامعہ میں جاتے ہوئے اور واپسی پر باقاعدہ دستخط کرنا ہفتہ وار چھٹی پر ہاسٹل سے باہر جانے کیلئے ہاسٹل وارڈن سے اجازت اور رجسٹر پر وقت اندراج و دستخط لازمی ہیں۔

سالانہ تقریب

جامعہ میں سالانہ تقریب ماہِ شعبان المعظم میں ہوتی ہے۔جس میں فارغ ہونے والے حفاظ،قراء اور علماء کے سر پر دستارِ فضیلت باندھی جاتی ہے اور ساتھ ہی بخاری شریف کا افتتاح بھی - ہوتا ہے جس میں ملک بھر سے نامور علماء کو مدعو کیا جاتا ہے۔

ایمز کیمبرج سسٹم

جامعہ قادریہ رضویہ (ٹرسٹ) پہلا مدرسہ ہے جس نے دین کی تعلیم کے ساتھ ساتھ کیمبرج کی تعلیم کا آغاز کیا ہے" **Road to Heaven** " کے نام سے روزانہ ایک پیریڈ طلبا کی اسلامی تربیت کیلئے لیا جاتا ہے اور" **Road to Quran** " کے نام سے **6th** سے او لیول تک طلبہ کیلئے ترجمہ وتفسیر القرآن کا بھی اہتمام کیا گیا ہے۔

مصطفائی کالج برائے خواتین

جامعہ ہذا نے خواتین کیلئے اسلامی و جدید تعلیم کے فروغ اور اعلیٰ تعلیم کے حصول کیلئے مصطفائی کالج برائے خواتین کا آغاز کیا ہے۔مصطفائی کالج کی انٹرمیڈیٹ کلاسز کا الحاق ایجوکیشن بورڈ فیصل آباد اور بی۔اے/ایم۔اے کلاسز کا الحاق پنجاب یونیورسٹی سے ہے۔طالبات الف۔اے کیساتھ ثانویہ خاصہ، بی۔اے کیساتھ الشھادۃ العالیہ اور ایم۔اے کیساتھ الشھادۃ العالمیہ (ایم اے عربی/اسلامیات) تک اعلیٰ تعلیم حاصل کر رہی ہیں۔کالج ہذا میں درسِ نظامی کے ساتھ ساتھ پنجاب یونیورسٹی کے تحت ایم۔اے ایجوکیشن/بی۔ایڈ اور ڈپلومہ ان اسلامک بنکاری کورس کا بھی آغاز کیا جا رہا ہے نیز طالبات کو تفسیر القرآن سرٹیفکیٹ کورس بھی کروایا جاتا ہے۔

سال اوّل/سال سوم/سال پنجم کی کلاسز میں داخلہ میٹرک/انٹر/بی۔اے کے امتحان کے نتائج کے بعد بورڈ آف انٹرمیڈیٹ فیصل آباد اور پنجاب یونیورسٹی کے مقررہ کردہ اوقات میں کیا جاتا ہے۔مقررہ مدت کے بعد داخلہ لینے والی طالبات کو جرمانہ تاخیر (لیٹ فیس) ادا کرنا ہوگا۔ تنظیم المدارس کے تحت ثانویہ عامہ کا امتحان پاس کرنے والی طالبات بھی ثانویہ خاصہ میں داخلہ لینے کی مجاز ہیں داخلہ حکومت پاکستان کی پالیسی کے مطابق ہوگا۔

جمعیت فیض رضا کے اہم اقدامات

جمعیت فیض رضا جامعہ قادریہ رضویہ کے مقاصد کے حصول کیلئے درج ذیل اقدامات کو

باحسن سرانجام دے رہی ہے۔

۱) جمعیت فیض رضا کی طرف سے مقالہ جات۔ ۲) سہ ماہی رسالہ کا اجراء

۳) شہید اہل سنت کی شہادت کے موقع پر اخبار کا اجراء ۴) جامعہ کی لائبریری کی توسیع

۵) دار التصنیف کا قیام

اپیل

کسی بھی معاشرے کی ترقی واستحکام کیلئے تعلیم یافتہ افراد کا ہونا لازمی امر ہے اور معاشرے کی اصلاح میں علماء کے کردار کو فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ یہی وہ افراد ہیں جن سے عبادت کی دنیا میں بہار رہتی ہے، تقویٰ وطہارت کے کنول کھلتے ہیں، نیکی کی کلیاں مسکراتی ہیں۔

جامعہ کے پروجیکٹس کے علاوہ دینی و جدید ریسرچ کے میدان میں ''مرکز تحقیق'' ریگولر سکولز کے طلباء کیلئے ''المصطفیٰ قرآن اکیڈمی'' اور خواتین میں ہمہ گیر تحریک برپا کرنے کیلئے ''المصطفیٰ انٹرنیشنل'' جیسے عظیم منصوبے کام کر رہے ہیں نیز جامعہ کی طرف سے دینی وسائنسی سیمینارز ختم قادریہ کبیر، غرباء اور یتمیٰ کی کفالت اور یتیم بچیوں کیلئے انفرادی واجتماعی شادیوں کا اہتمام بھی کیا جاتا ہے اور جامعہ قادریہ رضویہ کے نظام تعلیم کے ساتھ مدارس کی کثیر تعداد منسلک ہو کر دینی واصلاحی خدمات سرانجام دے رہی ہے۔

بحمدہ تعالیٰ جامعہ قادریہ رضویہ ایسے افراد کو میدان عمل میں لا کر مصطفائی معاشرے کی تشکیل کا فریضہ باحسن وجوہ سرانجام دے رہا ہے۔ جو کہ جامعہ کی آمدن ہی سے چل رہا ہے، تمام احباب واصحاب فضل وخیر سے استدعاء ہے کہ اپنے صدقات وخیرات، زکوٰۃ وعطیات و چرم ہائے قربانی سے جامعہ کے ساتھ معاونت فرما کر شکریہ کا موقع دیں۔

الداعی الی الخیر

مہتمم جامعہ قادریہ رضویہ فیصل آباد